ماہنامہ آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل

ماہنامہ

# حجاب

کراچی

aanchalpk.com aanchalnovel.com

Digitized by Google

# ماہنامہ حجاب کراچی

بیاد: زیب النساء
فرحت آراء

مدیر اعلیٰ: مشتاق احمد قریشی

مدیرہ: قیصر آراء

نائب مدیرہ: سعیدہ نثار

معاون مدیر: نازعروان عثمان عبداللہ

گروپ ایڈیٹر: طاہر احمد قریشی

| | |
|---|---|
| جلد | 04 |
| شمارہ | 02 |
| دسمبر | 2018 |


اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242

infohijab@aanchal.com.pk
aanchalpk.com



URDU TUBE
A HOUSE OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

Digitized by Google

## ابتدائیہ


بات چیت — مدیرہ — 10

حمد — ماہر القادری — 11

نعت — کوکب مظہر — 11


## سلسلہ وار ناول


عشق دی بازی — ریحانہ آفتاب — 52

عشق نگر کے مسافر — ندا حسنین — 98


## مکمل ناول


کس موڑ پر ملے ہو — روحی فرخ — 128


## ناولٹ


کانچ سی محبت — ماورا طلحہ — 12

نسیمِ صبح — شبانہ شوکت — 72

دیے جلنے لگے — صباحت رفیق چیمہ — 168


## افسانے


سسرال مقدس — عمارہ خان — 34

دل بے خبر — زینب اصغر مغل — 42

ہم یوں ملے — نظیر فاطمہ — 88

مسیحا زندہ ہے — شازیہ فاروق — 94

قناعت — تمثیلہ زاہد — 118

دشتِ سراب — آسیہ مظہر چوہدری — 122

دل، دعا اور دسمبر — سمیرا غزل صدیقی — 158

تم جیو ہزاروں سال — سلمیٰ فہیم گل — 164

تیرے سنگ پیا — حمیرا تبسم — 190


## آرٹیکل


رحمت اللعالمین — فائقہ — 198



URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی، دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400



Digitized by Google

سرورق: فاطمہ آفندی ..... آرائش: [illegible] بیوٹی پارلر ..... عکاسی: موسیٰ رضا

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

## مستقل سلسلے


| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| جیسا میں نے دیکھا | رفاقت جاوید | 200 | حسن خیال | جوہی احمد | 213 |
| بزم سخن | سمیہ عثمان | 202 | ہومیو کارنر | طلعت نظامی | 221 |
| کچن کارنر | زہرہ جبین | 204 | دوست کا پیغام آئے | ملیحہ احمد | 223 |
| عالم میں انتخاب | تسنیم شریف | 207 | ٹوٹکے | خدیجہ احمد | 225 |
| شوخیٔ تحریر | ہماذوالفقار | 210 | کترنیں | ادارہ | 000 |


خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
فیکس: 021-35620773 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Infohijab@aanchal.com.pk

Digitized by Google

editorhijab@aanchal.com.pk
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

# باب حیات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دسمبر ۲۰۱۸ء کا حجاب حاضرِ مطالعہ ہے۔

قارئین بہنوں نے جس طرح سالگرہ نمبر میں شرکت کرکے پرچے کو سراہا اور اپنی رائے کا اظہار کیا اس سے ہمارا نہ صرف حوصلہ بلند ہوا بلکہ محنت بھی وصول ہوگئی' ماہ وسال کے گزرنے سے وقت کی رفتار پر ایک ذرا فرق نہیں پڑتا، وہ اپنی مخصوص چال چلتا رہتا ہے مگر وقت کی یہ گردش ماہ وسال بربری طرح اثر انداز ہوتی ہے دن گزرتے جاتے ہیں صورت بدلتی جاتی ہے' انسانوں کی بھی' حالات کی بھی، کہیں رعونت زدہ لہجے خدا بننے لگتے ہیں تو کہیں خاک زادے حشر اٹھا دیتے ہیں۔

کبھی وہ دنیا بدل جاتی ہے جس میں ہم بس رہے ہیں اور کبھی وہ دنیا بدل جاتی ہے جو ہم نے بسا رکھی ہے۔ تبدیلی کا عمل ازل سے جاری ہے۔ کبھی یہ تبدیلی تعمیر کی نقیب بنتی ہے تو کبھی خاک میں ملا دیتی ہے۔

آج کل موسم بھی تبدیلی کے عمل سے گزر رہا ہے' سرما نے دھیرے دھیرے اپنے پر پھیلانا شروع کردیے ہیں' دھند چھائی ہوئی جو مزاجوں پر اثر انداز ہو رہی ہے' ماحول میں افسردگی کا عنصر غالب ہے۔ دسمبر کا مہینہ یوں بھی اپنے دامن میں اداسی لیے آتا ہے۔ سقوطِ مشرقی پاکستان اور آرمی پبلک اسکول میں ہونے والا ظلم قومی سطح پہ ایسے حادثات ہیں جنہوں نے اس کی اداسی میں اذیت کا رنگ گھول دیا ہے۔

سرما کی ان طویل خنک راتوں میں کبھی سوتے سے آنکھ کھل جائے تو خود احتسابی کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔ ۲۰۱۸ء کا سال رخصت ہونے کو ہے۔ کبھی خود احتسابی کی فرصت ملے تو غور کیجیے گا کہ سال گزشتہ ہمارے دامن میں کیا چھوڑے جارہا ہے اور ہم اسے کیا دے کر رخصت کررہے ہیں۔

ایسا تو نہیں کہ ہمارے کسی مذاق سے کسی کی آنکھ میں آنسو آئے ہوں، کسی کے دل سے کوئی آہ نکلی ہو' کسی کی ضرورت پر اپنی خواہش کا تاج محل کھڑا کرلیا ہو۔ چھوٹی چھوٹی غلطیاں، رنجشیں، حسرتیں کبھی کبھی انسان کو مقامِ آدمیت سے گرا دیتی ہیں۔

زندگی کے کشکول میں کتنے سکے ہیں معلوم نہیں، اس نامعلوم سے پہلے دل کو صاف کرلیں' اپنے دل کو بھی اپنے پیاروں کے دل کو بھی۔ جہاں رہیں خوش رہیں، خوش رکھیں۔

اس ماہ کے ستارے۔

ماورا طلعت' عمارہ خان، زینب اصغر مغل، شبانہ شوکت، نظیر فاطمہ، شازیہ فاروق، تمثیلہ زاہد، آسیہ مظہر چوہدری، روحی فرخ، سمیرا غزل صدیقی، سلمیٰ فہیم گل، جمیرا تبسم، فائقہ۔

دعا گو

قیصر آرا



Digitized by Google

# حمد

حاجت روا بھی تو ہے مشکل کشا بھی تو ہے
خلاق دو جہاں ہے سب کا خدا بھی تو ہے
روز ازل بھی تیرا شام ابد بھی تیری
ہر ابتدا بھی تو ہے پر انتہا بھی تو ہے
دکھ درد میں تجھ ہی کو مولا پکارتے ہیں
ٹوٹے ہوئے دلوں کا ہاں آسرا بھی تو ہے
تیری تجلیوں سے روشن ہیں ماہ و انجم
دنیا کی انجمن میں نور و ضیا بھی تو ہے
ہے چارہ ساز بھی تو اور کار ساز بھی تو
آنکھوں کی روشنی ہے دل کی دوا بھی تو ہے

ماہر القادری

# نعت

جب نظر کے سامنے روضے کا منظر آئے گا
خود بخود میری زباں پر ذکر سرور آئے گا
دیکھنا ہے سایہ احمدؐ تو دیکھو عرش پر
آسماں کا سایہ آخر کیوں زمین پر آئے گا
مجھ کو نسبت ہے محمدؐ سے نہیں دنیا کا خوف
مجھ سے ٹکرائی تو گردش کو بھی چکر آئے گا
تیرگی کو کاٹ دے گی جنبش نوک قلم
روشنی کے ہاتھ میں کرنوں کا خنجر آئے گا
میں ہوں مداح نبیؐ ممکن نہیں مجھ کو زوال
دیکھنا کس اوج پر میرا مقدر آئے گا
جس کے دل میں آئے گا کوکب محمدؐ کا خیال
بخت کی تاریکیوں میں مثل خاور آئے گا

کوکب مظہر

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

# کانچ سی محبت

ماورا طلحہ

وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے پتھریلی روش پہ چلتی جارہی تھیں۔ آسماں کالے بادلوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کچی کا موڑ مڑتے ہی سائیکل کے پیچھے بندھے گنے نظر آئے تو انہوں نے ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا اور ایک ایک گنا کھینچتے ہوئے بھاگ نکلیں۔ وہ وہاں سے کافی آگے نکل آئی تھیں مگر شنو کی ہنسی روکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"تجھے کتنی دفعہ کہا ہے کہ یہ خوفناک ہنسی نہ ہنسا کر..... میں نمانی تو ڈرتی ہی ہوں ساتھ بجلی کی تاروں پہ بیٹھے کوے بھی سہم جاتے ہیں' یوں لگتا ہے جیسے کوئی دیو ملا ہو کے ہنسے جارہا ہو۔" اس نے شنو کو گھرکا تو وہ منہ بنا کے رہ گئی۔

ابھی وہ دو قدم ہی چلی تھیں کہ پیچھے سے دبی دبی ہنسی کی آواز سنائی دی' دونوں نے حیرت سے پیچھے دیکھا۔ چاچا دتہ کی دکان پہ بیٹھا لڑکا شاید اسی کی بات پہ ہنس رہا تھا۔

"ہاں جی..... تمہاری بتیسی کس خوشی میں باہر نکل رہی ہے؟" وہ پل میں اس کے سر پہ کھڑی تھی' لڑکا فوراً کھڑا ہوگیا۔

"ہمارے پنڈ کے نہیں لگتے ورنہ یہ کبھی کسی میرے سامنے کرنے سے پہلے ایک سو ایک واری ضرور سوچتے۔" وہ گنا ہاتھ میں پکڑے ایسے کھڑی تھی جیسے کہیں کی تھانیدارنی ہو اور سامنے کوئی اشتہاری مجرم کھڑا ہو۔

"جی میں ساتھ والے پنڈ سے آیا ہوں' امتحانوں سے فارغ ہوا تو اماں نے مامے کے پاس بھیج دیا کہ فارغ نہ رہوں۔" وہ اس کے گنے والے ہاتھ کو دیکھتے ہوئے فرفر بولتا چلا گیا کہ کہیں تھانیدارنی اس کو جڑ ہی نہ دے۔

"آوارہ پھرتے ہوگے ناں تب ہی ماں نے بھیج دیا' چاچا تو بہت بھلا مانس بندہ ہے اگر تم نے کوئی ہیر پھیر کی تو ٹانگیں توڑ دوں گی۔" اس نے کہتے ہوئے گنے والا ہاتھ بلند کیا اور وہ زور و شور سے انکار میں سر ہلاتا پیچھے ہٹ گیا۔

"نہیں جی' میں آوارہ نہیں ہوں' پچھلے سال بڑے بڑھیا نمبر لیے تھے اور میرا اکلوتا ماما ہے اگر کچھ کروں گا تو اماں میرے ٹوٹے کر کے وڈی نہر میں پھینک آئے گی۔" وہ گنا تانے کھڑی لڑکی سے سخت خوفزدہ ہوا۔

"واہ..... تُو تو پھر بیبا بچہ ہے' چل ایک ٹھنڈی بوتل دوے' اب اپنی باجیوں کی خدمت نہیں کرے گا کیا؟" اس نے چاچے کے نہ ہونے کا فائدہ اٹھانا چاہا۔

"باجی..... آپ کا ادھار چلتا ہے اِدھر؟" اس نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں چلتا ہے' تو فکر نہ کر میں اگلے چکر میں پیسے دے جاتی ہوں۔" اس نے بوتل کھینچتے ہوئے قدم آگے بڑھائے اور شنو صرف داد دیتی رہ گئی۔

"اماں ٹھیک ہی کہتی ہے کہ تو کہیں سے بھی چاچا چاچی پہ نہیں گئی' کہاں وہ ہر کسی کی مدد کرنے والے اور کہاں تو منہ سے نوالہ چھیننے والی۔" اس نے چلتے ہوئے بوتل منہ سے لگائی اور وہ جو شنو کو دینے کا سوچ رہی تھی اس کی بات پہ صرف گھور کے رہ گئی۔

"اچھا اب غصہ نہ کر اور تھوڑی بوتل تو دے' تیرے گناہ میں شریک تو ہوگئی ہوں تو بوتل پینے میں کیا حرج ہے۔" اس نے لجاجت سے کہا تو پریتو نے نہ چاہتے ہوئے بھی بوتل اس کے ہاتھ میں دے دی۔

"اب گھر چلتے ہیں' کب سے زبیدہ کو ملنے کا کہہ کر نکلی تھی' تیری تو خیر ہے مگر اماں نے میرے پیچھے زبیدہ کے گھر پہنچ جانا ہے اور جب وہاں سے پتا چلے گا کہ ہم وہاں گئے ہی نہیں تو اماں نے میری گت اکھیڑ کے ہاتھ میں پکڑا دینی ہے۔" اس کے قدم دوسری سمت مڑتے دیکھ کر شنو نے جلدی سے کہا۔

URDU TUBE
ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

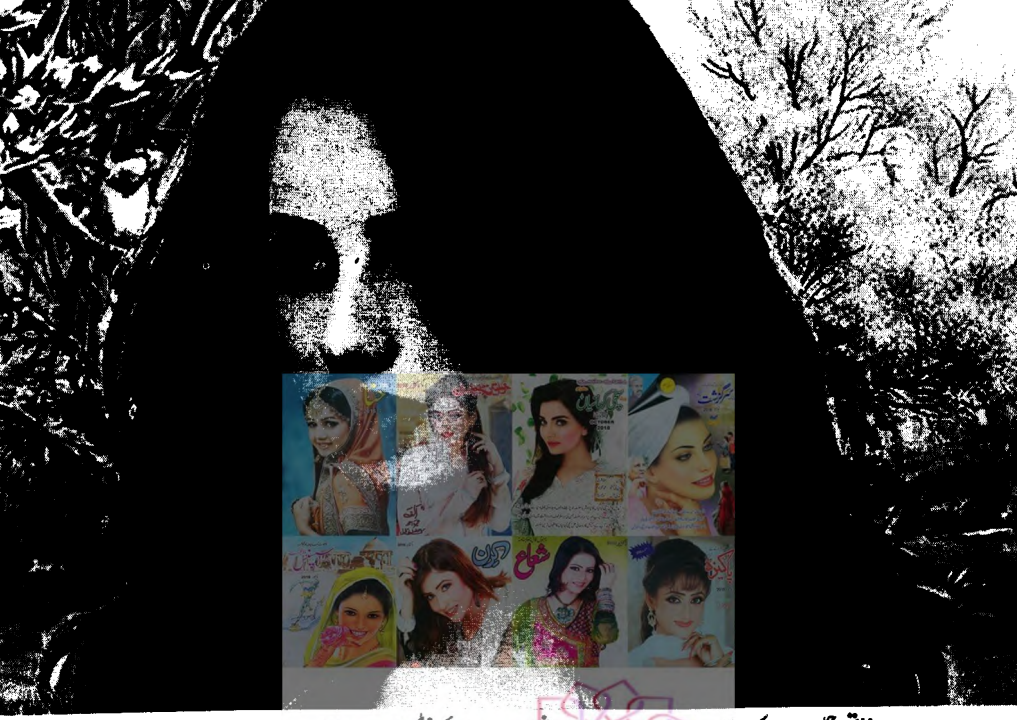

URDU TUBE
A HOUSE OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

"تجھ جیسی ڈرپوک میں نے پورے پنڈ میں نہیں دیکھی لیکن سہیلی ہے احساس تو کرنا پڑے گا۔ چل چلتے ہیں واپس' ویسے بھی مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" اس نے بچا ہوا گنا کھیت میں پھینکا اور گھر کے راستے کی طرف چل دی تھیں۔

مٹھائی بانٹتی پھروں؟"

"ویسے بھی تو سارا دن پھرتی رہتی ہے اگر اب دو چار گھروں کا چکر لگالے گی تو ٹانگیں نہیں گھس جائیں گی۔" انہیں اس کی لاپروائی بہت کھلتی تھی لیکن کی وجہ سے کچھ نہیں کہہ پاتی تھیں۔

❁......❁......❁

"پرتیو...... اری او پرتیو...... کس کونے میں گھسی ہے جلدی سے باہر نکل اور میری بات سن۔" اماں کی آواز پورے صحن میں گونج رہی تھی مگر پرتیو کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔

"او بھلیے لوکے...... تو بھی کسے آواز دے رہی ہے' اس کے آنے تک شام ڈھل جانی ہے' اپنی خوشی میں دوسروں کو شامل کریں تو خوشی دگنی ہو جاتی ہے' تو خود ہی مٹھائی بانٹ دے۔" پرتیو ان کی اکلوتی اولاد تھی اور وہ بخوبی جانتے تھے کہ وہ من مار کے کوئی کام نہیں کرتی تھی۔

"تسی بھی حد کرتے ہو اب اس ویلے میں گھر گھر

"تسی کیوں بھول جاتے ہو کہ دھی کا تن ہے' اس کو اگلے گھر بھی بھیجنا ہے اگر ایسے ہی کرے گی تو اگلے ہمیں سو سو باتیں سنائیں گے کہ ایک ہی دھی تھی اسے بھی گن نا سکھا سکے' کڑی کے پاس گھڑ پن نہ ہو تو کوئی پوچھتا بھی نہیں ہے۔" وہ ماں تھیں اور ان کی فکر مستقبل کے حوالے سے تھی۔

"کیوں پریشان ہوتی ہو؟ گھر میں سوہنا گھبرو منڈا ہے' تجھے کس بات کی فکر ہے؟ اللہ نے چاہا تو میرے ویہڑے کی رونق ادھر ہی رہے گی۔" پرتیو کا نام لیتے ان کے لہجے میں یوں ہی شہد گھل جاتا تھا۔

"کیا ہے اماں...... کیوں اتنا شور مچایا ہوا تھا؟" وہ



Digitized by Google

آنکھیں ملتی منہ بسورتی ہوئی ان کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

''تیری نیند کبھی ختم بھی ہوئی ہے؟ جب دیکھو سوئی پڑی رہتی ہے' گھر کا کوئی کام کاج ہی کرلیا کر کچھ تو ہاتھ سیدھا ہو۔'' اس کا چہرہ دیکھتے ہی وہ جان گئیں کہ خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔

''ابا..... یہ اماں کو سمجھا لیں' جب دیکھو میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔'' اماں کی ڈانٹ پہ وہ ہمیشہ ابا کی آڑ میں ہو جایا کرتی تھی۔

''اچھا اب اگر یہ آ گئی ہے تو تم شروع ہو گئیں' اسے کام بتاؤ تا کہ شام سے پہلے کر آئے۔''

''یہ مٹھائی گھروں میں بانٹ آ اور ساتھ شنو کو لیتی جانا لیکن گپیں مارنے نہ بیٹھ جانا اور شام کی اذان سے پہلے واپس آ جانا۔'' اماں نے بڑے سے تھال میں مٹھائی رکھ کر اوپر کپڑا ڈال رکھا تھا۔

''یہ اتنی مٹھائی کہاں سے آئی؟'' اس نے گلاب جامن منہ میں رکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''ساری دنیا کو خبر ہو گئی ایک تم ہی بے خبر ہو' اپنے چھوٹو نے کوئی وڈا امتحان پاس کیا ہے اور اس کی فوٹو اخبار میں آئی ہے۔'' صدیق صاحب جوش سے بتانے لگے اور وہ جو تھال اٹھائے کھڑی تھی یک دم بیٹھ گئی۔

''ابا..... ایک تو وہ چھوٹو نہیں ہے' اونٹ جتنا لمبا ہے اور دوسرا میں کیوں بانٹوں اس کے پاس ہونے کی مٹھائی؟ کوئی کی کمین بلائیں اور اس سے یہ کام کروائیں' میں ایویں اس کی خوشی میں جھلی ہو جاؤں۔'' مٹھائی کا سبب جاننے کے بعد گلاب جامن کا ذائقہ کڑوا ہو گیا اور منہ کے زاویے بھی بگڑ گئے تھے۔ اس نے ایک نظر اماں ابا کو دیکھا اور واپس کمرے کی طرف چلی گئی۔

''ادھر یہ حال ہے اور آپ جوڑ بنائے بیٹھے ہیں۔'' وہ دکھی دل سے اٹھ کھڑی ہوئیں تا کہ کسی کو بلا سکیں۔

❁.....❁.....❁

گرمیوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ سورج زمین والوں کو اپنے جلوے دکھا رہا تھا اور زمین والے اس کے جلووں سے بے حال ہوتے ہوئے سائے کی پناہ لیے ہوئے تھے۔ دور دور تک کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر جامن کے باغ میں سب سے چھپتے چھپاتے شاخ پہ بیٹھی وہ جامن کھانے میں مگن تھی۔ پیٹ بھر چکا تھا مگر دل نہیں بھرا تھا' اب اس کی نظر سب سے اونچی شاخ پہ تھی جہاں جامن کا گوچھا اس کا دل للچانے کو کافی تھا مگر مشکل یہ تھی کہ وہ وہاں تک پہنچ نہیں سکتی تھی اور باغ میں کوئی اور موجود بھی نہیں تھا جو اسے کوئی پتھر پکڑا دیتا۔ آخر کار اس نے خود ہی ہمت کی اور پاؤں میں پہنی چپل دے ماری مگر نشانہ چوک گیا۔ اس نے نیچے دیکھا تو چپل کافی دور جا گری تھی' اس نے دوبارہ نشانہ باندھا اور دوسری چپل دے ماری مگر اس بار جانیں تو ڈھیروں زمین بوس ہوئیں ساتھ ایک چیخ بھی باغ میں گونجی تھی۔ اس نے گھبرا کر نیچے دیکھا تو روح فنا ہو گئی تھی۔

وہ گاؤں کے نمبردار کا باغ تھا اور وہ ہمیشہ اسی باغ میں آتی تھی' ایک تو یہاں کا مالی ابا کا جاننے والا تھا اور دوسرا نمبردار کے خاندان کا کوئی فرد یہاں نہیں آتا تھا۔ گاؤں کا نمبردار پنچایت کے فیصلے کرنے میں مصروف جبکہ اکلوتا بیٹا شہر میں ہوتا تھا۔ وہ صرف کسی تہوار یا خوشی غمی پہ آتا تھا اسی سبب وہ جب دل کرتا باغ میں آ جاتی مگر اس وقت نمبردار کا بیٹا نہ صرف نیچے کھڑا تھا بلکہ عجیب نظروں سے اسے دیکھ بھی رہا تھا۔

''مجھے نہیں پتا تھا کہ تم یوں آن دھمکو گے اس لیے میری کوئی غلطی نہیں بلکہ تمہیں دیکھنا چاہیے تھا۔'' اس نے نیچے کھڑے لڑکے کی نگاہوں کو مکمل نظر انداز کر دیا تھا۔

''میں تمہاری طرح اوپر دیکھ کر نہیں چلتا اور نہ ایسی ہوائی چپلیں میں نے آج سے پہلے دیکھی ہیں۔'' اس نے دانت پیستے ہوئے جواب دیا۔

''ویسے یہ مالی بابا کہاں ہیں جو تم اتنے مزے سے اس جامن کے پیڑ کی شامت لائی ہو؟ وہ بیچارا بھی پناہ مانگ رہا ہے۔'' اس کے الفاظ منہ میں ہی تھے جب وہ


Digitized by Google

چھلانگ لگاتی ہوئی اس کے سامنے آگری اور ساتھ ہی کپڑے جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی‘ وہ پھٹی آنکھوں سے اس اڑن کٹھولے کو دیکھتا ہی رہ گیا۔

”تم مالی بابا کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ گاؤں کیا لینے آئے ہو؟ عید بھی نہیں‘ تمہارے گھر کسی کا ویاہ بھی نہیں‘ کوئی دنیا سے گیا بھی نہیں پھر کس لیے آئے ہو؟“ وہ کمر پہ ہاتھ ٹکائے تفتیش کر رہی تھی اور مقابل کو حیرت کے دہرے جھٹکے لگ رہے تھے۔

”تم نے تو میرے آنے کا سارا اتا پتا کر رکھا ہے‘ تم ہو کون اور تمہارا مقصد کیا ہے؟“ وہ اس سے دو قدم دور ہوا اور شک بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

”ہاہاہاہاہا۔“ اس کی ہنسی بے ساختہ تھی۔

”تم بھی ناں پاگل ہو۔“ اس خطاب پہ اس کی آنکھیں کھلی تھیں۔

”تم نمبردار صاحب کے اکو اک بیٹے ہو‘ شہر میں پڑھتے ہو‘ سونے پہ سہاگہ کوئی وحید مراد لگتے ہو جو سارے پنڈ کی کڑیاں حویلی پہ آنکھیں لگائے بیٹھی ہوتی ہیں جیسے تجھے دیکھ کے آنکھوں کا اندھا پن دور ہوگا...... ہونہہ۔“ اس نے درخت سے ٹیک لگاتے ہوئے تفصیل سے جواب دیا۔

”ان سب لڑکیوں میں ایک تم بھی ہو‘ اسی لیے تمہیں میرے آنے جانے کا علم ہے۔“

”تم نے نکے ہوتے شیخ چلی کی کہانی پڑھی تھی؟“ اس کے عجیب سوال پہ وہ کوفت زدہ ہوا۔

”کیوں...... تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“

”پہلے تم جواب دو پھر بتاتی ہوں۔“

”پڑھی تو نہیں مگر بہت دفعہ سنی ہے۔“ اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا اور منتظر نظروں سے اس کے جواب کی توقع کرنے لگا۔

”پر تو تیرا راستہ دیکھتی ہے‘ تیرے آنے جانے کی خبر رکھتی ہے‘ تیری یہ سوچ جان کر مجھے تو دوسرا شیخ چلی لگا ہے‘ اس کے انڈے بھی ٹوٹ گئے تھے تیری یہ سوچ وی مک


آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ آنچل کراچی
ماہنامہ حجاب کراچی

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کریں گے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 850 روپے

امریکہ‘ کینیڈا‘ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے
8000 روپے

مڈل ایسٹ‘ ایشیائی‘ افریقہ‘ یورپ کے لیے
7000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ‘ منی آرڈر‘ منی گرام‘ ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہیں۔ مقامی افراد

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216

موبی کیش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز

فون نمبر: +922-35620771/2

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
Info@aanchal@com.pk

URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com





Digitized by Google

جانی ہے۔'' اس نے ایک ادا سے پراندہ جھٹکا اور واپس چل دی اور پیچھے کوئی بے خبر حسن کو دیکھتا رہ گیا تھا۔

❀......❀......❀

''پریتو...... اٹھ جا' کتنی آوازیں دوں؟'' وہ نیند کے عالم میں خود کو پکارا جانا محسوس کر رہی تھی مگر آنکھیں کھلنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

''پریتو......'' اس نے ایک دم اسے جھنجھوڑا وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی اور نہ سمجھی سے اٹھانے والے کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''آنکھیں کھول لے دن چڑھ آیا ہے' آج چاچی سے پوچھوں گی تجھے کیا کھلاتی ہے جو تیری نیند نہیں جاتی۔'' شنو اسے اٹھانے میں ہی تھک گئی تھی اور اب ایک طرف بیٹھی اسے کوس رہی تھی۔

''تو سویرے سویرے کیوں نازل ہوگئی؟ آج اماں نے نہیں اٹھایا تو یہ کارنامہ کرنے تو پہنچ گئی' تیری جیسی دوست سے دشمن بھلے۔'' اس نے کھا جانے والی نظروں سے شنو کو دیکھا۔

''فضول باتیں ساری تجھے یاد ہوتی ہیں مگر کام کی کوئی بات کبھی تیرے دماغ میں نہیں ٹکتی' تجھے کل بتایا بھی تھا کہ نمبرداروں کے گھر میلاد ہے اور مدرسے والی باجی نے سب کو بلایا ہے اور تو ہی جانے کو بے تاب تھی' اب مجھے کاٹ کھانے کو دوڑ رہی ہے۔'' شنو ناراضی سے بولی۔

''لے میری تو مت ماری گئی ہے' اتنی ضروری بات مجھے یاد نہیں رہی اور تو ذرا پہلے نہیں اٹھا سکتی تھی۔'' اس نے جلدی سے بستر چھوڑا اور شنو کو باتیں سناتی باہر کو دوڑی' وہ ایسی محفلوں میں کم ہی جاتی تھی مگر باغ والے واقعے کے بعد خواہ مخواہ اس کا دل حویلی جانے کو مچل اٹھا تھا۔ میلاد کی دعوت اسے نعمت لگی تھی۔

انہیں پہلے ہی تاخیر ہو چکی تھی اسی باعث وہ تیز تیز چلتی حویلی کی طرف رواں تھیں۔ سفید کھلے گھیر کی شلوار پہ سفید قمیص اور سر پہ اماں کی کڑھائی والی چادر لیے وہ سادگی میں بھی کمال لگ رہی تھی۔ وہ ہانپتی کانپتی حویلی میں داخل ہوئیں تو عورتیں باتوں میں مگن تھیں۔

''پریتو...... کل تیرے گھر سے مٹھائی آئی تھی' وہ بھلا کس خوشی میں تھی؟'' شنو نے انجانے میں اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا۔

''تو آم کھا' گٹھلیاں نہ گن...... مٹھائی کھاتے نہیں سوچا تو اب کیوں مروڑ اٹھ رہے ہیں؟''

''بس تجھے پتا ہے ناں میں ذرا میٹھے کی شوقین ہوں دیکھ کر رہا نہیں جاتا مگر اب بتا دے ناں' کیوں بجھارتیں (پہیلی) بجھوا رہی ہے؟'' شنو نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے لاڈ سے پوچھا۔

''انوکھے لاڈلے نے کوئی امتحان پاس کیا ہے اور اسی خوشی میں اماں ابا نے زر کو آگ لگائی ہے۔'' وہ اماں ابا کے سامنے تو کچھ کہہ نہیں سکتی تھی اس لیے یہاں دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھی۔

''ہائے اللہ...... پریتو تو کتنی ظالم ہے' اتنا سوہنا اور لائق منڈا ہے چھوٹو اور تو اس کی کوئی عزت نہیں کرتی' صحیح کہتی ہے چاچی نہ جانے کس دن تجھے عقل آئے گی۔'' شنو سر پہ ہاتھ رکھے اس کی عقل کو کوسنے لگی۔

''ناں تو مجھے بتا وہ کہاں سے چھوٹو ہے؟ اس کے جتنے دو بچوں کے باپ بن چکے ہیں اور اس کے نخرے ہی ختم نہیں ہو رہے۔'' وہ ابھی کچھ اور بھی بولتی مگر میلاد شروع ہو چکا تھا۔ اس لیے چپ ہو گئیں اور سر جھکائے ادب سے مدرسے والی باجی کی باتیں سنتی رہیں اور میلاد ختم ہونے کے بعد اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''شنو...... آج دل کر رہا ہے نمبردارنی سے ہی مل لیں' روز روز کہاں آیا جاتا ہے؟'' اس نے شنو کا ہاتھ پکڑا اور اس طرف چل دی جہاں نمبردارنی مدرسے والی باجی اور چند عورتوں سے باتوں میں مصروف تھی۔ پتا نہیں دل کیوں انوکھی فرمائشیں کر رہا تھا اور وہ کسی حیل و حجت کے بنا دل کی مانے جا رہی تھی۔

''السلام علیکم!'' اس نے اجتماعی سلام کیا اور وہیں بیٹھ گئی۔



URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

"وعلیکم السلام تم چاچی جی کی بیٹی ہوناں؟" نمبردارنی نے اس کی اماں سے شباہت ایک پل میں محسوس کرلی تھی۔

"جی......" اس نے دانت پیستے ہوئے جواب دیا۔ وہ خود اماں کی عمر کی تھی مگر چاچی جی یوں کہہ رہی تھی جیسے اماں کی گود میں کھیلی ہو۔

"ماشاء اللہ...... اس چاند سے مکھڑے کی نظر اتار لیا کرو۔" نمبردارنی نے اس کے چہرے کو پیار سے چھوا اور کسی عورت کے بلانے پہ دوسری طرف متوجہ ہوگئی تھیں۔

❀......❀......❀

گرمیوں کی لمبی دوپہروں میں جب کھلے آسمان تلے کھڑے نہیں ہوا جاتا تو گاؤں کے ہر گھر میں عورتیں اپنے شوق پورے کرنے میں مصروف ہوجاتیں تھیں۔ پریتو اپنے خیالوں میں کھوئی نہ جانے کس جہاں میں گم تھی جب کہ اماں بڑی مہارت سے اون کے گولوں سے شاہکار بنا رہی تھیں۔

"پریتو...... تو کہاں گم ہے؟ ساری دنیا کی باتیں کرلیں تجھ سے مگر تو نے ایک واری بھی جواب نہیں دیا۔" اماں نے کام چھوڑ کے حیرانی سے اسے دیکھا جو چارپائی پر لیٹی آنکھوں میں عجیب رنگ لیے چھت کو دیکھ رہی تھی۔

"اماں...... تیری باتوں کی مجھے سمجھ نہیں آتی جس میں کسی کی بیماری، غریب کی دھی کی شادی اور رشتہ داروں کی لڑائیوں کا ذکر ہوتا ہے۔" اس کی بات پہ وہ کام چھوڑ کے اسے دیکھنے لگیں۔

"تیری باتوں میں کوئی رنگ نہیں ہوتا، کوئی خوشبو نہیں ہوتی، کوئی کھنک نہیں ہوتی...... خواب، خواہش، جگنو نہیں ہوتے۔" وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی۔

"تیرا دماغ تو نہیں چل گیا؟ تجھے یہ فلمی باتیں کہاں سے آگئیں؟ تو سارا دن شنو کے ساتھ رہتی ہے میں پوچھتی ہوں اس کی اماں سے کیا سکھاتی ہے اسے جو وہ تجھے خراب کررہی ہے۔" اماں سلائیاں ایک طرف رکھتی اس کے پاس آبیٹھیں۔

"اماں...... بس کردے وہ مجھے خراب نہیں کررہی، میں نے تو بس دل کی بات کی ہے اور تو میرے پیچھے ہی پڑگئی ہے۔" وہ اماں کے انداز پہ چڑ گئی۔

"دل کی بات سے یاد آیا۔ تیرے ابا نے رات مجھ سے چھوٹو کے بارے میں بات کی تھی اور کہا تھا تجھ سے بھی پوچھ لوں۔"

"کیا ہوا اسے...... وہ ٹھیک تو ہے ناں؟ کہا بھی تھا پاگل کو شہر جاکر کیا کرے گا، کبھی دوسرے پنڈ تو گیا نہیں مگر اسے ہی افسری کا شوق چڑھا تھا، اب بیٹھا رو رہا ہوگا کہ پریتو ٹھیک ہی کہتی تھی۔" چھوٹو اس کے ابا کے دور پرے کے رشتے دار کا بیٹا تھا۔ پیدا ہونے سے پہلے باپ مرگیا اور سات سال کی عمر میں ماں بھی چل بسی تھی، اس کے چاچا نے اپنے پاس رکھا مگر دیکھ بھال کرنے کے بجائے چائے والے کے پاس ملازم رکھوادیا۔ ابا کو پتا چلا تو اسے اپنے ساتھ لے آئے، پریتو اکلوتی تھی، گھر میں اپنا ہم عمر دیکھ کے اس کی خوشی دیدنی تھی۔

"پریتو...... پتر یہ ریحان ہے، آج سے یہ ہمارے ساتھ رہے گا، تو کہتی تھی ناں کہ تیرا بھائی نہیں ہے اور تو کس کے ساتھ گلی ڈنڈا کھیلے، تجھے سائیکل چلانا کون سکھائے، تو اب تیری یہ شکایت میں نے ختم کردی ہے، آج سے یہ تیرا دوست ہے، تو اس کے ساتھ کھیلے گی اور یہ تجھے سائیکل چلانا بھی سکھائے گا۔" انہوں نے تفصیل سے بات کی تاکہ وہ مطمئن ہوجائے اور وہ تو پہلے ہی آنکھوں میں خوشی کے دیپ جلائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ابا...... میں اس کے ساتھ کھیلنے جاؤں؟" ان کا سر اثبات میں ہلتے ہی اس نے چھوٹو کا ہاتھ پکڑا اور باہر کو بھاگ گئی۔ بچپن کی دوستی وقت کے ساتھ پروان چڑھتی رہی، پریتو دس جماعتیں پڑھ کے خوش تھی کہ اس نے بڑا تیر مار لیا اور تیر تو واقعی مارا تھا کیونکہ گاؤں میں خال خال لڑکیاں ہی دس جماعتیں پاس کرتی تھیں۔ اس کو حیرانی تب ہوئی جب چھوٹو نے شہر جاکر پڑھنے کا کہا۔

"تو اتنا پڑھ کے کیا کرے گا؟ ابا کی اتنی زمین ہے وہ

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

تجھے ہی تو دیکھنی ہے اور ویسے بھی تیرے جانے کے بعد ابا اکیلے ہو جائیں گے بس میں نے کہہ دیا تو نہیں جا رہا۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر سختی سے کہا اور اپنی طرف سے بات ختم کر دی۔

"تو تو جھلی ہے تجھے کیا پتا زندگی تو اس گاؤں سے باہر ہے دنیا تیری سوچ سے بھی زیادہ آگے ہے اور میں دنیا کے ساتھ دوڑنا چاہتا ہوں زمانے کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا چاہتا ہوں بس تو مجھے روک نہیں..... آج سے کچھ سالوں بعد تجھے خود پتا چل جائے گا کہ میں سچ کہتا تھا۔" پرتو کی سمجھ میں اس کی باتیں نہیں آ رہی تھیں مگر وہ اتنا ضرور جان گئی تھی کہ اس کا ارادہ اٹل ہے وہ اس کی ناراضی کی پروا بھی نہیں کرے گا اور ایسا ہی ہوا تھا۔

"تو پھر اپنے خیالوں میں کھو گئی اور میں بولے رہی ہوں....." اماں نے اس کے خیالوں کی جھیل میں کنکر پھینکا۔ اماں کے متوجہ کرنے پہ ماضی کی سوچ جھٹک کے وہ ان کی جانب متوجہ ہوئی۔

"تیرے ابا کہہ رہے تھے گاؤں کے بڑے بڑے لوگ چھوٹو کی تعریف کرتے ہیں اس کا مستقبل بڑا شاندار ہے اسی لیے وہ چاہتے ہیں تیرا اور چھوٹو کا رشتہ ہو جائے..... اس طرح تو ساری عمر ہماری آنکھوں کے سامنے رہے گی اور دوسرا چھوٹو تجھے زندگی بھر پلکوں پہ بٹھا کر رکھے گا....." اماں بول رہی تھیں جب کہ پرتو کی سانس سینے میں اٹکنے لگی تھی۔

"اماں ایسا نہیں ہو سکتا ابا کو کہہ ایسا فضول سوچنا چھوڑ دیں۔" وہ ایک دم سے کھڑے ہوتے ہوئے بولی تو اماں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیوں نہیں ہو سکتا ایسا؟" انہیں اس کی دماغی حالت پہ شک ہوا۔

"وہ مجھے اس حوالے سے پسند نہیں اور ویسے بھی میرے لیے تو کوئی شہزادہ آئے گا جو مجھے دنیا کی ہر سہولت دے گا۔ جس کے پاس گاڑی ہوگی جو بڑے سے گھر میں رہتا ہوگا اور جس کے آگے پیچھے نوکروں کی فوج ہو گی۔" وہ سوچ سوچ کر اپنی خواہشات بتا رہی تھی۔

"تیرے ابا کی اتنی زمین ہے اگر وہ افسر نہ بھی بنا تب بھی تجھے یہ سب دے سکتا ہے گاڑی بھی لے سکتا ہے اور نوکر بھی رکھ سکتا ہے۔"

"پھر بھی مجھے اس رشتے سے انکار ہے کہہ دیا تو بس کہہ دیا۔" وہ کہہ کر پاؤں پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ ان کی پُرسوچ نگاہوں نے اس کی پشت دیکھتی رہی تھیں۔

موسم میں کافی حدت تھی۔ وہ دوپہر میں نیند نہ آنے پہ شنو کی طرف جانے کو نکلی مگر قدم باغ کی طرف مڑ گئے۔

وہ کئی دنوں بعد دوبارہ نمبرداروں کے باغ میں آئی اس نے کسی درخت کی جانب نہیں دیکھا اور بے سبب باغ میں گھومتی رہی۔ اماں کی بات کو کئی دن گزر گئے تھے مگر اس کے دل کی بے چینی ختم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ سختی سے چھوٹو کے متعلق انکار کر چکی تھی مگر سکون پھر بھی نہیں تھا۔ وہ ابھی تک حیران تھی اس نے ایسی باتیں کیوں کی؟ چھوٹو اس کے بچپن کا دوست تھا اس کے ساتھ پلا بڑھا تھا اور کچھ عرصے پہلے اس کے شہر جانے پہ وہ کتنی پریشان ہوئی تھی کئی دن نہ ٹھیک سے ہنس پائی نہ کچھ کھا سکی تھی مگر اب ایسا کیا ہو گیا تھا جس نے چھوٹو سے بے زار کر دیا تھا۔ اماں کی باتوں کے بعد سے وہ چھوٹو کی گفتگو سے پرہیز کرنے لگی تھی اس کی فکر سے دامن چھڑانے لگی تھی اور یہ سب اس کے لیے خود بھی حیران کن تھا۔

"کسی کو ایک ملاقات میں دیوانہ بنا کے یوں پردہ داری اچھی عادت نہیں۔" وہ جو اپنے خیالوں میں مگن چل رہی تھی اس کی آواز پہ چونکی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" حواس بحال ہوتے ہی اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اصولاً تو یہ بات مجھے پوچھنی چاہیے۔" اس نے ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا اور اپنی پُرشوق نگاہیں اس پہ مرکوز کر دیں۔

"تم ابھی تک شہر واپس نہیں گئے؟ مجھے لگا تھا تم

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT



Digitized by Google

جا چکے ہوں گے۔" اس کی بات کا مطلب سمجھ کے بھی نظر انداز کر گئی۔

"اچھا...... تو تم اتنے دن اس لیے یہاں نہیں آئی کہ میرے جانے کے بعد آنا چاہتی تھی مگر میں اس گریز کو کیا سمجھوں؟" اس نے پُرسوچ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اتنی مشکل باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔" غصہ تو اس کی ناک پہ دھرا رہتا اور جچتا بھی خوب تھا۔

"تو سیدھی بات یہ ہے پریتو جی کہ آپ مجھ سے کیوں چھپ رہی ہیں؟" اس نے عجب لہجے میں پوچھا اور وہیں شعلہ سی لڑکی کا دل پگھل کے موم ہوا۔ وہ متحیر تھی کہ اس کا نام اتنا خوب صورت پہلے کب تھا؟ پچھلے دنوں کی ساری بے چینی ختم ہوگئی تھی۔ سارے سوال پل میں جواب پا گئے تھے۔ وہ بھی اس تیر کا شکار ہوئی تھی جس نے بڑے بڑوں کا غرور خاک میں ملا دیا تھا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں جیسا تم سوچ رہے ہو۔" اس نے منکر ہونے کی کوشش کی۔

"دشش...... چپ رہو میں جان چکا ہوں۔"

"کیسے؟" وہ ایک پل کو چونکی۔

"تمہاری نگاہوں نے اقرار کرلیا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور مقابل کی ساری مزاحمت دم توڑ گئی۔ وہ اس کے سامنے کھڑا اس کے بولنے کا منتظر رہا اور وہ بھی لبوں کو سزا دیے کھڑی رہی تو اس نے قدم بیرونی رستے کو موڑ لیے۔

"دوبارہ کب آؤ گے؟" دھڑکنوں نے لبوں کو بولنے پہ مجبور کیا۔

"جب پتے ترستی زمین کو ملن کا اذن بخشتے ہیں۔" اس نے مڑ کے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ لفظوں کے ہیر پھیر میں گم ہوکر رہ گئی تھی۔

......

پریتو زرد موسم کی منتظر رہنے لگی اور دنوں نے اس سے بیر باندھ لیا' وقت تھم سا گیا تھا۔ اس کی آس کی لو مدھم جل رہی تھی جب اس کے آنگن میں وہ شخص آ گیا جس کے لیے پریتو کے دل میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ چاچا چاچی سے مل کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"کس کے انتظار میں کھڑی ہو؟" وہ بھی اس کی نظروں میں لکھا انتظار پڑھ گیا تھا' کھلی کتاب ہوتی ہیں یہ آنکھیں جو ہر کسی کو راز دے جاتی ہیں۔

"زرد موسم کے......" اس نے دھیرے سے کہا مگر مقابل سن چکا تھا۔

"تو ابھی تک جھلی ہی ہے' لوگ بہار کا انتظار کرتے ہیں اور تو خزاں کا انتظار کررہی ہے۔"

"میری بہار' خزاں میں آئے۔" اس نے اسی انداز میں کہا تو چھوٹو کی بادامی آنکھیں اس کے چہرے پہ ٹک گئیں جیسے اس کا چہرہ پڑھنا چاہتا ہو۔

"پریت...... تو بدلی ہوئی سی لگ رہی ہے' مجھے گئے اتنا عرصہ تو نہیں ہوا کہ تو موسم کی طرح بدل جائے۔" اس کے لہجے میں پریشانی اُمڈ آئی تھی۔

"موسموں کا تعلق تو دل سے ہوتا ہے' تیرے دل کا موسم بدل گیا ہوگا اسی لیے میں بدلی ہوئی لگ رہی ہوں۔"

"ارے چھوٹو...... اس نکمی کو چھوڑ' تجھے باتوں میں لگا کے رکھے گی مگر لسی پانی نہیں پوچھے گی' ادھر آ کر بیٹھ اور پہلے کچھ کھا پی لے۔" اماں دور سے اس کے بگڑے تیور جان گئی تھیں تب ہی چھوٹو کو بلانے لگیں۔ اس نے ایک گہری نظر پریتو پہ ڈالی اور اماں کی طرف مڑ گیا تھا۔

......

موسم نے انگڑائی لی تو آسمان پہ بادلوں نے بسیرا کرلیا۔ موسم کی مناسبت سے صدیق صاحب نے پکوڑوں کی فرمائش کی تو پریتو نے پکوڑوں کا آمیزہ تیار کرنا شروع کردیا۔ چھوٹو کو ایک دم نہ جانے کیا ہوا کہ ٹی وی کی آواز اونچی کردی' صدیق صاحب چونکے مگر اس کی آنکھوں کا سلگتا موسم دیکھ کر خاموش ہوگئے۔

ہونٹوں سے چھو لو تم میرا گیت امر کر دو

URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

بن جاؤ میت میرے' میری پریت امر کر دو
نہ عمر کی سیما ہو' نہ جنموں کا ہو بندھن
جب پیار کرے کوئی' تو دیکھے کیول من
نئی ریت چلا کر تم' یہ ریت امر کر دو
ہونٹوں سے چھو لو تم' میرا گیت امر کردو

آنکھیں بند کیے دھیرے دھیرے گنگناتا وہ کہیں اور ہی پہنچا ہوا تھا۔

"یہ لے اپنا حصہ۔" اس نے پکوڑوں کی پلیٹ ٹھک سے اس کے پاس رکھی۔

"یہ میرا حصہ نہیں ہے۔" اس نے ایک نظر پلیٹ پہ ڈالی اور اس کی طرف دیکھتا ہوا عجب لہجے میں بولا۔ پریتو نے ناسمجھی سے اسے دیکھا شاید وہ بات کا مطلب سمجھ نہیں پائی تھی۔

"میرے حصے میں تیری فکر مندی' دوستی' احساس اور اپنا پن آتا تھا جو تو کسی اور کو دان کرنے کے لیے تیار ہے مگر میرا حال دیکھ کہ میں تیرے حصے کی محبت سنبھال سنبھال ہلکان ہو رہا ہوں اور مجبوری بھی ایسی کہ کوئی مہنگی بولی بھی لگائے تو اسے بیچ نہ سکوں۔" اس کے دھیمے لہجے میں کچھ سلگ رہا تھا مگر مقابل آشنائیوں سے منکر تھا۔

"اپنی جان اپنے پاس ہی رکھ' نہ میں مانگ رہی ہوں اور نہ مجھے چاہیے۔" اس نے ناک سکیڑتے ہوئے کہا اور پلیٹ اٹھا کے واپس مڑنے لگی۔

"جان کی ہی تو سودا بازی ہے...... دل لینے پہ راضی نہیں تو سمجھو جان ہی لے رہی ہو۔" وہ بات کے اختتام پہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس کی ڈری ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

"پر تو فکر نہ کر' کسی چیز کا حساب نہیں مانگوں گا بلکہ تیرے ہر فیصلے پہ تیرے ساتھ کھڑا ہوں گا...... آخر کو محبت کا ظرف بھی تو آزمانا ہے۔" پھیکی سی مسکراہٹ سے اس کو تسلی دیتا اس کے پاس سے ہٹ گیا اور وہ وہیں اس کے لفظوں کی گونج میں قید ہو گئی تھی۔

❁......❁......❁

موسم کروٹ بدل رہا تھا۔ رات کی ٹھنڈک نئے موسم کا اشارہ تھی اور شاید موسم کا ہی اثر تھا کہ اماں کی طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی۔ کھانسی کا ایسا دورہ پڑا کہ اماں کھانس کھانس کے بے حال ہو جاتیں۔ اماں کے بیمار پڑتے ہی پریتو کا سارا الہڑپن اڑن چھو ہو گیا اور چلبلی پریتو کی جگہ ذمہ دار لڑکی نظر آنے لگی تھی۔ گھر کی دیکھ بھال' جانوروں کا خیال اور زمینوں پہ وقت سے پہلے کھانا پہنچانا ہر کام بہتر کرنے کی کوشش میں لگی رہتی' سلگتی لکڑیوں کا دھواں آنکھوں میں گھستا تو خوب صورت آنکھیں سرخ رنگ کا لبادہ اوڑھ لیتیں' پانی رواں ہو کر گالوں کو بھگونے لگتا۔ اماں کے سامنے جاتے ہی وہ یوں ہنستی کہ جیسے آنکھوں سے نکلتا پانی ڈھیروں مسکرانے کا شاخسانہ ہو۔

"بس کر دے اماں' کتنی ضد لگائے گی' دن میں دس دفعہ کہہ رہی ہوں شہر جا کر بڑے ڈاکٹر کو دکھاتے ہیں یا چھوٹو کو بلا لیتے ہیں مگر تو ہے کہ ماننے کا نام نہیں لے رہی' ویسے تو بڑا کہتی ہے کہ میں لاڈلی ہوں' جگر کا ٹکڑا ہوں مگر سنتی میری ایک بھی نہیں۔" اماں کو دلیہ کھلاتے ہوئے پھر سے کھانسی شروع ہو گئی تو وہ اماں کی منتیں کرتے رو دینے کو ہوئی۔

"جھلیے...... فکر نہ کر یہ کھانسی موئی جاڑے کی وجہ سے پیچھے پڑی ہے جیسے ہی موسم بدلے گا یہ بھی میری جان چھوڑ دے گی۔" انہوں نے پیار سے اسے ساتھ لگاتے ہوئے تسلی دی۔

"ابا...... آپ ہی سمجھاؤ انہیں' میری تو نہ ماننے کی قسم کھائے بیٹھی ہیں۔" وہ منہ پھلاتے ہوئے اماں سے دور ہو گئی۔

"جھلیے لوکے' کڑی کی بات مان لے' وہ گھر اور باہر کے کام کر کر کے تھک گئی ہے' جلدی سے ٹھیک ہوتا کہ اس کو بھی سکون کا سانس آئے۔"

"نہ ابا غلط بات نہ کرو' مجھے اماں کی صحت پیاری ہے کاموں کی کوئی فکر نہیں' ہاتھ جلتا ہے تو یہ نہیں سوچتی کب اماں اٹھے گی اور میری جان چھوٹے گی بلکہ یہ سوچتی ہوں کہ اتنے سالوں میں اماں کا ہاتھ کتنی دفعہ جلا ہوگا؟ شنو بلانے آتی ہے تو یہ سوچ کے انکار نہیں کرتی کہ اماں بیمار

URDU TUBE
A WORLD OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

ہے بلکہ قسم کھاتی ہوں اور کہتی ہوں کہ مجھے باہر کا کوئی راستہ کوئی منظر اس وقت تک یاد نہ آئے جب تک میری ماں ٹھیک نہ ہو جائے۔"

"صدیق صاحب! اسے چپ کرادو کیوں میرا کلیجہ چھلنی کررہی ہے؟" اس کا زاروزار رونا انہیں تڑپا گیا۔

"بس کردے پریتو..... ماں کو اور تکلیف نہ دے۔"

"ٹھیک ہے پھر آپ بھی انہیں کہو کہ یہ کل شہر چلیں اور ڈاکٹر کو دکھائیں۔" اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے شرط رکھی۔

"تو نے ایسے ہی رو رو کے میرا دل دکھانا ہے تو اس سے اچھا ہے میں شہر چلی ہی جاؤں۔" انہوں نے آخرکار ہتھیار ڈال ہی دیے۔ اماں کے ہامی بھرنے سے اسے تھوڑا اطمینان ہوا تو وہ صبح کے ارادے باندھتی ہوئی بستر کی جانب چل دی تھی۔

❁ ❁ ❁

وہ بڑی سی میز کے پیچھے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ کمرے میں چار کرسیاں اس کی میز کے سامنے تھیں اور دیوار کے ساتھ صوفہ رکھا تھا۔ دوسری دیوار کے ساتھ الماری تھی جس میں کاغذوں کا انبار رکھا تھا۔ کمرے کے دوسرے کونے میں نفیس سا گلدان سجا ہوا تھا۔

چند ہفتے پہلے امتحان میں اعلا کارکردگی کی بنیاد پہ اس کو "ورکرز ویلفیئر" کا ضلعی انچارج بنادیا گیا تھا اس میں کسی حد تک اس کا اپنا انتخاب بھی شامل تھا۔ مزدور طبقے کی مدد کے لیے بنایا گیا ادارہ جس میں مالکان تنخواہ کے ایک مخصوص حصہ کی کٹوتی کرتے ہیں جس کا مقصد ان کو علاج اور بچوں کو تعلیم کی سہولیات دینا تھا۔ وہ نچلے طبقے کی مدد کو آگے بڑھا تو اسے احساس ہوا کہ مدد کے نام پہ صرف دھوکا دیا جارہا تھا۔ وہ ایک سرکاری ادارے کی ساری خامیاں ختم نہیں کرسکتا تھا لیکن اس نے اپنے ضلع کی بہتری کا بیڑا اٹھالیا تھا۔

امتحان کی کامیابی اور نوکری کی خبر اس نے چاچا جی کو کردی تھی مگر چاہ کر بھی وہ گاؤں دوبارہ نہیں جاسکا تھا۔ وہ ظرف آزمانے کا دعویٰ تو کر آیا تھا مگر وہ کسی اڑیل گھوڑے کی طرح اس کے قابو میں نہیں آرہا تھا سو اس نے ظرف کی آزمائش کو وقت کے دھارے پہ چھوڑ دیا تھا۔

"صاحب..... آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔"

"کون ہے؟" کسی کے آنے کی اطلاع سن کے اس نے سر اٹھایا۔

"کوئی صدیق صاحب ہیں وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کو جانتے ہیں اور کسی....." بتانے والے کی بات ادھوری رہ گئی۔ وہ کمرے سے نکلا تو انتظار گاہ میں سامنے ہی اسے وہ بیٹھے نظر آگئے۔ سفید لباس کے اوپر سفید پگ پہنے وہ اپنی شخصیت کا سحر برقرار رکھے ہوئے تھے۔

"کیا ہوا چاچا جی..... آپ یہاں کیسے سب خیریت ہے ناں؟" اس نے ملتے ہی بے چینی سے پوچھا۔

"ہاں پتر..... سب خیر ہے بس تیری چاچی کی طبیعت خراب تھی تو اسے چیک کرانے لائے تھے مگر انہوں نے داخل کرلیا اس بات کی خبر ہی نہیں تھی اس لیے مجھے کچھ انتظامات کے لیے گاؤں واپس جانا پڑے گا مگر یہ بھی سمجھ نہیں آرہا تیری چاچی کے پاس کس کو چھوڑوں؟ پریتو کو بھی کہاں شہر کی خبر ہے؟" انہوں نے اسے اپنی پریشانی سے آگاہ کیا۔

"چاچا جی..... مجھے پل میں آپ نے پرایا کردیا بیٹا کہتے ہیں تو بیٹا سمجھیں بھی آپ سب کچھ چھوڑیں اور یہ بتائیں کہ کون سا ہسپتال ہے؟" اس نے ملازم کو گاڑی کی چابی لانے کا کہا اور خود ان کا ہاتھ پکڑے باہر کو نکل آیا۔

راستے بھر فون کان سے لگائے مطلوبہ ہسپتال میں واقف کار ڈاکٹر ڈھونڈتا رہا اور سٹی ہاسپٹل کے سامنے گاڑی رکنے تک وہ دوست کے توسط سے کامیاب ہوچکا تھا۔ صدیق صاحب نم آنکھوں سے اسے دیکھتے رہے اور سوچتے رہے کہ کہتا چاچا جی ہے اور ساتھ ایسے دے رہا ہے کہ کوئی بیٹا بھی نہ دے۔ وہ ان کے ساتھ مطلوبہ کمرے میں پہنچا تو اندر موجود خاموشی نے اس کے قدم جکڑ لیے چاچی جی بیڈ پہ غنودگی کے زیر اثر لیٹی تھیں اور وہ

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com



Digitized by Google

ڈاکٹر سے تھوڑے فاصلے پہ کھڑی اسے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے وہ کوئی اور مخلوق ہو۔ چاچا جی فوراً اس کی طرف بڑھے تو وہ ڈاکٹر کے پاس آن ٹھہرا' اپنا کارڈ نکال کے دکھانا چاہا تو ڈاکٹر نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"ہم اپنا فرض بخوبی جانتے ہیں اس کے لیے کسی سفارش کی ضرورت نہیں' ان کے ٹیسٹ کی رپورٹس آ گئی ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ آپ انہیں کسی کینسر اسپیشلسٹ کے پاس لے جائیں۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ جی جان سے کانپا اور کمرے میں موجود دیگر نفوس بھی چونکے۔

"رپورٹ میں کینسر کے آثار ملے ہیں' ان کے پھیپھڑوں نے تقریباً ساٹھ فیصد کام کرنا چھوڑ دیا ہے لیکن پھر بھی بہتری کی امید کی جا سکتی ہے' اس لیے میری رائے ہے کہ یہاں وقت ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ آپ انہیں کہیں اور لے جائیں۔" ڈاکٹر رپورٹس ٹیبل پہ رکھتا ہوا باہر نکل گیا اور اپنے پیچھے خاموشی چھوڑ گیا۔

"اب کیا ہوگا پتر؟" کئی لمحوں بعد صدیق صاحب کی پریشانی سے بھرپور آواز گونجی۔ اس نے نظروں ہی نظروں میں انہیں تسلی دی اور خود رپورٹس پکڑے ڈاکٹر کے پیچھے نکل گیا۔

کمرے میں پریتو کی سسکیاں اور صدیق صاحب کی دلاسہ دیتی چھکی کی آواز رہ گئی تھی۔ وہ کچھ دیر بعد واپس لوٹا تو پریشانی اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی مگر اس نے خود پہ قابو پاتے ہوئے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"چاچا جی...... آپ فکر نہ کرنا' میں نے دوسرے ہسپتال میں ڈاکٹر ڈھونڈ لیا ہے بس تھوڑی دیر میں ہم چاچی جی کو وہاں لے جائیں گے اور ان کا بہترین علاج کروائیں گے۔ بس تھوڑے دنوں کی مشکل ہے پھر چاچی جی چنگی بھلی ہو جائیں گی۔" اس کے الفاظ مرہم جیسے تھے تب ہی دو ہلکان چہروں پہ دوبارہ امید کی کرن روشن ہو گئی تھی۔

❁......❁......❁

انہیں دوسرے ہسپتال میں آئے کئی دن گزر گئے تھے۔ پریتو ایک لمحے کے لیے ماں سے دور ہونے کو آمادہ نہیں تھی۔ اس کی شکستہ حالت صدیق صاحب کو مزید پریشان کر رہی تھی۔

"پتر کب تک یوں بیٹھی رہے گی؟ ریحان کے ساتھ ایک چکر باہر کا لگا کر آ جا۔" وہ کتنی دیر سے ماں کے سامنے بیٹھی ٹکٹکی باندھے انہیں دیکھنے میں مصروف تھی' اس کی یہ بے بسی ان سے دیکھی نہیں گئی تو ریحان کو اشاروں میں اسے باہر لے جانے کا کہا۔

"ابا......" اس کے ایک لفظ میں درد کا جہاں آباد تھا۔

"میں یہاں اچھی بھلی اماں لے کر آئی تھی' اماں ہنستی بولتی آئی تھیں اور انہوں نے کیا حال کر دیا؟ آپ جانتے ہو کتنے دن ہو گئے اماں کو اس بے ہوشی میں' کتنے دن گزر گئے انہوں نے آنکھیں کھول کر مجھے نہیں دیکھا' یہ بھی نہیں پوچھا کہ میری دھی تو نے کچھ کھایا؟ ابا میں یہاں اپنی ماں کو ٹھیک کروانے لائی تھی مگر دیکھیں انہوں نے کیا کر ڈالا؟ میری ماں کے زندگی سے بھرپور چہرے کو انہوں نے ویران کر دیا۔ صحیح کہتی تھیں اماں...... ہمیں انہیں یہاں نہیں لانا چاہیے تھا۔" وہ زار و زار رو رہی تھی۔

صدیقی صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ غم تو انہیں بھی تھا لیکن وہ بیٹی کے سامنے خود کو کمزور ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ریحان نے آگے بڑھ کے انہیں تھاما اور پانی کا گلاس دیا۔ انہوں نے کپکپاتے ہاتھوں سے گلاس پکڑ لیا۔ وہ غصے سے اس کی طرف بڑھا اور سختی سے اس کا بازو پکڑ کے اٹھایا' اس کے رونے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے لب بھینچے اس کو کھینچتا ہوا ہسپتال کے لان میں لے آیا۔

"یہاں بیٹھ کے جتنا رونا ہے رو لو مگر اس کے بعد دوبارہ تمہیں کمرے میں روتے نہ دیکھوں۔"

"تم میرا درد نہیں سمجھ سکتے' میں اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی ماں کو دور جاتا دیکھ رہی ہوں...... تم نہیں سمجھ سکتے' کبھی نہیں سمجھ سکتے۔" وہ انکار میں سر ہلاتی زار و قطار

URDU TUBE
A HOUSE OF ENTERTAINMENT
www.urgutubes.com



Digitized by Google

رونے لگی۔

"کیوں نہیں سمجھ سکتا' کیا وہ صرف تمہاری ماں ہیں' کیا صرف تمہارا ان سے رشتہ ہے؟ میرے پاس بھی رشتوں کے نام پر فقط تین لوگ ہیں اور جن کی تکلیف تمہیں ادھ موا کر رہی ہے وہ میری بھی ماں ہیں' ان کی تکلیف میرا بھی سینہ چھلنی کر رہی ہے مگر میں تمہاری طرح واویلا کر کے انہیں مزید تکلیف نہیں دینا چاہتا اور تم سے بھی صرف یہ ہی چاہ رہا ہوں کہ انہیں مزید اذیت نہ دو۔"

"مجھے ان کی تکلیف ہلکان کر رہی ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ میں انہیں اذیت دے رہی ہوں۔"

"ہاں میں تمہیں یہ ہی سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں' وہ ہمیں دیکھ نہیں سکتیں مگر ہماری آوازیں سن رہی ہیں' تمہارا رونا' تڑپنا وہ محسوس کر سکتی ہیں اور تمہارا یہ ہی ردعمل ان کی قوت مدافعت کو کم کر رہا ہے۔ تم ان کی تکلیف کم نہیں کر سکتی تو اللہ کے واسطے مزید بڑھاؤ بھی مت۔" اس کا لہجہ اب مدھم ہوا تھا۔

دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ اپنا سر ہاتھوں پہ گرائے ضبط کے مراحل سے گزر رہا تھا جب کہ وہ لاکھ چاہنے کے باوجود بھی سسکیوں پہ بند نہیں باندھ پا رہی تھی۔ کئی لمحات یونہی گزر گئے تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کافی وقت گزر گیا ہے' ہمیں اب چلنا چاہیے' چاچا جی اکیلے پریشان ہو رہے ہوں گے اور میں تم سے آخری بار کہہ رہا ہوں اب تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو تمہیں واپس گاؤں بھیج دوں گا۔" اس نے آخری حربہ آزمایا اور واپس چل دیا۔ وہ بھی سست روی سے اس کے پیچھے چلنے لگی تھی۔

❀......❀......❀

"پریتو......" وہ نیند میں تھی جب اسے اماں کے بلانے کا احساس ہوا۔ فوراً اٹھ بیٹھی مگر کمرے میں مدھم اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ خاموشی نے اماں کی آواز اس کا وہم ثابت کیا تو اس نے دوبارہ صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا۔

"پریتو......" چند لمحوں بعد دوبارہ آواز سنائی دی تو اس نے لمحے کی تاخیر کیے بنا کمرے کی لائٹ جلائی اور جلدی سے اماں کے پاس چلی آئی۔

وہ آنکھیں کھولے حیران نظروں سے اردگرد دیکھ رہی تھیں۔ ان کی کھلی آنکھوں نے اسے کئی پل ششدر کیے رکھا اور جب حواس لوٹے تو آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے' اس نے اردگرد دیکھا' ابا اور ریحان کمرے میں نہیں تھے۔

"اماں آپ میں ابا اور ریحان کو بلا کر لاتی ہوں۔" وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتی تھی مگر انہیں بلانے کے لیے باہر نکل آئی۔ وہ دونوں اسے سامنے سے آتے نظر آئے تو بھاگ کر ان تک پہنچی' وہ دونوں پریشانی سے اسے دیکھنے لگے۔

"اماں کو ہوش آ گیا' جلدی چلیں......" وہ کہتے ہی واپس پلٹ گئی۔ وہ کمرے میں پہنچی اور ان کا ہاتھ پکڑ کے پاس کھڑی ہو گئی۔ وہ دونوں بھی وہیں آ گئے۔

"میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتا ہوں۔" ریحان جانے لگا تو انہوں نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"میں ٹھیک ہوں' اب ڈاکٹر کو نہ بلانا' مجھے کچھ باتیں......" وہ مدھم آوازیں بول رہی تھیں اور اتنا بولنے سے ہی سانس اکھڑنے لگا تھا۔

"چاچی...... آپ نے آکسیجن بھی ہٹا دی اور اب ڈاکٹر کو بلانے سے بھی منع کر رہی ہیں۔" اس کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔

"آہو بھلی لوک...... پہلے ٹھیک ہو جا پھر ساری عمر باتیں ہی کرنی ہیں۔" صدیق صاحب نے ریحان کو بھیج دیا۔

"پریتو...... ریحان میری خواہش ہے' میری پسند مان لے۔" انہوں نے بمشکل الفاظ ادا کیے اور اسی پل ڈاکٹرز کی ٹیم کمرے میں داخل ہوئی۔ ان سب کو کمرے سے نکال دیا گیا۔

ڈاکٹرز نا امید تھے۔ اماں کی حالت قدرے بہتر تھی۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT



Digitized by Google

آکسیجن کی وجہ سے وہ بول نہیں پا رہی تھیں مگر ان کی آنکھیں مسلسل اس سے جواب مانگ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں کا گریہ اس کا سر اثبات میں ہلانے کی وجہ بن گیا۔ اس کمرے میں موجود باقی نفوس اس عہد و پیمان کو دیکھ ہی نہ پائے تھے۔ رات بھر جو امید ان کے دامن سے لپٹی رہی وہ صبح ہوتے ہی دامن چھڑانے لگی تھی۔

اللہ اکبر اللہ اکبر

ادھر اللہ کی بڑائی کا اقرار ہوا اور ادھر کمرے میں موت کا کھیل شروع ہوا۔ وہ تینوں گھبرا کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

اشھد ان لا الہ الا اللہ

یہاں اللہ کی وحدانیت کی گواہی دی گئی اور وہاں سانسیں اکھڑنا شروع ہو گئیں۔ ان تینوں کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری تھیں۔

حی علی الفلاح

ایک جانب فلاح کی دعوت کا آغاز ہوا اور دوسری جانب روح کا جسم سے تعلق ٹوٹا اور ہر نفس سے کیا گیا وعدہ تکمیل کو پہنچا۔ وہ کمزور تھی چیخ کر نیچے گر گئی، وہ بوڑھا شخص دیوار کو تھام کر رہ گیا، جب کہ وہ دونوں کو سہارا دینے کے لیے آگے بڑھ آیا تھا۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

وہ سیڑھیوں پہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کے لباس پہ جا بجا سلوٹیں نظر آ رہی تھیں، چہرہ ہر جذبے سے عاری اور آنکھوں میں گہری ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ شام کے ساتھ ہی موسم میں خنکی بڑھنے لگی تھی۔ یہ زرد موسم تھا۔ جس میں پرندوں کے آشیانے اجڑ جاتے، درختوں پہ ماتمی رنگ چھا جاتے، زمیں شجر سے بچھڑے پتوں سے اٹ جاتی تھی۔ وہ پچھلے کئی مہینوں سے اس موسم کے انتظار میں تھی اس بات سے بے خبر کہ اس موسم میں وہ اپنا عزیز رشتہ کھو دے گی۔

وہ اپنے خیالوں میں اس قدر گم تھی کہ شنو کا آنا اور اپنے پاس بیٹھنا محسوس ہی نہ کر سکی۔

''کب تک اِدھر یوں ہی بیٹھی رہے گی؟ شام ہو گئی ہے چل اندر چلتے ہیں۔'' شنو نے ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھا۔

شنو کتنی ہی دیر جواب طلب نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی مگر وہ ہنوز خاموش رہی۔ اس نے ناکامی سے صحن کے اس پار کھڑے سرو قد مرد کو دیکھا جس کی نگاہیں ان ہی کی جانب تھیں اور انکار میں سر ہلا دیا۔ اس کی ایک نہ چلتی دیکھ کر وہ آگے بڑھا تو شنو وہاں سے اٹھ گئی۔

''ایک رشتہ تم کھو چکی ہو اور دوسرے کو اذیت دے رہی ہو۔'' آواز بدلنے پہ اس نے چہرہ اٹھایا تو وہ بے ساختہ نظریں چرا گیا۔ آنکھوں میں تیرتے سرخ ڈورے اس کے درد کی کہانی بیان کر رہے تھے۔ وہ خود اس صدمے سے ٹوٹ گیا تھا مقابل تو پھر ایک لڑکی تھی، وہ لڑکی جس نے دکھ کی ایک گھڑی اس سے پہلے نہیں گزاری تھی۔

''چاچا جی کمرے میں اکیلے بیٹھے ہیں اور انہیں تمہارے ساتھ کی اشد ضرورت ہے۔ تمہاری ماں گئی ہے تو انہوں نے بھی اپنا ساری عمر کا ساتھی کھویا ہے۔ اب تمہیں ہی ان کا سہارا بننا ہے۔ اس طرح ہمت ہار دو گی تو وہ ٹوٹ جائیں گے۔''

''تم اماں سے بہت پیار کرتے تھے ناں؟'' اس کی بات کا جواب عجیب سوال کی صورت آیا۔

اس نے پریتو کے چہرے کو دیکھ کر سوال کی نوعیت جاننا چاہی اور اثبات میں سر ہلا دیا تو دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ وہ اس وقت اس سوال کا مقصد نہیں سمجھ پایا تھا۔

''تم جھوٹ بولتے ہو، اماں سے پیار کرتے تو انہیں اس تنہائی میں کبھی نہ چھوڑ کر آتے۔ تمہارا دل نہیں کانپا انہیں اندھیری قبر میں ڈالتے ہوئے، تمہارے ہاتھ نہیں لرزے ان پہ منوں مٹی ڈالتے ہوئے؟ یہ کیسا پیار تھا کہ تم انہیں وہاں چھوڑ آئے جہاں سے وہ کبھی واپس نہیں آسکتیں۔'' اس نے ایک جھٹکے سے ریحان کا گریبان پکڑا اور وہ اس کا جنون دیکھتا رہ گیا۔

''میری جان نکل رہی ہے یہ سوچ کر کہ اماں مجھے کبھی نہیں پکاریں گی اور تم مجھے حوصلے کے سبق پڑھا رہے

URDU TUBE
www.urdutubes.com



Digitized by Google

ہو......تم نہیں کرتے پیار ان سے، تم جھوٹے ہو، وہ بس میری اماں تھیں، بس میری......" وہ اسی کے کندھے پہ سر رکھ کر رونے لگی۔

خاموش صحن میں اس کے رونے کی آواز نے عجیب وحشت طاری کردی تھی۔ صدیق صاحب افتاں وخیزاں کمرے سے باہر نکلے اور اسے یوں بے حال دیکھ کر سیڑھیوں کی جانب آ گئے۔

"پتر......اس میں اس بے چارے کا کیا قصور؟ یہ تو رب کی مرضی تھی، اس کی امانت تھی اسی نے واپس لے لی۔"

"نہیں ابا...... میرا دل نہیں مانتا، میں کیا کروں میرا دل نہیں مانتا۔" اس نے اپنا سر اپنے ہاتھوں میں گرا لیا، رونے میں اور زیادہ شدت آ گئی تھی۔

"تجھے پتا ہے تیری ماں کو تیرے رونے سے تکلیف ہوتی تھی۔ اسی کا خیال کرلے تو یہاں رو رہی ہے تو وہ وہاں تڑپ رہی ہوگی۔" انہوں نے اس کو اپنے ساتھ لگا لیا اور یونہی اپنے ساتھ لیے کمرے کی سمت بڑھ گئے۔

اس کا رونا ختم تو نہیں ہوا لیکن شدت میں کمی آ گئی تھی۔ وہ باہر سیڑھیوں پہ اکیلا بیٹھا اپنی قمیص کے گیلے پن کو محسوس کرتا ہوا اس اذیت کا اندازہ کر رہا تھا جس سے اس وقت گھر کے مکین گزر رہے تھے۔

اماں کو گئے کتنے دن گزر گئے تھے، وہ نہیں جانتی تھی کیونکہ دنوں کی گنتی تو وہ بھول گئی تھی۔ اس کے لیے بس دن چڑھتا اور رات ہوتی تھی۔ ان گزرے دنوں میں بس یہ ہوا کہ اس نے سب کے سامنے رونا چھوڑ دیا۔ گاؤں کی عورتیں آتیں، اماں کی باتیں کرتیں اس کا دل بہلانے کی کوشش کرتیں پھر آہستہ آہستہ عورتوں کا آنا کم ہونے لگا۔ ابا بھی کھیتوں پہ جانے لگے۔ ایسی حالت میں وہ ہوتی اور اس کی تنہائی...... سارے گھر میں دیوانوں کی طرح گھومتی اور جہاں صبر کا پیمانہ چھلک جاتا وہاں دھاڑیں مار مار کر رونے لگتی تھی۔

اس سب میں اگر کوئی مخل ہوتا تو وہ شنو اور ریحان تھے۔ دن میں کسی پہر وہ آ جاتی تو اسے اماں کے خیالوں سے نکلنا پڑتا اور شام میں ابا کے ساتھ کھیتوں سے پلٹنے کے بعد ریحان کی نگاہیں اس پہ مرکوز رہتی تھیں۔ وہ اس چوکیداری سے سخت عاجز تھی مگر ابا کے باعث اسے کوئی سخت بات نہیں کہہ پاتی کیونکہ ابا کا دل اس کی وجہ سے بڑی حد تک بہل گیا تھا۔

سردیوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ سورج کی ہلکی سی تپش جسم کو بھلی لگتی۔ اس دن بھی وہ سارے کام نمٹا کر صحن میں بیٹھی گاجریں چھیل رہی تھی جب شنو خاموشی سے اس کے پاس آ بیٹھی۔ اس نے سر اٹھا کر شنو کو دیکھا، مدھم سا مسکراتے ہوئے ایک گاجر اس کی طرف بڑھائی۔

"پرتو...... کتنے دن ہو گئے تو گھر میں بند پڑی ہے تیرے بغیر میرا بھی باہر جانے کو دل نہیں کرتا۔ روز اس آس پہ آتی ہوں کہ آج تو باہر چلے گی تو ہم دونوں مل کے کھیتوں سے گنے کھائیں گے مگر تو روز ہی میری امید توڑ دیتی ہے۔" اس کی مسکراہٹ سے شنو کو کچھ حوصلہ ہوا تو وہ فرفر بولنے لگی۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

"اب باہر جانے کو دل نہیں کرتا۔" اس نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔

"پرتو...... تجھے زرد موسم کا بہت انتظار تھا ناں؟"

"اب نہیں ہے۔"

"کیوں؟" شنو کے لہجے میں حیرانی نمایاں ہوئی۔

"اس موسم نے بہت گہرا وار کیا ہے۔ مجھے کیا پتا تھا کہ اس موسم میں صرف پرندے ہی نہیں میں بھی بین کروں گی، صرف ان کے آشیانے زمیں بوس نہیں ہوں گے بلکہ میرا گھر بھی اجڑ جائے گا۔" اس کی آواز میں کرب ہی کرب تھا۔

"وہ تیرا منتظر ہے؟" شنو نے دھیرے سے کہا۔

اس کا گاجر چھیلتا ہاتھ تھم گیا۔ کئی لمحے وہ ساکت نظروں سے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔

"تو کیا سمجھتی تھی کہ مجھے کچھ نہیں بتائے گی تو مجھے پتا



Digitized by Google

بھی نہیں چلے گا؟" شنو نے شکوہ کیا۔
"اس کا انتظار بے معنی ہے اب اس سب سے کچھ حاصل نہیں ہونے والا' میں نے انتظار کرنا چھوڑ دیا اور اپنے دل کے ہر دروازے پہ قفل لگالیا۔ اب کوئی کتنی بھی دستک دے لے یہ دروازہ نہیں کھلنے والا۔" اس نے سخت لہجے میں کہا اور تیزی سے دوبارہ گاجر چھیلنے لگی۔

"وہ کئی دنوں سے روز باغ میں آتا ہے' اس نے زرد موسم میں آنے کا کہا تھا اور اب موسم گزرنے کے بعد بھی تیرے آنے کی امید لگائے کھڑا ہے۔" شنو نے دوبارہ اس کی حمایت کی۔

"تو اس سے ملی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں...... اس نے کہیں سے تیری میری دوستی کا پتا لگا لیا اور دوراہے پہ مجھے آلیا۔ مجھے قسم دے کر کہا اس کا پیغام تجھ تک پہنچادوں کہ وہ منتظر ہے اور تب تک رہے گا جب تک تو باغ میں نہیں آئے گی۔" شنو نے ساری بات بتا دی مگر وہ کوئی جواب دیے بنا وہاں سے اٹھ گئی۔

وہ سیدھا کمرے میں آئی اور پلنگ پہ ڈھے گئی۔ زندگی اسے عجب دوراہے پہ لے آئی تھی۔ جس جذبے کو وہ پریوں کے دیس کی کہانی سمجھتی تھی اس جذبے نے نزول کے لیے اس کے دل کو چنا تھا۔ وہ بھی اسی محبت کا شکار تھی پھر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ محبت امتحاں نہ لیتی؟ کیسی عجب بات تھی کہ امتحان بھی وہاں لیا گیا جہاں انکار کی گنجائش نہیں تھی۔

اس کی ماں دم آخر اس سے کسی اور کے نام کا پیمان لے گئی تھی۔ وہ بچپن کا دوست سہی' لڑکپن کا ساتھی سہی' شرارتوں میں ہمقدم سہی...... وہ سب کچھ سہی مگر ہمدم نہیں تھا۔ دل نے اسے ہمسفر چنا ہی نہیں تھا۔ اب وقت آن پہنچا تھا۔

پیمان نبھانا تھا
ضبط آزمانا تھا
دل کے ساتھی کو
الوداع کہنا تھا
محبت کے جنازے کو
بڑی دھوم سے اٹھانا تھا

کئی لمحے وہ یونہی دم سادھے لیٹی رہی اور پھر آنسو صاف کرتے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کہانی کے اختتام کا وقت ہوا چاہتا تھا۔

❁......❁......❁

موسم نے باغ کی ہریالی کو ویران کردیا تھا۔ درخت اپنے مکینوں سے محروم ہوچکے تھے۔ اب بھی کوئی بھولا بسرا پرندہ کسی شاخ پہ بیٹھتا' انجمن کی ویرانی پہ دل دوز آوازیں نکالتا اور نئی منزل کی تلاش کو نکل جاتا۔ باغ میں کسی کسی جگہ دھوپ بکھری ہوئی تھی اور وہ سردی کی شدت کم کرنے کے لیے دھوپ میں درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

اس کے چہرے پہ جھلکتے امید کے رنگ یقین کے رنگوں میں بدلنے لگے تھے کیونکہ سامنے سے اس کا انتظار مجسم شکل میں آرہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے سامنے ٹھہر گیا۔ کئی لمحے نگاہیں الجھتی رہی اور بالآخر وہ ہی بول پڑا۔

"اتنے دنوں کا حساب کیسے چکاؤ گی؟"

"میں حساب میں نالائق ہوں۔"

"موسموں کی زبان تو جانتی ہوناں؟ زرد موسم کا کہا تھا اور اب دیکھو کہرے نے زمیں پہ ڈیرے ڈال لیے مگر تمہارے دل پہ کیسی کائی لگی ہے میں یہ نہیں سمجھ پارہا' آنکھیں اب بھی اپنی اپنی لگ رہی ہیں مگر چہرہ اجنبی سا ہے۔" اس نے ایک ہی بار اس کی بیگانگی کا گلہ کرنے کے ساتھ چہرے پہ چھائے اجنبیت کے رنگوں کا راز بھی پالیا تھا۔

وہ خاموش رہی۔ وہ کیسے بتاتی کہ آج سے کچھ دن پہلے تک وہ انتظار میں اس کے ہم قدم تھی مگر ایک وعدہ سب کچھ بہالے گیا تھا۔ اس نے دل مضبوط کیا اور لبوں کا بندھ کھول دیا۔

"تم میری محبت تھے نوشیرواں مگر تم سے پہلے بھی کوئی یہ اعزاز رکھتا تھا۔" اس نے "تھے" پہ لب بھینچے مگر اسے

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

بولنے دیا۔

”میں نے ہزار بار محبت کے دونوں پلڑوں کا موازنہ کیا مگر ہمیشہ پہلا پلڑا بھاری نکلا‘ تمہاری ایک سالہ محبت بہت طاقت ور تھی مگر بائیس سالہ محبت کے سامنے ہار گئی۔ تمہارے ساتھ جو وعدے خیالوں میں کیے انہیں حقیقت کا ایک وعدہ چکنا چور کر گیا۔ میں نے بہت سوچا کہ دم مرگ وعدہ لینے والا تو رہا نہیں پھر کیوں اس وعدے پہ محبت قربان کروں؟“ ایک آنسو اس کی آنکھ سے بہہ نکلا۔

”مگر مجھے وعدہ خلافی پہلی محبت کی توہین لگی نوشیرواں...... مجھے لگا اگر میں بائیس سالہ محبت کا ایک وعدہ پورا نہ کر سکی تو زندگی بھر تم سے کیا کوئی بھی پیماں پورا نہ کر پاؤں گی۔ میں دو کشتیوں میں سوار نہیں رہ سکتی۔“ وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

”میں پریت صدیق احمد محبت میں تفریق کرنے پہ تم سے معافی مانگتی ہوں مگر میں چاہتی ہوں تم مجھے قطعاً معاف نہ کرو تاکہ ساری زندگی میں کوئی اور وعدہ توڑنے کی جسارت نہ کر سکوں۔“ وہ اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ آنسو اُمڈ کر بہہ رہے تھے۔

باغ کی خاموشی میں ہلکی سی سسکیوں کی آوازیں گونج رہی تھیں اور کئی لمحوں بعد ایک چھت پھاڑ قہقہہ باغ کے سکوت میں دراڑ ڈال گیا۔ اس نے حیرت بھری نگاہوں سے سامنے کھڑے وجود کو ہنستے ہوئے دیکھا۔

”تم بھی ناں بہت بھولی ہو اتنی سی بات کے لیے یوں پاگلوں کی طرح رو رہی ہو یہ محبت کچھ نہیں ہوتی صرف دل لگی ہوتی ہے۔“ اس نے آنکھوں کی نمی صاف کرتے ہوئے کہا جو شاید ہنسنے کے سبب ہوگئی تھی۔

”مجھے دو سال پہلے خاندان میں ایک لڑکی پسند آگئی تھی اور میری اس سے منگنی بھی ہوگئی‘ مجھے لگا کہ مجھے اس سے محبت ہے لیکن پھر تمہیں دیکھا تو احساس ہوا تم سے محبت ہے لیکن اب میں سوچ رہا ہوں اگر یہ محبت ہوتی تو میں بھی تمہاری طرح رو رہا ہوتا‘ پاگلوں کی طرح ردعمل کرتا مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔“ وہ بولتا رہا اور مقابل دنگ کھڑا رہا۔

”مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ تم کسی مجبوری کے تحت مجھے چھوڑ رہی ہو‘ اتنی خوب صورت لڑکی مجھے نہیں ملے گی لیکن تمہاری طرح میں پاگل نہیں ہو رہا...... اس لیے تم بھی چپ کرو‘ آج سے کچھ سال بعد یہ سب تمہیں یاد بھی نہیں رہے گا۔“ وہ اسے دلاسہ دینے کو آگے بڑھا تو وہ پیچھے ہوگئی۔

کتنی ہی دیر وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھتی رہی اور پھر سر کو انکار میں ہلاتی ہوئی وہاں سے بھاگتی باغ سے نکل گئی۔ وہ جس محبت کا سوگ منا رہی تھی وہ تو محبت ہی نہیں تھی اور یہ غم اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا پھیلا رہا تھا۔ اگر وہ اپنی سوچوں سے نکل کر ایک بار پیچھے مڑ کے دیکھ لیتی تو پتھر کی ہو جاتی۔ آنکھوں میں نمی ہنسنے کے سبب نہیں بلکہ غم کے سبب تھی۔ اس نے سہارے کے لیے درخت سے ہی ٹیک لگالی تھی۔

اس نے کہیں پڑھا تھا محبت کا قیام مختصر ہوتا ہے اور خوش قسمت وہی ہے جو اس مختصر لمحے سے صدیاں کشید کرلے مگر وہ بد قسمت ٹھہرا‘ اس کی محبت کا اثاثہ چند ماہ ہی تھا‘ جس میں فقط تین ملاقاتیں تھیں۔ وہ چاہتا تو محبت پالیتا‘ چند آنسو بہاتا اور اسے موم کر لیتا مگر وہ ٹھیک کہہ رہی تھی‘ بائیس سالہ محبت کا مقابلہ اس کی محبت سے کہاں جائز تھا۔ اس کی محبت اتنی کم ظرف نہیں تھی کہ اسے دو کشتیوں میں سوار کرا دیتی اور نہ ہی وہ اتنا بے وقوف تھا کہ اسے ایک مرے ہوئے انسان کے وعدے کو توڑنے کی ترغیب دیتا۔ دو قدم پیچھے ہٹنے میں محبوب کی زندگی میں سکون آ سکتا تھا تو وہ چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اگر اس کے بے وفا بننے سے وہ زندگی میں آگے بڑھ سکتی تھی تو یہ سودا گھاٹے کا نہیں تھا۔ محبت صرف پا لینے کا نام تو نہیں‘ محبت میں بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے اور یہ تو اس کی خوش قسمتی تھی کہ محبت کے پہلے امتحان میں ہی اسے خود کو قربان کرنا پڑا تھا۔

وہ کئی لمحے اس کے پیچھے رہ جانے والی گرد کو ترستی نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر نم آنکھوں سے واپسی کے

URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

لیے مڑ گیا تھا...... کچھ محبتوں کا انجام یہ ہی ہوتا ہے۔

......

وہ پژمردہ سی واپس لوٹی تھی یوں جیسے زندگی کی سب سے بڑی بازی ہار آئی ہو جس کے دم پہ ماں کی نافرمانی کی' بچپن کا دوست کھویا' ماں کے آخری وعدے کو توڑنے کا خیال دل میں آیا وہ ہی دھوکے باز نکلا۔ مردوں کی رنگین مزاجی کی بہت داستانیں سن رکھی تھیں مگر وہ کب جانتی تھی کہ ایک داستاں کا مرکزی کردار وہ بھی بن جائے گی۔ وہ ٹوٹی بکھری سی صحن کے ایک کونے میں آبیٹھی' کئی پل یونہی گزر گئے جب باہر کا دروازہ کھولتے ہوئے ابا اندر آئے' ابا کی آمد پہ اس نے خود کو سنبھالا۔

''پتر...... پانی کا گلاس تو دے۔'' وہ پانی کا گلاس انہیں تھماتے ہوئے خاموشی سے چارپائی کے ایک کونے پہ ٹک گئی۔

''پتر...... سب نے اپنی اپنی جگہ لوٹنا ہوتا ہے۔ کوئی کب تک رک سکتا ہے۔ تو پریشان نہ ہو' میں ڈیرے سے جلدی آجایا کروں گا۔'' ابا کا انداز حوصلہ دینے والا تھا مگر ان کی کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔

''میں سمجھی نہیں ابا......''

''کیا وہ تجھے بتا کے نہیں گیا؟'' انہیں اچنبھا ہوا۔

''کون......؟'' اس کی بے خبری عروج پہ تھی۔

''ریحان آیا تھا ڈیرے پہ اور مجھ سے جانے کی اجازت مانگ رہا تھا' اس کی نوکری تھی وہ اور کتنا غیر حاضر رہ سکتا تھا۔ اس لیے میں نے اسے جانے کا کہہ دیا مگر حیرت ہے وہ تجھے بتا کے نہیں گیا۔'' ان کی حیرت ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

ابا کی بات نے اسے ساکت کر دیا۔ وہ ایک دم کیسے سب چھوڑ کر چلا گیا؟ اس نے جانے کا ذکر تک نہیں کیا۔ دل میں کئی سوال سر اٹھا رہے تھے اور وہ انہیں سوالوں میں الجھی تھی کہ ایک خیال اسے سرتا پیر سن کر گیا۔ جب شنو کے کہنے پہ وہ باغ کے لیے نکلی تھی تب وہ گھر میں تھا تو اس کا مطلب اس نے ساری بات سن لی......؟ کیا سنا اور کیا نہیں سنا؟ کیا وہ اس لیے چلا گیا کہ میں فیصلہ کرنے میں آزاد ہو جاؤں؟ ان سوالوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا مگر یہ خدشات اس کے حواس شکستہ کر گئے تھے۔

وہ یہ تو جانتا تھا کہ اس کے دل میں کوئی اور بس چکا تھا مگر یہ خیال ہی سوہان روح تھا کہ اس نے جان لیا وہ اماں سے آخری وعدہ کرنے کے بعد مکر رہی تھی۔ ایک دم ڈھیروں سوال' سوچیں' خدشات اس پہ حملہ آور ہوئے کہ اس نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

''یا اللہ...... یہ کیا ہو گیا مجھ سے......؟''

آسمان پہ شام اترنے لگی اور موسم میں خنکی بھی بڑھنے لگی تھی مگر وہ ہر احساس سے ماورا صحن کی درمیان بیٹھی رہ گئی تھی۔

......

اسے گاؤں سے لوٹے کئی دن ہو گئے تھے۔ اس نے خود کو اس حد تک مصروف کر لیا تھا کہ کسی سوچ کو دل تک رسائی نہ ہو' آٹھ گھنٹوں کی جگہ بارہ گھنٹے کام کیا مگر کچھ حاصل نہیں ہوا' کوئی اور سوچ دماغ میں داخل نہیں ہوتی اور وہ دل سے نکلتی نہیں تھی۔ اس کی ذات پہ چاچا چاچی کے اتنے احسانات تھے کہ وہ ان کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ پر یہ تو چاند تھی اور وہ خود کو چاند کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔ وہ دل میں تھی مگر اس کو پانے کا خیال کبھی نہیں آیا' پتا نہیں کیسے چاچی جی جان گئی کہ اب بچپن کا یارانہ نہیں رہا بلکہ ''دل لگی'' دل کو لگ گئی ہے اور پھر انہوں نے ہی چاند کو پانے کی اجازت دے دی۔

وہ خوشی خوشی شہر چلا آیا کہ خود کو اس کے قابل بنا سکے مگر اس کے غیر موجودگی میں کسی اور وجود کی آمد ہو گئی جس کو اہل محبت نے دشمن جانا۔ اس کی محبت میں بھی رقیب آگیا' وہ جلتا رہا' کڑھتا رہا' گیلی لکڑی کی طرح سلگتا رہا مگر رقیب کا راستہ صاف کرتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔

اس نے خود سے عہد کر لیا کہ اس گھر کا ہر فرض بیٹے کی طرح نبھائے گا مگر دل کو کسی فرض کے آڑے نہیں آنے دے گا' محبت کو رشتوں کا حسن کھوتا نہیں کرنے دے گا

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

اسی عہد کی پاسداری میں خاموشی سے وہ آنگن چھوڑ آیا جہاں اس کی ذات کا ایک حصہ تھا۔ وہ اسے اس کے ہر فیصلے میں آزاد چھوڑ آیا تھا..... یہ بہت مشکل تھا مگر ناممکن نہیں۔

❁.....❁.....❁

دن پر لگا کر اڑ رہے تھے۔ وقت ریت کی طرح اس کی مٹھی سے پھسل رہا تھا اور وہ خاموش تماشائی بنی قسمت کے رنگ دیکھ رہی تھی۔ ابا تنہا ہوتے جا رہے تھے۔ کھیتوں کی ذمہ داری ان سے نہیں سنبھالی جا رہی تھی۔ ریحان کے واپس نہ آنے پہ پریشان مگر خاموش تھے۔ اس کے آنگن میں ویرانی رقص کرتی اور وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح بے بسی سے سب دیکھنے پہ مجبور تھی۔

اب اسے گاؤں کی گلیاں آوازیں نہیں دیتیں، موسم دیوانہ نہیں کرتا، پھولوں کی پتیوں پہ بچی شبنم سے عشق نہیں رہا، کھیتوں کی نم مٹی پہ اپنے قدموں کے نشان چھوڑنے کی آرزو نہیں رہی، شنو کی آمد اس کا دل نہیں بہلاتی، سب بدل گیا تھا یا پھر وہ بدل گئی تھی۔

"پرتو....." وہ اپنی سوچوں میں گم تھی کہ ابا کی آواز پہ چونکی۔

"جی ابا۔" وہ اپنی کیفیت سے دامن چھڑاتی ابا کے پاس آ بیٹھی جو حقے کی نے تھامے کھوئے ہوئے سے بیٹھے تھے۔

"پتر..... ایسی باتیں بیٹیوں سے مائیں ہی کرتی ہیں مگر اب تیری ماں نہیں تو یہ ذمہ داری مجھ پہ آن پڑی ہے۔" انہوں نے تمہید باندھی اور اسی پل اس کا دل سکڑ کا پھیلا۔

"ہر بیٹی کو باپ کا گھر چھوڑ کر دوسرے گھر جانا ہوتا ہے اور ہر باپ اپنی بیٹی کے لیے بہترین گھر ڈھونڈتا ہے جہاں وہ راج کرے میں نے تیرے لیے بر دیکھا مگر تیری ماں نے بتایا تیری وہاں مرضی نہیں، پتر زندگی کا کیا بھروسا؟ یہ سانس آ رہی ہے اگلی آئے یا نہ آئے..... میں اپنی زندگی میں تیرا فرض ادا کر لوں اب یہ ہی سب سے بڑی خواہش ہے۔ میں نے تجھے شہزادیوں کی طرح پالا ہے اور تیری ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کی ہے اب بھی جو تیری خواہش ہے وہ بتا دے۔" انہوں نے بات کے اختتام پہ حقے کا لمبا کش لگایا اور دوبارہ سے کسی گہری سوچ میں گم ہو گئے۔

"ابا میرا جواب کل آپ کو مل جائے گا۔" اس نے مدھم آواز میں جواب دیا اور وہاں سے اٹھ گئی۔

تو اب فیصلے کی گھڑی آن پہنچی تھی۔ ابا کی خواہش اماں جیسی ہی تھی، ابا نہیں جانتے تھے کہ اماں جاتے جاتے اپنی خواہش پوری کروا گئی تھیں۔ اب مسئلہ صرف اعتراف کا تھا اور یہ ہی جان جوکھوں کا کام تھا۔ وہ ایسا گیا کہ پلٹ کر نہیں آیا۔ اب اگر وہ اس کا نام لیتی تو ابا اس سے بات کرنے چلے جاتے جو وہ کسی صورت نہیں چاہتی تھی اگر وہ اب بھی اپنی محبت کے دعوے پہ قائم تھا تو اسے خود آنا پڑے گا۔ اس کے سارے حساب کتاب مجھ سے ہیں، اس میں ابا کی شان کم نہیں ہونے دوں گی۔ ایک فیصلہ کرتے ہوئے وہ اندر کی سمت بڑھ گئی۔ اس کی منزل ابا کا موبائل تھا جو وہ ڈریسنگ سے آنے کے بعد استری اسٹینڈ پہ رکھ دیتے تھے۔

اس نے شناسا سا نام ڈھونڈا اور نمبر ملا دیا۔ کئی گھنٹیوں کے بعد دوسری جانب سے جو آواز ابھری وہ کہیں سے بھی اس چھوٹو سے نہیں ملتی تھی جس کی زندہ دلی سے کبھی یہ آنگن مہکا کرتا تھا۔

"چاچا جی..... سب خیریت ہے ناں؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"میں بات کر رہی ہوں۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے بمشکل الفاظ ادا کیے۔ دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

"کیا اب بھی اپنے دعوے پہ قائم ہو؟" اس نے بنا کسی تمہید کے پوچھا۔

وہ جی جان سے چونکا مگر حیرت کو ضبط کرتے ہوئے بولا۔

URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

''آزما کے دیکھ لو.....'' اس کے جواب سے پریتو کی آنکھوں میں ایک دم نمی نے ڈیرہ جمالیا۔ مردوں کے کتنے رنگ ہوتے ہیں؟ کوئی وعدہ کر کے مکر گیا اور کوئی دعویٰ کر کے ٹھہر گیا۔

''کل یہ ہی دعویٰ ابا کے سامنے رکھ دو.....'' اس نے آنکھوں کی نمی کو لہجے میں آنے سے روکا۔

''یہ تمہاری فرمائش ہے؟''

''نہیں.....گزارش ہے۔'' اس نے ساتھ ہی فون بند کر دیا اور وہ دوسری جانب ہیلو ہیلو کرتا رہ گیا۔

''ابا.....کل میرا جواب آئے تو اسے ہاں کہہ دینا۔ وہ فون بند کر کے سیدھا ابا کے پاس آئی اور انہیں سوچوں کا تحفہ دے کر واپس مڑ گئی۔

اگلا دن عام دنوں جیسا ہی تھا' ہلکی سی دھند اور سرد ہوا ہڈیوں میں گھستی ہوئی' وہ ناشتہ بنانے ہی لگی تھی کہ باہر ہونے والی دستک نے اس کے ہاتھ ساکت کر دیے۔ ابا کے دروازہ کھولنے پہ اس کی آواز آئی اور دل کا شک یقین میں بدل گیا۔ تو وہ آن پہنچا تھا۔ گزارش قبول ہو گئی تھی۔

''پریتو.....! ریحان آیا ہے جلدی سے اس کے لیے بھی ناشتہ لے آ۔'' ابا کی کھنکتی آواز نے اسے اپنے فیصلے پہ مطمئن کر دیا۔

اس نے جلدی جلدی ناشتہ تیار کیا' ٹرے میں سجا کر ان دونوں کے سامنے رکھ آئی۔ ابا بھی اس کا جواب سمجھ چکے تھے اس لیے کچھ زیادہ ہی خوش تھے جب کہ اس نے نگاہ اٹھانے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی تھی۔

❁.....❁.....❁

سورج روانگی کے سفر پہ تھا' دور مشرق کی سمت شام اپنے پنجے گاڑ رہی تھی' وہ دل کی تنہائی سے گھبراتے ہوئے گھر سے نکل آئی۔ کئی لمحے بے مقصد چلنے کے بعد اس نے سر اٹھایا تو وہ ویران باغ کے سامنے کھڑی تھی۔ بس ثابت ہوا اس کا ہر راستہ یہاں تک ہی آتا تھا مگر اب یہ باغ اس کی منزل نہیں رہا تھا۔ وہ آہستگی سے باغ میں داخل ہوئی اور اجڑی شاخوں والے درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ کئی یادیں اس کے دامن سے آ چمٹیں' گزرے چند ماہ اس کی ہستی کا عنوان بدل گئے تھے۔

انسان بھی کتنا نادان ہوتا ہے۔ دل کے بچھائے راستے پہ اندھا دھند بھاگتا ہے' ہر خطرے سے انجان بس اپنی خواہشوں کے پیچھے بے لگام دوڑا چلا جاتا ہے اس بات سے بے خبر کہ منزل کبھی وہ نہیں ہو سکتی جو وہ سوچے بیٹھا ہے' منزل ہمیشہ وہی ہوتی ہے جو لوح محفوظ میں لکھ دی گئی ہوتی ہے۔

''اگر ہم خود کو کسی کے سپرد کر دیں تو پھر کسی کی امانت بن جاتے ہیں اور امانت میں خیانت کرنے والوں کی سزا بہت کٹھن ہوتی ہے۔'' وہ کب اس کے پہلو میں آ کر بیٹھ گیا اسے خبر ہی نہیں ہوئی۔ اس کی بات پہ نا سمجھی سے اس نے مقابل کو دیکھا تو وہ مدھم سا مسکرا دیا۔

''موسم یہ اجازت نہیں دیتا کہ تم یوں خود سے لاپرواہ ہو کر یہاں آ بیٹھو۔ یہ موسم تمہیں بیمار بھی کر سکتا ہے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری بیماری مجھے قطعاً خوش نہیں کرے گی اس لیے فوراً یہاں سے اٹھو اور میرے ساتھ گھر چلو۔'' اس کے لہجے میں فکرمندی کا عنصر نمایاں تھا جو اس نے بخوبی محسوس کیا تھا۔

وہ تو ہمیشہ سے ایسا تھا اس کا احساس کرنے والا' اس کے سکھ پہ ہنسنے اور دکھ پہ رونے والا.....وہ ہی تو بدلی تھی مقابل تو اسی مقام پہ کھڑا تھا۔

وہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کا یوں بات ماننا اسے حیران کر رہا تھا۔ اس کی بے نیازی کی ہر ادا سے وہ واقف تھا مگر ابھی صورت حال ایسی نہیں تھی کہ وہ اس کے خود ساختہ خول کو توڑنے کی کوشش کرتا جس میں وہ مقید تھی۔

❁.....❁.....❁

تم آ گئے ہو تو کیوں انتظار شام کریں
کہو تو کیوں نہ ابھی سے کچھ اہتمام کریں
خلوص و مہر و وفا لوگ کر چکے ہیں بہت
مرے خیال میں اب اور کوئی کام کریں



Digitized by Google

یہ خاص و عام کی بیکار گفتگو کب تک
قبول کیجئے جو فیصلہ عوام کریں
ہر آدمی نہیں شائستہ رموزِ سخن
وہ کم سخن ہو مخاطب تو ہم کلام کریں
جدا ہوئے ہیں بہت لوگ ایک تم بھی سہی
اب اتنی بات پہ کیا زندگی حرام کریں
خدا اگر کبھی کچھ اختیار دے ہم کو
تو پہلے خاک نشینوں کا انتظام کریں
رہِ طلب میں جو گمنام مر گئے ناصر
متاعِ درد انہی ساتھیوں کے نام کریں

اس کے پیچھے چلتے ہوئے وہ اونچی آواز میں غزل کے اشعار پڑھ رہا تھا اور وہ خاموشی سے سر جھکائے چلتی رہی غزل ختم ہوتے ہی وہ بھاگ کر اس تک آیا۔

"شاعر کو داد دینے کے لیے واہ واہ کہنا ضروری ہوتا ہے ورنہ بے چارے کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔" اس کا لہجہ ایک دم بدلا۔

اس نے چونک کر ریحان کو دیکھا۔ چھوٹو کی جھلک نے اس کے دل میں سکون سا پیدا کر دیا تھا۔ قسمت کا فیصلہ تو ہو چکا تھا پھر کیوں وہ ہر قدم اس فیصلے کے مخالف سمت میں اٹھائے۔ اگر مقابل نیا رشتہ دوستی کی آڑ میں شروع کرنا چاہ رہا تھا تو اسے بھی ساتھ دینا تھا کیونکہ کچھ کام ابھی اور صرف ابھی کرنے کے ہوتے ہیں۔

"جس دن اپنا کچھ سناؤ گے اس دن واہ واہ اور مکرر ارشاد بھی کہہ دوں گی۔" پریتو نے رک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گئی۔

وہ ان آنکھوں میں چھپے اثبات کے رنگ واضح دیکھ چکا تھا۔ اس کے دل نے مقابل کے پہلے قدم کو منزل کا پہلا پڑاؤ سمجھا اور مطمئن ہو گیا۔ یہ اطمینان وقتی نہیں بلکہ ہمیشہ رہنے والا تھا۔

گاؤں کی اونچے ستونوں والی حویلی میں دوپہر اتری تو حویلی کی مالکن صحن میں بیٹھی دھوپ کی تمازت سے لطف اندوز ہونے لگیں۔ جب حویلی کے اندرونی حصے سے ایک نوجوان سفری بیگ کاندھے پہ لٹکائے سیدھا حویلی کی مالکن کی طرف چلا آیا۔

"چودھرائن جی..... یہ چاچا جی کے گھر سے مٹھائی آئی ہے انہوں نے پریتو کی منگنی کر دی ہے۔" وہ ماں سے چند قدم دور تھا جب حویلی کی ملازمہ اس کے برباد دل کی داستان سنانے آن پہنچی۔ اس کے قدم وہیں تھم گئے۔

"چاچا جی نے بہت جلدی کر دی میں تو اسے اپنے گھر کی رونق بنانے کا سوچے بیٹھی تھی۔ خیر جو رب سوہنے کی مرضی....." ان کے الفاظ چند قدم دور کھڑے وجود کو ساکت کر گئے۔ دل سے آہ نکلی جو اس کے پورے وجود میں درد کے انگارے بھر گئی تھی۔

اس نے دھندلی نظروں سے چند قدم کے فاصلے پہ بیٹھی ماں کو دیکھا اور ضبط کے کڑے مرحلے سے گزرتا ہوا بنا کسی سے ملے حویلی سے نکلتا چلا گیا۔ اس نے کہیں پڑھا تھا کہ محبت کانچ جیسی ہوتی ہے جو ایک بار ٹوٹ جائے تو دوبارہ کبھی نہیں جڑتی لیکن اس کی کرچیاں ساری عمر محبت کرنے والے کو لہولہان کیے رکھتی ہیں۔

"اے کانچ سی محبت تو زخم لگاتی جا اگر میں اف بھی کروں تو تف ہے مجھ پہ....." اس نے سلگتی نظروں سے اس راستے کو دیکھا جو مکین دل کی طرف جاتا تھا اور اونچی آواز سے محبت کو للکارا۔

پھر ہر راستے نے ایک جوان کو مسافر بنتے دیکھا اور ہواؤں نے سرگوشی کی اس شخص کی آبلہ پائی پہ ایک دن محبت بھی روئے گی۔

اب مرا درد مری جان ہوا جاتا ہے
اے مرے چارہ گرو اب مجھے اچھا نہ کرو



Digitized by Google

# سسرال مقدس

عمارہ خان

آج میری آنکھ پھر دیر سے کھلی تھی۔ جس کی وجہ سے میری پیاری اور حسین ترین نند کو بغیر ناشتہ کیے یونیورسٹی جانا پڑ گیا پھر بدلے میں۔ مجھے پورا دن اماں بی یعنی ساس صاحبہ کا وقفے وقفے سے لیکچر سننا ملا۔ ساتھ ہی وہ پچاس بار کا گھسا پٹا احسان یاد دلاتی رہیں جو مجھے بغیر جہیز کے بیاہ کے کیا اور ایک نچلے علاقے سے اٹھا کے گلشن اقبال جیسے اسٹینڈرڈ ایریا میں لا بسایا اور بقول ان کے میری ازلی سوئی ہوئی قسمت کو چار چاند لگا دیے تھے' لیکن اب میں اپنی اوقات بھول کے ان کی بیٹی کو ناشتہ بنا کے نہیں دے سکتی۔ (ناشکری جو ہوئی جی جناب)

یہ تو کوئی مجھ سے پوچھتا کہ گرہن لگے چاند..... لگ جانے سے میں اپنے ابا جی کے گھر ہی کتنی اچھی اور سکھ سے تھی۔

ارے ہاں آخری لائن تو بتانا رہ ہی گی جو صبح صبح تقریر کا خلاصہ تھی۔ دراصل دو چار لفظوں کو آگے پیچھے کر کے۔ ہر تیسرے چوتھے ہفتے یہ تقریر نشر مکرر کی طرح جاری ہوتی تھی ہمارے گھر..... تو سن سن کے مجبورا ازبر ہو گئی تھی اور اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو' اب نوبت یہ آ گئی تھی ادھر اماں بی بسمہ اللہ کرتیں ادھر میں بھی ساتھ ساتھ زیر لب دہراتی رہتی تھی۔ آئیں آپ بھی پڑھیں اور شرف حاصل کریں۔ کیونکہ مجھے یقین ہے آپ میں سے بھی کافی لڑکیوں کو یہ تقریر ازبر ہی ہو گی۔

ویسے یہ سب انکشاف شادی کے تیسرے مہینے سے ہونے لگے تھے کہ میں دراصل جلتی ہوں اپنی نندوں سے' کام کرتے جان جاتی ہے میری' ست' ہڈ حرام بھی ہوں اور ہاں کاہلی میں ایوارڈ مل سکتا ہے۔ ذائقہ نہیں ہاتھ میں اور سب سے کمال بات تین سال ہو گئے شادی کو ایک بچہ نہیں پیدا کر سکی۔ اب اگر بچہ ڈاؤن لوڈ ہو سکتا تو میں ہر سال کر لیتی اور ساس کی خدمت میں پیش کر دیتی۔

''یہ لیں امی حضور..... آپ کے خاندان کا ایک اور نمونہ دنیا کو رونق بخشنے آ گیا۔'' لیکن اتفاق سے میاں جی بھی ہونے چاہیے نا ساتھ اس فرمائش کو پورا کرنے کے لیے۔

نہیں نہیں خدارا آپ لوگ جلد بازی میں مجھے بیوہ کے درجے پہ فائز نہ کیجیے۔ اچھا رکیں..... آپ ذرا تحمل سے ابتدا سے پڑھیں۔ یہ دکھ اور درد بھری داستان۔ یقیناً آپ کو بھی عش آ جائیں گے۔

❁.....❁.....❁

جی تو آپ لوگوں نے اندازہ لگا ہی لیا ہو گا میری کہانی کا۔ بالکل بالکل وہی عام سی روایتی کہانی اور اسی جگہ کا ازلی رونا جو دنیا کی واحد ایسی جگہ ہوتی ہے جہاں سے بمشکل ہی کسی لڑکی کی اچھی یادیں وابستہ ہوں اور شاید ہی کسی کا ہنستا مسکراتا چہرہ اس نام کے آتے ہی سیلاب زدگان کی شکل نہ اختیار کر جاتا ہو۔

میرا سسرال اوہ معاف کیجیے سسرال کو خالی سسرال نہیں بولنا چاہیے۔ وہ ایک انتہائی مقدس جگہ ہوتی ہے کیونکہ بہو کے علاوہ وہاں دنیا کی ہر وہ مخلوق پائی جاتی ہے جو کھڑاپے' سلیقے' اسمارٹنیس اور اخلاق میں ماہر ہوتی ہے' اسی نسبت سے اسے سسرال مقدس کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

میں اپنی کہانی شروع کرنے سے پہلے تعارف کروا دوں اپنی سسرال مقدس کی معزز ہستیوں کا۔ اب اگر آپ لوگ وضو وغیرہ کر لیں تو مناسب ہو گا۔ دھیان رہے ''تعوذ'' پڑھیے گا کہیں میرا سسرال ہی غائب ہو جائے۔

❁.....❁.....❁

جی تو اس مقدس جگہ کی سب سے عظیم ہستی جو ہوتی



Digitized by Google

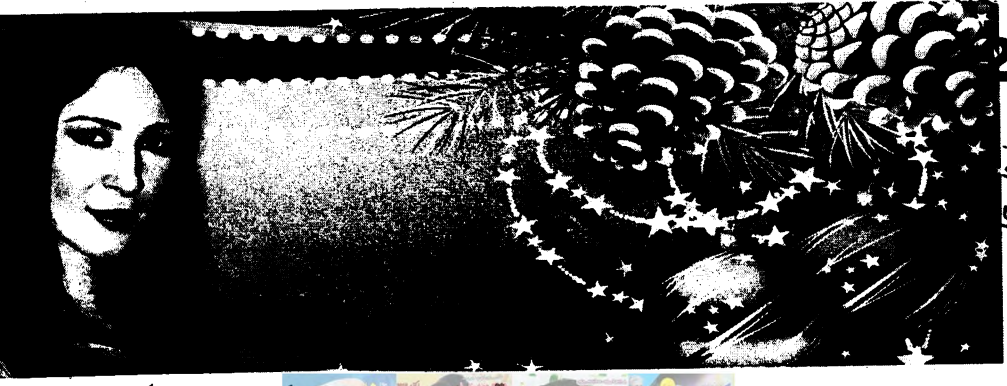

ہیں وہ ''ساس'' نامی دیوی' برائیوں سے پاک ہوتی ہیں۔ظاہر ہے میری بھی ہیں اور جب یہ دیوی جوتے گھس گھس کے اپنے ہونہار پالتو اوسوری' فرماں بردار سپوت کے لیے حسین وجمیل لڑکی لاتی ہیں تو سب سے پہلے اس کی ہی ان جوتوں سے تواضع ہوتی ہے جو گھسے ہوتے ہیں اور پھر پراسرار حالات کی بناء پہ وہ لڑکی آتے ہی ایک چڑیل کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔

جی ہاں آپ کا یہ اندازہ بھی درست ہے' میں وہی چڑیل ہوں اور میرا پالتو اوہ معذرت کی طلب گار ہوں۔میرے سرتاج خرم باہر ہوتے ہیں۔آپ سے باہر نہیں جناب ملک سے باہر۔باہر ہونا کوئی مسئلہ نہیں بس وہ مجھے پسند نہیں کرتے خیر یہ بھی کوئی خاص مسئلہ نہیں کیونکہ میری بھی پسند کالی کے ساتھ تجی نہیں ہو سکتی سو برابری کی بنیاد پہ ہم ایک دوسرے کو ناپسند کرتے ہیں۔

ناپسندیدگی کی بھی وجہ گنے ہاتھوں بتاتی چلوں۔وہ اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے تھے اور انٹر میں دوسری بار فیل ہونے کی وجہ سے میری ساس نے ان کو باہر بھجوا دیا تھا۔ان کے ایک رشتے کے ایک ماموں جو ساس کے دور پار کے کوئی خالہ زاد یا پھوپو زاد ہیں' باہر ہوتے ہیں اور اپنا اکیلا پن دور کرنے کے لیے کبھی کبھی فون کر لیتے تھے۔ان کو میری ذہین ساس نے غربت کے ایسے ایسے قصے سنائے کہ یقیناً ماموں آسٹریا کے خوب صورت شہر ویانا میں خون کے آنسو روتے ہوں گے' ساتھ ہی ساس نے کراچی کے حالات کو اتنا بڑھا چڑھا کے بیان کیا کہ ماموں کو لگا۔پورے ملک عزیز کی آرمی کے ساتھ سندھ پولیس بھی خرم کی طلب گار ہے کہ وہ کب گھر سے نکلیں اور تھانے میں بند ہونے کا شرف حاصل کرلے۔سو قصہ مختصر ماموں نے جان توڑ کوشش کی اور خرم کو اسپانسر کر کے اپنے پاس بلا ہی لیا۔

اب یہ خرم کی بدقسمتی کہ جب وہ باہر سے یورو بھیجنے لگے تو (یورو پاکستانی روپے میں بدل کے اچھے خاصے ہونے لگے)۔اسی کے ساتھ ساس صاحبہ میں بالکل وہی انقلاب برپا ہوا جو ووٹ سے پہلے سیاست دانوں اور پھر حکمران بن کے ہوتا ہے یا یوں کہہ لیں میری ساس کے بھاگوں یورو پھوٹے اور خرم کی قسمت بھی۔

انوہ..... میں بھی کہاں ماضی بعید کے قصے لے بیٹھی۔اچھا تو میں بتا رہی تھی میرے میاں میں ان خرابیوں کے بعد ایک انتہائی منحوس عادت بھی موجود ہے وہ ہے اسپیشل لاپروائی کی لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ وہ صرف میرے لیے ہی ہے۔کبھی کبھی جو فون کرتے تو اماں بی' ابو' دونندوں اور ایک دیور بات کے بعد اچانک یاد آتا تھا بہت لمبی کال ہوگئی ہے اور پھر دو کنواری بہنیں گھر میں ہیں۔اچھا نہیں لگتا ان کے سامنے بات کرنا بعد میں بات کرو اور یہ بعد پھر کبھی آتی ہی نہیں تھی خیر ہے۔ویسے ان دو کنواری نندوں کی ناز مجھ سے زیادہ ہی تھی ہر معاملے میں۔

مجھے فون پہ بات نہ کرنے پہ کبھی اعتراض نہیں ہوا۔



Digitized by Google

بس یہ دل جلتا رہتا تھا کہ اب جو پارسل آئے گا پھر اس میں انگریزی میموں کے استعمال والے ہلکے بدرنگے کلر کی میک اپ کٹ ہوگی میرے نام۔ افسوس رہتا تھا میری فرمائش لسٹ پھر رہ گئی۔ میں نے (ازخود) یہ بھی فرض کرلیا تھا کہ کیونکہ خرم پچھلے تین سالوں میں صرف دو بار ہی پاکستان آئے تھے تو میری پسند ناپسند ان کو معلوم نہیں ہوگی۔

اب بیوی ہونے کے ناطے تو یہ میرا فرض تھا ناں' اپنی پسند ناپسند سے ان کو آگاہ رکھوں کہ مجھے پرفیوم بھیج دیا کرو ساتھ اگر کوئی گوچی موچی کے ہینڈ بیگ ہوں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں اور ہاں اچھی اچھی گھڑیاں بھی' شاید ان سے وقت دیکھ کے میرا بھی وقت جلد بدل جائے۔ خیر یہ میرا ذاتی خیال تھا۔ چلیں میاں کے قصیدے آگے بھی مل جائیں آپ کو یہ تعارف ابھی خاص الخاص ہستیوں کے بغیر ادھورا ہے تو اس کی طرف آتے ہیں۔

جی ہاں بالکل میرے پاس پوری دو عدد خفیہ حسن کی وہ مورتیاں رہتی ہیں جو بھابی نامی چڑیل کے آنے سے پہلے ماسیوں کا کردار نبھاتی تھیں اور اب وہ راتوں رات شہزادیاں بن چکی ہیں اور ساتھ ہی ان کی یادداشت بھی کھو چکی ہے کہ وہ کبھی جھاڑو پونچے جیسا کام بھی کرتی تھیں۔

''توبہ کرو جی۔ ایسے گندے کام تو ہم نے کبھی نہ کیے۔'' کبھی کبھی دل چاہتا ہے پوچھوں۔

''اے کبھی نا نظر آنے والے حسن کی بدصورت مورتیوں..... میرے آنے سے پہلے کیا جنات قابو کر رکھے تھے جو سارے گھر کا کام کر جاتے تھے' کیونکہ دیوی یعنی ساس کے فرمان کے عین مطابق یہ ماسیاں گندی ہوتی ہیں۔ ہم نہیں کراتے ان سے کام۔''

تو سوچنے کا نکتہ یہ ہے اگر ماسیاں برانڈڈ سوٹ پہن کے پارلر سے تیار ہو کر کام کریں گی تو ماسیاں کس کام کی ہوئیں؟

لیکن وہی ازلی غم۔ ہم چڑیلیں اوہ یعنی بہوویں ایسا سچ صرف سوچ سکتی ہیں' گھر کے امن کی بلکہ اپنی درگت مزید نہ بنے اس سے بچنے کی خاطر اس سچائی کا گلہ گھونٹ کے رکھنا ہوتا ہے نہ۔ (آہ ہم بیچاریاں)

ویسے یہ بھی اللہ کے شکر ادا کرنے کا مقام ہے کہ کوئی حسن کی مورتی شادی شدہ نہیں تھی ورنہ گھر کے اوپر کا ایک پورا پورشن جو کرائے پر دے رکھا ہے۔ یقیناً شادی شدہ مورتی کو دے دیا جاتا۔ پھر ہوتا کڑوا کریلا وہ بھی نیم چڑھا۔ یہ کڑوا محاورہ پورا صادر آجاتا اور میں چڑیل سے بھوت یا ڈائن کے درجے پہ فائز ہو جانے میں زیادہ وقت نہ لگاتی۔

خیر اس حساس موضوع میں ابھی ایک نٹ کھٹ کردار رہ گیا ہے جو دیور کہلاتا ہے۔ اس کردار کو بھابی چڑیل کے آنے سے پہلے کوئی منہ لگانا پسند نہیں کرتا تھا لیکن بھابی کی مجبوری ہوتی ہے اسے گھاس ڈالنا کیونکہ وہی بیچ کی بچولی کبھی ساس کبھی بھابی کی طرف ہوتا ہے اکثر مجھے میکے لے جاتا ہے اور ایزی لوڈ کے ساتھ چپکے چپکے ایک آدھ پلیٹ چاٹ کی پارسل کر کے مجھ سے اپنے لئے اور سوری' اپنے دوستوں کے لیے چائے بنواتا ہے۔

ارے ہاں ہمارے پاس بلکہ سسرال مقدس میں سب کے پاس ایک روبوٹ نامی مخلوق بھی ہوتی ہے ناں جن کو خالی خولی سسر بولتے ہیں۔ عموماً سسر حضرات پوری جوانی کما کما کے اور ہماری ساسوں کی مناسب حد تک زندگی خراب کرنے کے گناہ گار ہوتے ہیں لیکن پھر وہی سسر بڑھاپے میں آکر اپنی مٹی پلید کروا رہے ہوتے ہیں میرے سسر کی طرح۔

خرم کے باہر جانے اور گھر کے خرچے سے فرصت پانے کے بعد وہ بس دیوار پہ ٹنگی تصویر جتنی اہمیت رکھتے ہیں۔ جو سن سکتے ہیں دیکھ سکتے ہیں تھوڑا بہت کڑھنے کی بھی اجازت ہے لیکن..... لیکن بول نہیں سکتے' اجازت جو نہیں دیوی کی۔



Digitized by Google

اب اس دلخراش کہانی کے ہیرو..... کی طرف آتے ہیں۔ میرے سرتاج خرم عرف پپو۔

جی ہاں یہ پپو نامی چیز پڑھائی میں صفر بٹا صفر اور شکل صورت میں بھی کوئی خاص چیز نہیں۔ مزید خرابی بال ایسے غائب ہیں جیسے ہمارے یہاں خالص خوراک۔ باقی تفصیل کچھ یوں ہے کہ خرم عرف پپو کی منگنی چار سال تک تو لٹکی رہی پھر جب ساس کو یوروکی لت لگی تو ہر ممکن کوشش کی رشتہ جڑ سے ہی ختم ہوجائے کیونکہ یہ رشتہ خرم کی پسند کا تھا۔

ساس ظاہر ہے کامیاب رہیں لیکن دوسری طرف خرم ناراض ہوگئے۔ وہ پانچ سال سے پہلے واپس پاکستان نہیں آسکتے تھے اور لڑکی والوں کو ساس نے صحیح حالات سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ ایک طرح سے وہ اندھیرے میں تھے۔ مزید خرابی یہ ہوئی ان کے پاس خرم سے رابطے کا واحد ذریعہ میری ساس تھیں۔ سو انہوں نے اسٹار پلس کے دیکھے ڈراموں سے ٹیوشن لی اور خرم کو بتایا لڑکی والے مزید انتظار نہیں کررہے اور بہت اچھی جگہ رشتہ پکا کردیا ہے۔ اگلے ماہ شادی بھی فکس ہوچکی ہے اور ہاں اس لڑکے کے بال بھی کافی گھنے ہیں۔ (بال خرم کا ذرا کمزور پہلو ہے)

دوسری طرف لڑکی والوں کو خوشخبری سنائی کہ ابھی خرم نہیں آسکتا۔ انتظار فرمائیں اور انتظار فرما بھی لیں تو یاد رکھیں شادی کے بعد بیوی ہمارے ہی پاس رہے گی۔ خرم اتنا خرچا برداشت نہیں کرسکتا فی الحال۔

لو جی! اب خرم کون سا شہزادے گلفام تھے اور یہ کون سا آخری رشتہ ہوگا جو لڑکی والے رکھتے، انہوں نے بھی رشتہ ختم کرنے میں ہی عافیت جانی کہ ابھی بچی ہمارے گھر ہے تو ساس واقعی ساس بن رہیں ہیں۔ خدانخواستہ شادی ہو ہی گئی تو کیا کیا نہ کریں گی۔ سو انہوں نے عقل مندی کا مظاہرہ کیا اور پپو اینڈ کمپنی سے پیچھا چھڑانے میں پہل کردی۔

اس کے کافی عرصے تک میری ساس، بیگم صاحبہ بنی رہیں لیکن جب برادری والوں نے ناطقہ بند کیا تو مجبوراً میری ساس نے منگنی ٹوٹنے کے کافی سال بعد لڑکیاں دیکھنا شروع کیں۔

یہ ایک اٹل حقیقت تھی کہ اس گھر میں، میں صرف برادری کے لوگوں کا منہ بند کرانے کی غرض سے تھی اور ساتھ ہی ان طعنوں کا جواب تھی جو پینتیس سال کے کنوارے بیٹے کو ابھی تک شادی نہ کرانے پہ میری ساس سنتی رہی تھیں۔

❁.....❁.....❁

اب آئیں میری طرف..... جی میں چار بہنوں میں تیسرے نمبر کی ہوں، مجھ سے پہلے جڑواں بہنیں ہیں اور پھر ایک چھوٹی بہن۔ ہم لوگ سوات کے پٹھان ہیں اسی حساب سے رنج کے حسین لیکن اتنے ہی غریب بھی۔ ابا جی ایک درزی کی دکان پہ پکو مشین لیے بیٹھتے تھے اور دونوں باجیاں تھوڑا بہت سلائی کرتی تھیں تو گھر کا دال دلیہ چلتا تھا۔

سوات کے آپریشن میں جہاں ہم نے اپنی اماں جی کو کھویا وہیں اپنا گھر بار بھی چھوڑا لیکن الحمدللہ کبھی شکوہ نہیں کیا روکھی سوکھی روٹی اللہ ہر جگہ ہی دے رہا تھا سو شکوہ کس چیز کا کرنا۔ باقی اللہ نے روپ ایسا دیا تھا کہ ہم بہنوں کی طرف سے ابا جی کبھی پریشان نہیں ہوئے کہ شادیوں کا کیا ہوگا۔ ویسے بھی میری باجیوں کے رشتے تقریباً طے ہی تھے۔

سو اب کوئٹہ کی جس کالونی میں ہمارا گھر تھا وہاں سب ہمارے جیسے پناہ گزین تھے۔ ادھر ہی پڑوس کے ایک گھر میں دو جڑواں بھائی اپنی دونوں ٹانگوں سے معذور ماں کے ساتھ رہائش پذیر تھے اور کب سے ابا جی سے شادی کی تاریخ مانگ رہے تھے مگر ابا جی پیسوں کی تنگی کی وجہ سے ہچکچا رہے تھے لیکن اب دونوں باجیوں کی ہونے والی ساس بالکل ہی ڈھے گئی تھیں تو مجبوراً ابا جی نے شادی کی منظوری دی تھی۔

کچھ قرضہ اسی ٹیلر سے لیا جن کی دکان کے آگے ابا



Digitized by Google

جی پکو مشین لیے بیٹھے تھے کچھ جمع جتھہ نکالا اور دو شادیوں کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ جہیز کا کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں تھا وہ لوگ بھی ہماری طرح غریب اور سادے سے لوگ تھے لیکن شادی کے گھر کے اپنے سو مسائل بھی تو ہوتے ہیں۔

❁.....❁.....❁

میری ساس اور نندیں اتفاق سے اسی ٹیلر سے کپڑے سلواتیں تھیں (جب سے یورو کی بارش ہوئی تھی) ایک دن میں اباجی کے پاس باجیوں کے جہیز کے دوپٹے لے کے گئی تو ساس صاحبہ کی نظریں مجھ پہ جم گئیں اور باقی تفصیلات اباجی سے باتوں باتوں میں اگلوالیں' اباجی کی شرافت کی گواہی تو ٹیلر ماسٹر بھی دیتے تھے باقی غریبوں کی شکل ہی کچھ الگ مسکین سی ہوتی ہے ناں وہ ہزاروں میں الگ پہچانے جاتے ہیں خیر۔

میری ساس ٹیلر ماسٹر سے ہمارا ایڈریس لے کے گھر آ پہنچیں اور جب میری ساس کی عقابی نظریں مجھ بے چاری کے ساتھ گھر کے حالات پہ پڑی تو وہ سمجھ گئیں کہ گھر میں کوئی جہاندیدہ عورت موجود نہیں جو میری ساس کی چالاکیاں سمجھ سکیں یا زیادہ باریکیوں میں جائے۔ چنانچہ جب تک میرے اباجی کسی سوچ بچار سے کام لیتے میری ساس نے زبردستی شگن کے پورے ایک سو ایک روپے دو بار گن کے میرے ہاتھ میں رکھ کے یہ جا وہ جا۔

اباجی کے نزدیک زبان ہی سب کچھ تھی اور ویسے بھی وہ اس پوزیشن میں کہاں تھے کہ آسٹریا میں موجود لڑکے کا رشتہ منع کرسکیں جبکہ ایک بیٹی ابھی گھر میں بھی موجود تھی۔ دوسری طرف ساس صاحبہ نے کسی ماہر سیاستدان کی طرح ہرے ہرے باغات باتوں باتوں میں دکھائے کہ اباجی کی بچی کھچی عقل بہت دور سیر کرنے چلی گئی۔ ویسے آپس کی بات ہے کچھ کچھ لالچ تو میرے بھی دل میں جڑیں پکڑنے لگا تھا۔

اب صورت حال کچھ یوں تھی کہ بڑی بہنیں جو دونوں جڑواں تھیں اور ان کی سر پہ تھی۔ اوپر سے میری مستقبل کی ساس نے گھر کی دہلیز پکڑ رکھی تھی کہ دونوں شادیوں میں تیسری کو بھی نمٹا دو۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کے وہ، وہ اسلامی حکایتیں نکال کے لاتیں کہ اچھے رشتے منع نہیں کرتے' اللہ پر توکل کریں' جہیز ایک لعنت ہے اور لعنتی کام کی وجہ سے جوان بیٹی کی شادی نہ روکیں' بچے جوان ہوجائیں تو فوراً سے پیشتر شادی کردو..... وغیرہ وغیرہ۔

تو بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ میری پیاری ساس نے بغیر جہیز کے شادی کرکے اباجی کا دل جیت لیا اور اب وہ عملاً میری زندگی اپنے ہاتھ میں لے چکی تھیں کیونکہ اباجی نے مناسب چھان بین کے بعد غریبوں کا سہارا یعنی استخارہ بھی کرلیا تھا۔ وہ الحمدللہ مثبت آیا تھا۔ اس لیے بھی اباجی مطمئن تھے۔

دوسری طرف خرم شادی سے دو دن پہلے آئے اور میرے رنگین خوابوں پہ سونامی بن کے بہہ گئے۔ جی ہاں میں اور وہ پہلوئے حور میں لنگور کی زندہ مثال تھے لیکن میں نے اپنے جذبات کو یورو کی تھپکیاں دے دے کے سلایا اور امڈتے ارمانوں کے آگے مہنگے برانڈڈ تحائف کا بند باندھ لیا تھا..... لیکن ستم یہ ہوا خرم اماں بی کا قصور معاف کرنے پہ تیار نہیں تھے جو انہوں نے خرم کی پسند کی منگنی بچانے کی کوشش نہیں کی' اب بھلا بتاؤ' بجائے شکر ادا کرنے کے کہ اللہ نے مجھ جیسی، حسین کم عمر بیوی دے دی الٹا گزرے زمانے کی ٹوٹی منگنی کا غم منایا جارہا تھا۔

چلو اس پہ بھی صبر کرلیا کہ میں کون سا خرم کی لشکارے مارتی ٹنڈ پہ فدا ہوں۔ آسٹریا کے حسین اور دلفریب قصے سن کے اور پڑھ کے جانے کی چپکے چپکے تیاریاں کرتی رہی کہ اچانک ساس نے ادھر بھی شب خون مار دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

جی ہاں قارئین مجھ بے چارے پہ پورے ایک



Digitized by Google

سال یعنی تین سو پینسٹھ دنوں بعد اس خوفناک خبر کا انکشاف ہوا کہ میری پیاری اور عظیم ساس نے خرم کے دماغ میں یہ بات اچھی طرح نقش کرا رکھی ہے کہ خرچا بہت ہو جاتا ہے بار بار آنے جانے میں اور ابھی دو چھوٹی بہنوں اور ایک بھائی کی شادی بھی تمہیں کرنی ہے۔ تو ذرا کم آیا کرو لیکن سامان کی لسٹ جو فون پہ لکھوا دی جاتی ہے چاہے وہ جان پہ کھیل جاؤ مگر بھیجو اور بہنوں کی شادی کے بعد بھلے سے اپنی بیوی کو ساتھ لے جانا (ظاہر ہے جب تک بابا بڈھے جو ہو جائیں گے بیوی کم نرس کی زیادہ ضرورت ہوگی ناں) لیکن خبردار...... ابھی جب تک کوئی اشد مجبوری نہ ہو پاکستان کا رخ نہ کرنا۔ پیٹ کاٹ کاٹ کر تم کو اتنا پڑھایا ہے (انٹر تک) باہر بھیجا ہے (مکر و فریب کر کے) تو اب تمہاری باری ہے۔ پیدا ہونے کا خراج بھرو سود سمیت۔ چلو جی گل ہی مک گئی۔

خیر سے میری پیاری ساسو ماں عرف اماں بی کا کام صرف سرتاج کے ہی کان بھرنے نہیں تھے اور بہت سے کان سسرال میں بھی موجود تھے۔ جوان کے ان اعلیٰ وارفع فرمودات سے مستفید ہوتے تھے اور وہ ان سب کو بار بار یاد دہانی کرانا نہیں بھولتی تھیں کہ بہو بیگم کو دبا کہ رکھو۔ کل کو میاں کو لے اڑی تو ہم کیا۔ ڈھول بجائیں گے۔ میں ننھی سی جان پو میاں کو لے کے اڑوں؟ تصور بھی نہیں کیا جا رہا تو بہ توبہ۔

❁......❁......❁

ویسے میرے لیے زندگی اپنے اباجی کے گھر بھی آسان نہیں تھی مگر ادھر میں انسانوں میں شمار کی جاتی تھی۔ اب تو شادی کے بعد مجھے بھی بھولتا جا رہا تھا کہ میں انسان ہوں یا شاید میں بے حس سی ہوتی جا رہی تھی۔

ساس نے بے شک لوگوں کے طعنوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے اپنے کماؤ پوت بیٹے کی شادی تو کرادی تھی مگر اب سب کے اپنے اپنے تحفظات


آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

ماہنامہ نئے اُفق کراچی

ہر ماہ آپ کی دہلیز پر فراہم کر سکتے ہیں

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرسالانہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے

امریکا کینیڈا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے
6000 روپے

مڈل ایسٹ ایشیائی افریقہ یورپ کے لیے
5000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر، منی گرام، ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جا سکتی ہیں

مقامی افراد

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر
0316-0128216

موبی کیش اکاؤنٹ نمبر
0300-8264242

رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز

فون نمبر: +922-35620771/2

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
Info@aanchal@com.pk

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT





Digitized by Google

ہو گئے تھے۔ سب کی جان جیسے سولی پہ لٹکی تھی۔ میں پپو عرف خرم کو لے کے کوہ قاف نہ چلی جاؤں۔ اسی حساب سے گھر کا ماحول گھٹا گھٹا سا تھا۔

❁.....❁.....❁

خیر اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ خرم کے آفس والوں نے ان کا گریڈ ایک نمبر آگے کر دیا یعنی ان کی ترقی کر دی اور ساتھ ہی پورے دو کمروں کا فلیٹ بھی ملا تو سر تاج کو یاد آیا۔ وہ شادی شدہ ہیں اور اب گھر کا پکا کھانا کھانے کا وقت آن پہنچا' کوئی تو ہو جو ان کو فون کر کے پوچھے۔ سنیں آج کیا کھائیں گے..... آج نہاری پکاؤں یا پائے..... صبح ناشتے میں پراٹھے کھائیں گے یا کچھ اور سوئے ہوئے سب ارمان جاگ اٹھے۔ گویا سارے ارمان بس معدے کے متعلق ہی تھے۔

میں تو خیر ماسی کا کردار نبھا رہی تھی پاکستان میں۔ مجھے کیا اعتراض تھا۔ لو جی سو بسمہ اللہ۔ ماسی ہی بننا ہے تو آسٹریا کیا برا ہے۔ لیکن میرے سسرال مقدس میں ایک بھونچال آ گیا۔ پہلے پہل تو دیوی جی یعنی اماں بی نے ہر ممکن کوشش کی ان کا پیارا پپو وہیں کسی بھورے تلوں والی میم سے شادی کر لیں پھر جب معلوم ہوا پپو میاں اس میم کی مرضی سے ہی آیا جایا کریں گے اور ہمیشہ کے لیے ادھر ہی بس جائیں گے تو اماں بی نے اگلے پل اس جان لیوا پروگرام کو بلتوی کر دیا۔ اب میم کو کیا پڑی گلشن اقبال جیسے ہائی اسٹینڈرڈ جگہ آ کے اس جنجال پورے میں مغز ماری کرے۔

تو جناب قارئین ہمارے گھر میں صورت حال کافی نازک تھی کہ وہ بیٹا جو آج تک راج دلارا رہا تھا۔ شدید قسم کا فرماں بردار اور پالتو اوہ..... معاف کیجیے گا بڑی بری عادت ہے یہ ایک سچ منہ سے نکل جاتا ہے۔ تو اس فرماں برداد بیٹے میں سارے جہان کی برائیاں اچانک پھوٹ گئی تھیں۔

بیچارے کو اب ''جورو کے غلام'' کے نام سے پکارا جانے لگا تھا اور وہ پپو جو شادی سے پہلے ایک ٹھمکا بھی نہیں لگانا جانتا تھا۔ اس فیصلے کے فوراً بعد انہیں معلوم ہوا وہ تو بیوی کی انگلیوں پہ ناچنے والے انسان ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مجھے بھی تلاش رہی آخر وہ کون سی انگلی ہے میری جس پہ خرم میاں ناچ رہے ہیں۔ قیمتی انگلی ہے سنبھال کے رکھنا تھی مجھے..... لیکن کبھی معلوم نہ ہو سکا۔ (افسوس)

ایسی ہی نازک صورت حال میں خرم کے اس دوست کا فون آیا جو اکثر پارسل وغیرہ پاکستان لے کے آنا تھا کہ خرم کو السر ہو گیا ہے وہ اسپتال میں زندگی و موت کے بیچ ڈول لڑ رہے ہیں اور ہاں یہ السر جیسی خوفناک بیماری مسلسل باہر کا کھانا کھا کھا کے ہوئی ہے۔ ساتھ ہی اتنی سیریس کنڈیشن کا نقشہ کھینچا کہ اماں بی کے ہاتھ پاؤں پھول گئے لیکن آفرین ہے دیوی جی پہ اس حالت میں بھی ان کی ذہنی صلاحیتیں کم نہ ہوئیں۔

لپک جھپک خود تیار ہوئیں جانے کے لیے۔ لو بتاؤ، ہٹی کٹی بیوی کے ہوتے وہ بجھتا چراغ کیا کرتیں لیکن کون بی بی کے گلے میں گھنٹی باندھے سو میں دل مسوس کے رہ گئی۔

خیر اس ''السر'' کے دل دہلانے والی بات کے بعد خرم کے دوست نے پتہ نہیں کیا کیا رام کہانیاں سنائیں گھر آ آ کر کہ فولادی ارادے رکھنے والی خاتون گھبرا کے (دل پہ ہمالیہ پہاڑ رکھ کے) مجھے جانے کی اجازت دینے پہ مجبور ہو ہی گئیں۔

میرا تو اللہ جھوٹ نہ بلوائے تو تین سال سے بیگ تیار ہی تھا۔ باقی ماندہ تیاری کو پارلگا کے پوری کی اور اڑنے کے لیے گھڑیاں گننے لگی تھی۔

❁.....❁.....❁

بالآخر پورے چار دن بعد کی سیٹ دستیاب ہوئی مجھے' پہلے دبئی پھر وہاں سے آسٹریا جانے کے لیے آج ایئرپورٹ پہ بیٹھی ہوں۔

اب آپ سے کیا چھپانا، اسی لیے تو آج میری



Digitized by Google

آنکھ نہیں کھلی تھی، نند کے ناشتے کے لیے۔ جاتے جاتے بھی کیا حسن کی مورتی کے لیے کچن میں گھس جاتی۔ (ہنہ)

بس دو تین گھنٹے میں، میں پاکستان سے جارہی ہوں اور یہ پوری داستان بلکہ المناک داستان بذریعہ میل آپ تک پہنچ رہی ہے۔

(ایئر پورٹ کے فری وائی فائی استعمال کرکے۔ اپنے پپو کے بھیجے اسمارٹ فون کی بدولت)

کیونکہ میں اپنے قتل کے اسباب پاکستان میں رہ کے تو نہیں چھپوا سکتی تھی ناں، اسی لیے میں نے اس دکھ بھری آپ بیتی میں شروع سے اپنا نام بھی ظاہر نہیں کیا۔ کہیں یہ سچی آپ بیتی پڑھ کے میرے سسرال مقدس والے آسٹریا سے ہی نہ گھسیٹ کے واپس بلالیں اور میں اس فانی جہاں کو بھری جوانی میں الوداع کہنے پہ مجبور ہوجاؤں۔

خیر اب اتنی بھی بھولی نہیں رہی تھی میں کہ کچھ تو عقل سیکھ ہی لی تھی سسرال میں رہ کے۔

اور ہاں جاتے جاتے یہ بھی سن لیں کہ میرے پپو کوئی السر کے شکار نہیں یہ تو بس ایک ذہانت بھری سازش تھی اپنی بیوی کو ماں کی نافرمانی کیے بغیر اپنے پاس بلانے کی۔ (آخر بیٹے کس کے ہیں)

خرم کے ساتھ اس بیوی کو بلاؤ سازش میں وہ دو دوست بھی شامل تھے جو فرمائشی پارسل پاکستان ہمارے گھر لاتے تھے اور لگے ہاتھوں گھر کے حالات بھی بتاتے تھے۔ تب ہی خرم کے خیالات بدلے کہ میں بھی ان کی ذمہ داری ہوں پھر ان سب کی ملی بھگت سے یہ سب ڈرامہ رچایا گیا۔

ویسے یہ ''اتفاق'' ہوتا تھا کہ جب بھی خرم کے دوست گھر آتے، میں عجیب سے بدرنگ دوالگ الگ قسم کے کپڑے اور سر جھاڑ منہ پھاڑ ہوتی تھی۔ چہرے پہ دنیا بھر کی مسکینیت کے ساتھ ایک غربت اور فاقے کشی سے بھرپور تاثرات بھی رکھتی تھی۔ (یقیناً آپ سمجھ گئے ہوں گے ناں)

دونوں دوست فون کرکے اماں بی کو ڈراتے تھے کہ آپ کا پپو ادھر ایک فرنگی میم پہ پیسے لٹائے بلکہ کلمہ پڑھائے بغیر اس سے شادی بھی کرنے کا سوچ رہا ہے اور خدانخواستہ یہ شادی ہوگئی تو آپ سوچ لیں، آپ کا لاڈلا سپوت اور یورو سے گھر چلانے والی مشین، پھر کبھی اس فرنگی میم کی اجازت کے بغیر پاکستان نہیں آئے گا نہ پیسے بھیجے گا۔

سو دیوی جی ارے معافی کی طلب گار ہوں یعنی اماں بی نے فوراً سے پیشتر مجھے ان کے سر پہ مسلط کرنے کی خاطر میرا ٹکٹ کٹا دیا اور میں آج اڑنے کے لیے ایئر پورٹ پہ موجود ہوں۔

ویسے بھی گزرے وقت کے ساتھ مجھ پہ یہ حقیقت بھی آشکار ہوگئی کہ شکل وصورت، سیرت سے بڑھ کے نہیں ہوتی یقیناً جو مرد اپنے گھر والوں کے لیے مخلص ہے، میرے لیے بھی ہوگا اور لازمی ایک اچھا ہم سفر ثابت ہوگا۔



اچھا جی میری دبئی فلائٹ کی اناؤنسمنٹ ہورہی ہے۔ آپ لوگ بھی میری لیے دعا کیجیے گا۔ یہ میرے دل کے پھپھولے جن کو میں نے لفظوں کی لڑی میں پرو امیرے سسرال مقدس میں کوئی نہ پڑھ پائے ورنہ اگلے مہینے میرے چالیسویں کی خبر بھی آپ لوگ اسی ڈائجسٹ میں پڑھ رہے ہوں گے۔

دعاؤں کی طلب گار

مسز پپو

اللہ حافظ

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

# دل بے خبر

## زینب اصغر مغل

"شاہ میر آجا یار...... تجھے پتا ہے آج ہمارے گھر پر بہت زبردست ڈنر ہے۔" شاہ زیب نے تیسری بار شاہ میر کو آواز دی۔

"یار...... یہ ملغوبہ کھانے کے لیے تو نے مجھے جگایا ہے۔ اس سے اچھا کھانا تو میں خواب میں کھا رہا تھا۔" شاہ میر نے کمرے سے آتے ہوئے منہ بسور کر کہا تو رابعہ بیگم کے بے اختیار مسکرانے پہ انشال سلگ کر رہ گئی۔

"مجھے کیا پتا تھا خوشبوئیں تو بڑی اچھی آرہی تھیں مسالوں کی۔"

"کچے مسالوں کی ہوں گی کیونکہ ابھی تک ان ہی کی مہک آرہی ہے۔" شاہ میر نے ناک سکیڑ کر کہا۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

"یار یہ بوٹی توڑ ناں ذرا......" شاہ زیب نے ایک بڑے سائز کی بوٹی اس کی پلیٹ میں رکھی تو شاہ میر نے دہائی دی۔

"میں کیا تجھے لوہا چبانے والا لگتا ہوں۔"

"بھائی یہ سلاد لیں۔" مشعال نے سلاد کی پلیٹ ان کے آگے رکھی۔

"چھوڑ یار، یہاں کسی چیز میں سواد نہیں۔" شاہ زیب نے تاسف سے کہا تو مشعال کو اچھو لگ گیا۔ انشال کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ان تینوں کو دھکے دے کر باہر نکال دے۔

"مشعال بیٹا...... آرام سے کھانا کھاؤ۔" کمال صاحب بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھے خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔ وہ ان بچوں کی نوک جھونک میں مداخلت نہیں کرتے تھے۔ اس لیے بدستور کھانا کھانے میں مصروف رہے۔

"یہ کیا الا بلا ملا ہوا ہے۔" اب سلاد کی شامت آچکی تھی۔ شاہ زیب نے سلاد کی پلیٹ کا بغور معائنہ کیا۔

"میں سمجھ گیا...... شاہ زیب...... میں سمجھ گیا۔" شاہ میر نے پُرجوش نعرہ لگایا۔ شاہ زیب نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"یہی کہ سبزیوں کی بے حرمتی کو سلاد کہا جاتا ہے۔" شاہ میر نے اپنی دانست میں پتے کی بات بتائی۔ شاہ زیب اور مشعال ہنس دیئے۔

"جب اچھی چیز کی پہچان نہیں ہے تو کھا کیوں رہے ہو؟" انشال نے ضبط سے کہا۔

"اچھی چیز......" شاہ زیب بھی ہنس دیا۔

"اس ملغوبے کو بنانے میں کیا کچھ استعمال ہوتا ہے؟" شاہ زیب نے مدبرانہ انداز میں پوچھا۔

"صرف تھوڑی سی عقل۔" انشال نے جل کر کہا۔

"اچھا......! کہاں سے لی تم نے تمہارے پاس تو نہیں ہے۔" شاہ زیب نے حیرت و معصومیت کے ریکارڈ توڑ ڈالے۔

"مجھ سے مانگ رہی تھی۔" شاہ میر نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"میں نے کہا، محترمہ...... ادھار بند ہے۔ ویسے بھی ادھار خوشگوار تعلقات کی قینچی ہے جبکہ ہمارے تعلقات تو ویسے بھی خاصے کشیدہ ہیں۔ اپنی کسی سہیلی سے مانگ لو۔"

"اچھا پھر؟" شاہ زیب کی دلچسپی عروج پر تھی۔

"پھر کیا...... یہ رزق کی بے حرمتی تمہارے سامنے ہے۔" شاہ میر نے کہا تو کمال صاحب بھی مسکرا دیے۔

"تم جاہلوں کو اچھے سلاد کا بھلا کیا پتا؟"

"نہیں بھائی جان، یہ سلاد ہی ہے۔" مشعال نے یقین دلانا چاہا۔

"اچھا......!" شاہ میر نے حیرت سے کہا۔ "میں سمجھا بھینسوں کا چارا ہے۔"

"گدھوں کو ہرا ہرا ہی سوجھتا ہے۔" انشال نے دانت

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

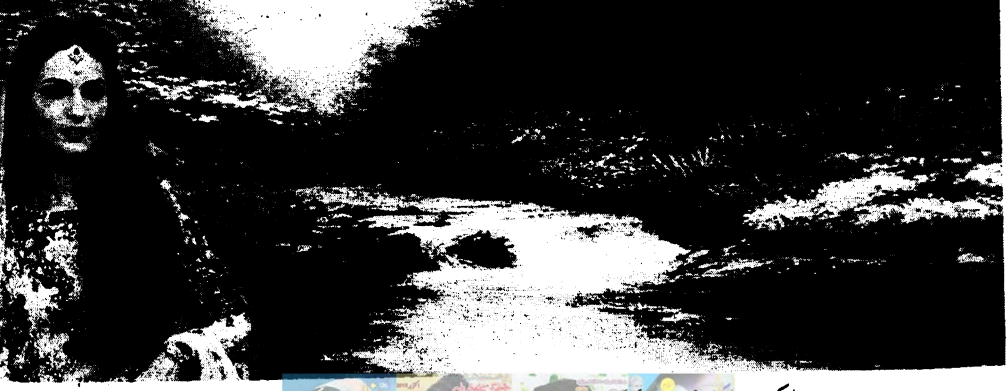

پیسے۔" اسی لیے کہتی ہوں روز بہنوں کی کمر لی میں منہ مت ڈالا کرو۔" اس نے سلگ کر کہا۔

"بھائی جان چوٹ ہوگئی۔" مشعال نے کہا۔

"کوئی بات نہیں گڑیا...... تم نے شاید غور نہیں کیا ان کے روز منہ نہ ڈالنے پہ یہ خود بھی وہاں موجود ہوتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ خود کو اللہ میاں کی بھینس کہہ رہی ہیں۔"

"انشال آپی...... بھائی جان حد سے بڑھ رہے ہیں۔" مشعال نے اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر اس کی طرف داری کرنی چاہی...... انشال نے غصہ اور احساس توہین سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"اٹھ جاؤ تم تینوں...... فوراً سے پہلے......" انشال نے ضبط کرتے ہوئے انگلی اٹھا کر تنبیہ کی۔

"لیکن آپی...... تایا جان تو خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔" مشعال نے کہا۔

"جسٹ شٹ اپ...... میں تم سے کہہ رہی ہوں۔" وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"لیکن میں نے ایسا کیا کردیا؟" مشعال نے معصومیت سے پوچھا۔

"یار...... میرے پیٹ میں کنکر چبھ رہے ہیں۔" شاہ زیب پیٹ پکڑ کر دوہرا ہوا۔

"اور میرے پیٹ میں یوں لگ رہا ہے جیسے کیچڑ میں پتھر پھینکے جارہے ہیں۔" شاہ میر کیوں پیچھے رہتا۔

"اب ٹھونس کے اینٹھ رہے ہو۔ ایسے ہی نواب تھے تو کسی فائیو اسٹار ہوٹل سے کھا لیتے یا تائی جان سے پکوا لیتے۔" وہ پیچ وتاب کھا کے بولی۔

"بی بی...... کھانے کا طعنہ مت دو، ہماری ماں کی دال تمہارے ہاتھ کی بریانی اور مرغ مسلم سے زیادہ مزیدار ہوتی ہے۔ یہ تو ہماری بدبختی ہے کہ کھانا پکانے کی ذمہ داری تم نے سنبھال لی۔" شاہ زیب نے کہا۔

"رہی بات فائیو اسٹار ہوٹل کی تو ہم ٹھہرے رئیس ابن رئیس...... روز جاتے ہیں فائیو اسٹار ہوٹلوں میں دوستوں کو لے کر۔" اگلی بات شاہ میر نے کالر جھاڑتے ہوئے بڑے شاہانہ انداز میں کی جس کی تائید میں شاہ زیب نے زور وشور سے سر ہلایا۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

"جھاڑو پونچھا کرنے۔" انشال نے تمسخر سے کہا۔ مشعال نے ہنس کر انشال کو شاباش دیتے ہوئے انگوٹھا دکھایا۔

"اپنی طرح سمجھ رکھا ہے ناں، لگی ہوگی وہاں ماسی اور نام کوکنگ کلاسز لینے کا کرتی ہے۔" اس نے فوراً ادھار چکایا۔

"بہتر ہوگا تم لوگ میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔" وہ رو دینے کو تھی۔

"کیوں آپی...... آپ کی قریب کی نظر کمزور ہے کیا؟" مشعال نے بھولپن سے پوچھا۔ انشال نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"دیکھو...... مجھ سے اب مزید بھلائی کی توقع مت رکھنا۔" دھمکی دی۔

"وہ تو خیر ہم نے پہلے بھی کبھی نہیں رکھی۔" دونوں نے یک زبان کہا۔



Digitized by Google

"میں تم جیسے گھٹیا لوگوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔"
وہ برتن اٹھا کر کچن کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔
"اتنی دیر شرف گفتگو بخشنے کا شکریہ۔" وہ دونوں کورنش بجا لائے۔
"سنو..... جانے سے پہلے یہ تو بتا دو کہ لاجی کی تیر بہدف نسخہ والی پھکی کہاں رکھی ہے؟"
"جہنم میں۔" شاہ میر کے پوچھنے پہ جواب دیا۔
"وہاں سے تم کھالینا ہم اللہ کے نیک اور معصوم بندے بازار سے لے لیں گے۔" اس سے پہلے کہ انشال کسی عملی کارروائی کا مظاہرہ کرتی وہ دونوں سرپٹ بھاگ نکلے۔

☆

رابعہ بیگم اور کمال صاحب دونوں ہی بہت دھیمے مزاج کے مالک تھے۔ ان کی ایک بیٹی مشعال اور دو جڑواں بیٹے شاہ زیب اور شاہ میر تھے۔ دونوں ہی وجیہہ و شکیل اور اونچے لمبے قد کے مالک تھے' کمال صاحب کے والد جنہیں۔ لاجی کو ان سے کوئی بیر تو نہیں تھا مگر ان کی ان دونوں سے بنتی ہی نہیں تھی' ان کا خیال تھا کہ بے جا لاڈ پیار نے انہیں بگاڑ دیا ہے کیونکہ نچلا بیٹھنا تو ان دونوں نے سیکھا ہی نہ تھا۔ ان کے دوسرے بیٹے جمیل صاحب تھے جن کی پہلی بیوی انشال کی ماں تھی' وہ چند سال کی ننھی انشال کو چھوڑ کر اس دار فانی سے کوچ کر گئیں تو رابعہ بیگم نے ہی ماں کا فریضہ انجام دیا اور جمیل صاحب کو دوسری شادی کے لیے راضی کیا پھر مزید اولاد ہونے کے بعد تو وہ بھول ہی گئے کہ ان کی کوئی انشال نامی بیٹی بھی ہے۔ اگرچہ لاجی اور بے جی کو اس بات کا دکھ تو بہت تھا مگر رابعہ بیگم اور کمال صاحب نے کبھی انشال کو ماں باپ کی کمی کا احساس تک نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ انشال کو بھی مشعال جتنی اہمیت و محبت دیتے تھے۔

☆

"انشال بیٹی تمہارے امتحان کب ہو رہے ہیں؟"
انشال جو گود میں آنچل کا نیا شمارہ چھپائے اسے پڑھنے میں بری طرح منہمک تھی، ہڑبڑا کے سیدھی ہوئی۔
"جی..... لاجی کچھ کہا آپ نے؟" اس نے پوچھا تو لاجی نے اپنا سوال دہرایا۔
وہ سب لوگ اس وقت صحن میں بیٹھے تھے۔ برآمدے میں ٹی وی چل رہا تھا۔ شاہ میر موبائل ہاتھ میں لیے شاید کوئی گیم کھیل رہا تھا۔ رابعہ بیگم دال اور مشعال چاول چن رہی تھیں' شاہ زیب، انشال کے ساتھ والی کرسی پہ ٹانگیں پھیلائے ٹی وی کی طرف متوجہ تھا۔ چاچو جمیل کا تین سالہ بیٹا ابوبکر اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے مختلف سوالات کر کے اسے زچ کر رہا تھا' انشال دونوں پاؤں سمیٹ کر کرسی پہ بیٹھی ڈائجسٹ میں مگن تھی جب لاجی نے سوال کیا تھا۔
"اگلے مہینے۔" اس نے جھٹ کہا۔
"مجھے لگتا ہے تمہاری انگریزی کچھ کمزور ہے۔" لاجی نے کہا۔
"نہیں تو لاجی۔" وہ حیران ہوئی۔ لاجی کو بھلا کیسے پتا۔
شاہ زیب اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے ابوبکر پہ جھک گیا۔ اس کی مسکراہٹ نے انشال کے اندر خطرے کی گھنٹی بجا دی تھی۔ اس نے لاجی کو مطمئن کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر بے سود۔
"شاہ زیب..... کل سے انشال کو شام میں ایک گھنٹہ انگریزی پڑھا دیا کرو۔" لاجی نے حکم دیا۔
"میں تو پڑھا دوں گا لاجی پر یہ انشال نخرے بہت کرتی ہے۔" جی ہی جی میں قہقہے لگاتے ہوئے شاہ زیب نے بظاہر سنجیدگی سے کہا۔ انشال کا بس چلتا تو وہ شاہ زیب کو اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دیتی۔
"اب نہیں کرے گی۔" لاجی نے رسان سے کہہ کر گویا بات ہی ختم کر دی۔
احتجاج کا کوئی فائدہ نہیں تھا' وہ شاہ زیب کو گھورنے لگی اور وہ مسکراہٹ دبائے ابوبکر سے باتیں کرنے لگا پھر ضبط نہ ہو سکا تو مڑ کر پوچھنے لگا۔
"کیا ہوا؟" اس کے بتیس کے بتیس دانت باہر تھے' انشال کا جی چاہا اس کے دانت توڑ ڈالے۔
"لاجی کو کیسے پتا چلا کہ میں انگلش میں کمزور ہوں؟"


Digitized by Google

اس نے مشکوک انداز میں پوچھا۔

"مجھے کیا معلوم شاید انہوں نے تمہارا ٹیسٹ دیکھ لیا ہوگا۔"

"تم..... چور، ڈاکو، اچکے....." انشال دبی آواز میں غرائی۔

جس ٹیسٹ میں اس نے پچاس میں سے بارہ نمبر لیے تھے اور چھپا کر بیگ میں رکھا ہوا تھا' وہ اچانک کہاں غائب ہوگیا تھا، یہ راز اب کھلا۔

"چور..... کمینے..... ذلیل..... مونچھ منڈا" منہ ہی منہ میں جتنی گالیاں دے سکتی تھی دے ڈالیں۔

"یہ مونچھ منڈا کیا ہوتا ہے؟" معصومیت سے دریافت کیا گیا۔ ساعت خاصی تیز تھی یا غصہ میں وہ کچھ اونچا بول گئی تھی۔

"آئینہ دیکھ لو۔"

"ابا جی سے نہ پوچھ لوں؟"

"ابا جی سے..... نہیں....." انشال نے گھبرا کر کہا۔

"اوکے..... پہلے ایک گلاس پانی لاؤ۔" اس نے شاہانہ انداز میں حکم دیا۔ وہ منہ بسورتی ہوئی طوعاً و کرہاً اٹھی ابا جی کے پکارنے پر وہ ابو بکر کو اپنی جگہ بٹھا کر کھڑا ہو گیا' تب ہی انشال پانی لے آئی۔

"پی لو' تمہارے لیے منگوایا ہے۔ غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" سرگوشی کر کے وہ ابا جی کی طرف بڑھ گیا اور وہ کھولتے ہوئے خون کے ساتھ اسے گھورتی رہ گئی تھی۔

☆

ابا جی..... آپ کے خیال میں زندگی پھولوں کی سیج ہے یا آگ کا دریا؟" شاہ زیب نے ابا جی کے آگے رکھی پلیٹ میں سے آم کی قاشیں اٹھاتے ہوئے بہت سنجیدگی سے سوال کیا۔ آم دیکھ کر وہ ایسے ہی ٹوٹ پڑتا تھا۔

"جب تک تم دونوں اس دنیا میں نہیں تھے تب تک تو پھولوں کی سیج ہی تھی پر اب آگ کا دریا لگتی ہے۔" ابا جی نے فریم والی عینک کے پیچھے سے اسے گھورا۔

"واہ ابا جی..... آپ کا سینس آف ہیومر تو بہت زبردست ہے۔" وہ متاثر ہو کر بولا ساتھ ہی ہاتھ دوبارہ پلیٹ کی طرف بڑھا۔

"ہٹو..... میرے رزق کے دشمن۔" ابا جی نے اس کا ہاتھ جھٹک کر پلیٹ اٹھالی۔

"کیا بات ہے آپ کی ابا جی۔" وہ رنجیدگی سے بولا۔

"یہ آج تو میں نے آپ کی محبت میں کھایا ہے کھانے میں جتنے ہاتھ زیادہ ہوں، اتنی ہی برکت ہوتی ہے' ویسے بھی بڑھاپے میں زیادہ میٹھا کھانے سے آپ بیمار پڑ گئے تو سنبھالنا تو مجھے ہی پڑے گا ناں۔"

"ارے جاؤ..... جاؤ میاں..... تمہیں سنبھالنا پڑے گا' اللہ سلامت رکھے میرے بیٹے' بہو اور پوتی کو..... تم دونوں سے تو میں نے کبھی کوئی امید رکھی ہے نہ رکھنی ہے۔ اٹھو اب، چلتے پھرتے نظر آؤ۔" ابا جی خفا ہو کر بولے۔

"دیکھا ابا جی..... میں غلط نہیں کہتا' آپ کو محبت کی قدر نہیں، بے جی کو بھی آپ نے یونہی کلسا کلسا کر قبر میں سلا دیا..... اور اب میں بھی جو اپنے قیمتی وقت میں سے چند لمحے چرا کے آپ کے پاس بیٹھ گیا تو مجھے بھی کیا صلہ ملا سوائے کوسنوں اور طعنے تشنوں کے۔" اس نے تاسف سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ارے جاؤ میاں..... خوامخواہ الزام تراشی تو نہ کرو..... میں نے کب تمہیں کوسا اور طعنے دیے؟" وہ سخت برہم ہوئے۔

"ارے ابا جی..... خفا تو نہ ہوں میں نے تو بس یوں ہی بات میں رنگ بھرنے کے لیے کہا اور آپ نے دل سے ہی لگالیا۔"

"میں تم جیسوں کی باتیں دل سے نہیں لگاتا۔ اگر ایسا کرنے لگوں تو بستر سے ہی لگ جاؤں، تمہیں تو ذرا لحاظ نہیں بڑے چھوٹے کا، جو منہ میں آیا کھٹ سے کہہ ڈالا۔" وہ واقعی سخت نالاں تھے۔

"میں نہیں مانتا ابا جی' شاہ میر میرا بھائی ہی نہیں جگری یار بھی ہے۔ وہ میری ہر خوبی ہر خامی میرے سامنے بیان کرتا ہے مگر یہ بات اس نے آج تک نہیں کی۔"



Digitized by Google

"لو جی یہ بھی خوب کہی۔" ابا جی استہزائیہ ہنسے۔

"وہ تم سے کم نہیں ہے' تم دونوں ہی بدتمیز اور بے ہدایتے ہو۔"

"نوازش..... نوازش....." وہ کورنش بجالایا پھر رازداری سے بولا۔

"ایک پتے کی بات باؤں آپ کو، شاہ میر مجھے اپنا گرو مانتا ہے۔"

"ویسے اگر وہ تم سے دور رہے تو کسی حد تک اس کے سدھرنے کا امکان ہے۔ تمہاری صحبت نے اسے نافرمان بنا دیا ہے۔"

"آپ کا نافرمان ہوگا' میرا تو بڑا فرماں بردار ہے اور ہر بات پوری توجہ اور غور سے سنتا ہے۔ جیسے آپ اسٹار پلس کے ڈراموں کے ڈائیلاگ غور سے سنتے ہیں بالکل ایسے ہی۔"

"شیطان کا چیلا جو ٹھہرا۔" ابا جی نے نخوت سے کہا۔

"اچھا..... تو یہ بات ابھی تک راز میں ہے۔ ویسے تو اس نے آج تک مجھ سے کبھی کوئی بات نہیں چھپائی..... خیر میں اس کی خبر بھی لے لوں گا۔" وہ ابا جی کا اشارہ سمجھ کر بھی انجان بن گیا۔

"ہاں..... ہاں جاؤ اس کی خبر لو اور میری جان بخشو۔"

"بے جی کی وفات کے بعد آپ بہت تنہائی پسند ہوتے جارہے ہیں۔ مجھے پتا ہے آپ چپکے چپکے آنسو بہاتے ہیں۔ میں تو بس آپ کی تنہائی بانٹنے کی لیے آپ کے پاس بیٹھا ہوں۔ کسی کو خوش کرنا بڑے ثواب کا کام ہے۔"

"اونہہ..... نو سو چوہے کھا کے بلا حج کو چلا..... کبھی نماز ادا کی تم نے' قبر میں اور روز محشر جس کا سوال سب سے پہلے کیا جائے گا' چلے ہیں ثواب کمانے۔"

"اللہ، حقوق اللہ کو تو معاف کرسکتا ہے مگر حقوق العباد کو تب تک معاف نہیں کرے گا جب تک اس کے بندے معاف نہ کردیں' قیامت کے دن کیا خبر آپ دامن گیر ہوں اور پھر اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے اور نیت کا حال اللہ خوب جانتا ہے۔ اس کو پتا ہے کہ کس کی نیت کھوٹی ہے اور کس کی کھری..... کیا پتا آپ کو نماز پڑھ کر بھی جنت میں وہ مقام نہ مل سکے جو مجھے آپ سے حسن سلوک اور رحم کرنے پر مل جائے اور ویسے بھی نماز تو میں جمعہ کے جمعہ میں پڑھ لیتا ہوں۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"اب ایک مہربانی تم مجھ پر اور کرو..... یہاں سے چلے جاؤ..... میاں تمہیں سات خون معاف۔" آخر زچ ہوکر ابا جی نے ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے۔

"ارے..... ابا جی شرمندہ تو نہ کریں..... آپ میرے بزرگ ہیں، میرے محسن ہیں۔" وہ تڑپ ہی تو اٹھا۔ "آپ کی ہر وقت کی پھٹکار کا نتیجہ ہی تو ہے کہ میں محبوباؤں کی کج روی سہنے اور برداشت کرنے کے قابل ہوگیا ہوں۔ آپ کی نفرت سہہ سہہ کر میرا جگر بہت مضبوط....."

"رابعہ..... رابعہ....." اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ابا جی نے بہو کو پکارا۔

"جی ابا جی۔" رابعہ کی بجائے انشال اندر آئی۔

"ارے..... انشال..... تم نے اپنا نام کب بدلا؟" اس نے حیران ہوکر پوچھا۔

"جی کیا مطلب؟" وہ ناسمجھی سے بولی۔

"ابا جی نے بلایا تو کسی رابعہ کو تھا' آ تم گئیں۔"

"وہ تائی جی کچن میں ہیں۔" اس نے کہا۔

"ایسی بھی کیا مصروفیت، ابا جی کی بات تک نہیں سن سکتیں۔"

"انشال بیٹی..... تم بھی کس کی باتوں میں آرہی ہو۔" ابا جی نے کہا۔

"معاف کیجیے گا ابا جی۔" وہ شرمندہ سی ہوکر بولی۔

"اس کی باتیں سننے لگیں تو بس ہوگئے سارے کام' خبردار جوان دونوں بے ہدایتوں کی باتوں پہ کان دھرے تو بس بیٹا اپنی پڑھائی کی طرف توجہ دو..... اور رابعہ کو بلاؤ ذرا....." ابا جی نے کہا۔

"پڑھاتا بھی تو میں ہوں۔" وہ جتا کر بولا۔

"کوئی احسان نہیں کرتے۔ میں..... میں اپنی بچی کو ٹیوشن رکھوادوں گا یا کسی اکیڈمی میں داخل کرادوں گا۔" ابا جی'



Digitized by Google

جی جان سے اس سے بے زار تھے۔

"اپنی بچی.....!" صدمے سے اس کی چیخ نکل گئی۔

"میں بھی تو آپ کا بچہ ہوں۔"

"ہم بھر پائے ایسے بچے سے۔" انہوں نے ناک پر سے مکھی اڑانے والے انداز میں کہا۔

"کیوں ایسا کیا کردیا میں نے؟" وہ روہانسا ہوا۔ "لوگ پوتوں کے لیے منتیں مانتے ہیں۔ چڑھاوے چڑھاتے ہیں' ایک آپ ہیں کہ انشال بی بی کے سامنے کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔" وہ سچ مچ دل گرفتہ سا ہوا۔

"تمہارے اور انشال کے کام ایک جیسے ہیں کیا؟"

"خیر.....وہ اس مقام تک کہاں پہنچ سکتی ہے بھلا۔" وہ شان بے نیازی سے بولا۔

"اچھا اب جاؤ تم، مجھے آرام کرنا ہے۔" ابا جی نے اکتا کر کہا۔

"ہر وقت آرام کرنے سے بندہ بیمار ہوجاتا ہے کچھ نہ کچھ کام کرتے رہنے سے بندہ تندرست رہتا ہے۔" وہ بڑے ناصحانہ انداز میں بولا۔ اتنے میں اس کے سیل پہ کال آئی تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں.....ہاں شاہ میر بات کررہا ہوں.....تم دو منٹ رکو میں آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔" وہ کہتا ہوا لاؤنج سے نکل گیا تو ابا جی نے سکھ کا سانس لیا۔

"اف سر، میں درد ہونے لگا ہے میرے تو.....ان لڑکوں نے تو جینا حرام کررکھا ہے۔" وہ سر دباتے ہوئے بولے۔

"میں آپ کے سر میں تیل سے مساج کردیتی ہوں۔" وہ بوتل کے جن کی طرح تیل کی بوتل لے کر واپس لوٹی اور ابا جی کے سر میں مساج کرنے لگی۔

"ابا جی.....سونف بادام کھایا کریں۔ اگر حکم کریں تو کسی اچھے سے حکیم سے نسخہ لکھوالاؤں؟" شاہ میر انگڑائی لیتا ہوا، سیڑھیاں اترتے ہوئے بولا۔

"لو جناب.....ان کی کمی تھی۔" ابا جی نے جل کر کہا۔

"کیوں بھئی ایسا کیا ہوگیا؟" وہ صوفے پہ نیم دراز ہوکر بولا۔

"میاں.....پہلے تو تم مجھے یہ بتاؤ کہ یہ سونے کا کون سا وقت ہے؟ ہر وقت نحوست پھیلائے رکھتے ہو۔" وہ بگڑ کر بولے۔

"کیا ابا جی.....ابھی تو امتحانوں سے فارغ ہوئے ہیں' سوئیں نا تو کیا کریں؟" وہ کسلمندی سے بولا۔

"خیر.....ایک طرح سے اچھا ہی کرتے ہو۔ میری دو گھڑیاں سکون سے گزر جاتی ہیں' شاہ زیب کو بھی اپنے ساتھ سلا لیا کرو۔" ابا جی نے کچھ سوچ کر کہا۔

"شاہ میر تمہارا موبائل کہاں ہے؟" انشال نے یاد آنے پر پوچھا۔

"کیوں.....کیا ہوا؟" وہ حیران ہوا۔ "یہیں تھا میری جیب میں۔" اس نے جیب میں سے موبائل نکالا۔ "ارے یہ تو شاہ زیب کا موبائل ہے۔ بس اب میرا سارا بیلنس گیا۔ صبح ہی سو کا کارڈ لوڈ کیا تھا۔ اب ایک آنہ بھی بچ کر واپس آجائے تو حرام ہے۔ لے کے نکل گیا میرا موبائل۔" وہ جھنجلا کر بولا۔

شاہ زیب کمال مہارت سے اس کی جیب سے اس کا سیل فون لے کر نکل جاتا اور وہ بے خبر پڑا سوتا رہتا۔ وہ بھی تو گدھے گھوڑے بیچ کر بے فکر ہو کر سوتا تھا۔

"پتا ہے تمہارے موبائل پہ کوئی کال آئی تھی جس سے اس نے شاہ میر بن کر بات کی.....کہہ رہا تھا 'تم دو منٹ رکو، میں آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔'" انشال نے ہنس کر بتایا۔

"کیا.....؟" وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ "ہمیشہ لڑکی میں پٹاتا ہوں اور ڈیٹ مارنے وہ پہنچ جاتا ہے۔ اللہ نے میری طرح اچھی شکل کیا دے دی، ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے۔ یہ آئے گا ہی اسے تو میں دیکھ لوں گا۔" وہ منہ پر ہاتھ پھیر کر بولا۔ "پتا نہیں اسے خبر کیسے ہوجاتی ہے۔" اس کا غصہ کسی طور کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔

"تم تھوڑی دیر اور سو لو.....خواب میں ڈیٹ مار لینا۔" انشال چڑا کر کہتی چلتی پہ تیل ڈال کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

☆

ابا جی نے انگریزی پڑھانے کی ذمے داری شاہ زیب کو



Digitized by Google

سونپ کر اسے عجیب مصیبت میں ڈال دیا تھا مگر احتجاج کا کوئی فائدہ نہ تھا' کوئی فریاد سننے والا نہ تھا۔ شاہ زیب سے اسے چڑ تھی کیونکہ وہ انشال کی ہر بات پہ اعتراض کرتا تھا۔ اس کے ٹی وی دیکھنے' ڈائجسٹ پڑھنے اور گول گپے کھانے پہ مگر یہ وہ چیزیں تھیں جنہیں وہ کسی صورت نہیں چھوڑ سکتی تھی اور شاہ زیب کو عین ڈرامے کے وقت اسے پڑھانا یاد آتا تھا۔ لاجی کہتے۔

"شاہ زیب انشال کو گول گپے تو لا دو۔" وہ فرمانبرداری سے پیسے جیب میں ڈال کر باہر نکل جاتا کچھ دیر بعد خالی ہاتھ واپس آ جاتا اور سب سے برا وہ اسی وقت لگتا تھا جب وہ سب کے درمیان بیٹھی ہنس بول رہی ہوتی تو بوتل کے جن کی طرح سر پہ آن کھڑا ہوتا۔

"کل جو سمری یاد کرنے کے لیے دی تھی وہ سناؤ ذرا۔" اتنا اچانک کہنے پر سب کچھ بھک سے ذہن سے نکل جاتا اور فاتحانہ انداز میں کہتا۔

"میں ٹھیک ہی کہتا ہوں۔ تم ہو ہی کند ذہن۔"

"تم ہو کند ذہن' جاہل گنوار۔" وہ پیر پٹختی پیچ و تاب کھا کے رہ جاتی۔

☆

"کیا ہو رہا ہے؟" وہ بڑے انہماک سے کاج کا کام کر رہی تھی جب وہ آیا۔ وہ خاموشی سے کام کرتی رہی۔

"اوہو..... دنیا بڑی پڑھاکو ہو گئی ہے۔" وہ طنزیہ بولا۔

"شاہ زیب، مجھے تنگ نہ کرو۔" وہ بے زاری سے بولی اور اس کے ہاتھ میں پکڑے لفافے کو دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"تمہارے کام کی چیز نہیں ہے' مجھے دودھ گرم کر کے لا دو۔"

"خود ہی کر لو۔"

"میں لاجی کے کمرے میں ہوں۔" وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ چار و نا چار اسے اٹھنا پڑا۔ جب وہ پیالے میں گرم دودھ بھر کر لائی تو وہ لاجی کی ٹانگیں دبا رہا تھا۔ اس نے پٹخنے والے انداز میں پیالہ میز پہ رکھا۔

"اوہوں..... دودھ گر جائے گا۔" وہ ناصحانہ انداز میں بولا اور اگلا کام بتایا۔

"اس لفافے میں سے جلیبیاں نکال کے دودھ میں ڈال دو۔ اچھی طرح بھیگ جائیں گی تو لاجی کھائیں گے۔"

"کیا..... دودھ جلیبی؟" لحاف میں سکڑے سمٹے لاجی چونک کے ہو کر بیٹھے۔

"مجھے پتا ہے لاجی، آپ کو جلیبی بہت پسند ہے۔" اس نے سعادت مندی کا مظاہرہ کیا۔

"تم کیوں کھڑی ہو، جاؤ اب۔" وہ شرارتاً مسکراتے ہوئے بولا تو وہ پٹخ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

"بے ہودہ نہ ہو تو..... کہہ رہا تھا تمہارے کام کی چیز نہیں ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

☆

پھول پہ آ کر بیٹھی تو خود پہ اترانا بھول گئی
ایسی مست ہوئی وہ تتلی پر پھیلانا بھول گئی
ایسے کھلا وہ پھول سا چہرہ سارے گھر میں خوشبو پھیل گئی
خط چھپا کے پڑھنے والی راز چھپانا بھول گئی
اپنے پرانے خط وہ لینے آئی میرے کمرے میں
میز پہ دو تصویریں دیکھیں خط لے جانا بھول گئی
سارا جن کی یادیں بھی تو کن لمحوں میں آتی ہیں
گوری آٹا گوندھ رہی تھی نمک ملانا بھول گئی

"ٹک' ٹک' ٹک....." دروازے پہ مدھم سی دستک نے اسے چونکایا۔ اس نے آنے کی اجازت دی تو انشال برآمد ہوئی۔

"آیئے آیئے جناب..... آج تو بڑے بڑے لوگ تشریف لائے ہیں۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"شاہ زیب، میری بلیک ڈائری کل سے غائب ہے۔ بغیر اجازت کے میرے بیگ کی تلاشی لینے کی عادت تمہاری ہی ہے۔ دیکھو شرافت سے میری ڈائری واپس کر دو ورنہ میں لاجی سے....." وہ تنبیہہ کرنے والے انداز میں بولی۔

"میں نے تو کوئی ڈائری نہیں دیکھی..... تم خوامخواہ مجھ پہ الزام لگا رہی ہو۔" وہ برا مان گیا۔


Digitized by Google

"تو پھر تم خود انصاف سے بتاؤ کہ تم نے میرے بیگ سے انگریزی کا پرچا نکالا تھا ناں؟" انشال نے فوراً جتایا۔

"ہاں نکالا تھا، مانتا ہوں لیکن یہ ڈائری والی بات سراسر جھوٹ ہے۔" وہ سیخ پا ہوا۔

"تو اب میں کیا کروں؟" وہ بھی جھنجلائی۔

"چلو..... تلاش کرلیتے ہیں۔" وہ بادل نخواستہ اٹھا۔ وہ اس کی شخصیت کے سحر میں گم، کسی ان دیکھی مقناطیسی کشش کے زیر اثر چل رہی تھی۔

"کہاں جارہے ہو؟" ابا جی کی آواز صور اسرافیل کی طرح سرد دھند بھری تاریکی اور سناٹے کو چیرتی ہوئی ابھری تو وہ جھٹکے سے اس سحر سے نکلی، ساتھ ہی اس کی ایک ہارٹ بیٹ مس ہوئی تھی۔ اگرچہ ابا جی نے مخاطب شاہ زیب کو کیا تھا لیکن وہ اپنی جگہ چور سی بن گئی تھی۔ اس وقت شاہ زیب کے پاس جانا اور اسے اپنے کمرے میں بلانا اتنا آسان اور درست نہیں تھا، مگر وہ یہ غلطی کر بیٹھی تھی۔ وہ ابا جی کی باتیں سننے کے لیے تیار تھی مگر..... مگر وہ اکیلی نہیں تھی، وہ دونوں ان کی طرف مڑے۔

"ابا جی..... انشال کے کمرے کا بلب فیوز ہوگیا ہے، وہی ٹھیک کرنے جارہا ہوں۔" ابا جی کی پکار سے آنے والی شک کی باس اس نے بھی محسوس کرلی تھی لیکن جھوٹ کیوں بولا؟ انشال نے حیران ہوکر سوچا۔

"ٹھیک ہے، جاؤ، جلدی کام کرکے آؤ..... اور انشال بیٹا، تم میرے پاس آؤ۔" ابا جی حکم صادر کرکے مڑ گئے۔ انشال کانپتی ٹانگوں کے ساتھ ابا جی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی کچھ دیر ابا جی کے حکم پہ ان کے سر میں تیل کا مساج کیا۔

"جاؤ اور شاہ زیب کو فوراً میرے پاس بھیجو۔" ایک نیا حکم صادر ہوا۔

"جی ابا جی۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

اپنے کمرے میں داخل ہوکر اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ سارا کمرہ اوندھا پڑا تھا، بک ریک، کپڑوں کی الماری، رائٹنگ ٹیبل، جوتوں کا ریک، انشال اور مشعال کی مسہری کا گدا تک الٹا پڑا تھا۔ اس کا دماغ گھوم گیا۔ اس نے چکراتے سر کو تھام کر مری مری آواز میں کہا۔

"شاہ زیب..... تمہیں ابا جی بلا رہے ہیں۔" شاہ زیب نے جس طرح ڈائری گم شدہ خزانے کی طرح ڈھونڈی تھی، لگتا تھا ایک قیامت آ کر گزر گئی ہے۔ وہ چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر کندھے اچکا کر باہر نکل گیا تھا۔

☆

وہ موبائل پر شاید کوئی گیم کھیلنے میں مگن تھا، جب انشال کی آواز نے اس کی محویت کو توڑا۔

"یہ لسٹ ہے سودا سلف کی، جلدی سے لے آؤ۔" اس نے لسٹ اس کی طرف پھینک کر حکم دیا۔ جواباً اس نے محض گھورنے پر ہی اکتفا کیا، بھی چوڑی لسٹ کو تنقیدی نظروں سے دیکھا اور پھر سر اٹھا کر انشال کو۔

"بات سنو..... میرے باپ کی حرام کی کمائی نہیں ہے جسے تم کوکنگ کے نام پہ اجاڑنے پر تلی ہوئی ہو۔"

"اونہہ....." انشال نے سر جھٹکا۔ "یہ لسٹ ابا جی نے بنوائی ہے۔ ان ہی کو بتاؤ جاکر کہ حرام کی کمائی نہیں ہے تمہارے باپ کی۔" وہ بھی اسی کے انداز میں بولی۔

"ابا جی کی عمر دیکھو اور یہ چونچلے....." وہ جھلا سا گیا۔

"بہت بدتمیز ہو تم شاہ زیب۔" انشال نے تاسف سے کہا۔ "تمہاری اطلاع کے لیے عرض کردوں، نگہت پھوپو آرہی ہیں۔ اس لیے ابا جی نے یہ سب منگوانے کا آرڈر دیا ہے۔"

"کیا.....؟" وہ صدمے سے چیخ اٹھا۔ "یہ سانحہ کب رونما ہونے والا ہے؟" اس نے مری ہوئی آواز میں پوچھا۔ وہ اپنی پھوپو اور ان کے افلاطون بچوں سے سخت نالاں تھا، انشال نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی۔

"ٹھیک تین گھنٹے بعد۔" انشال نے اس کی حالت زار سے حظ اٹھایا۔

"تمہیں کیوں جلن ہورہی ہے ناہنجار کہیں کے، ایک ہی میری بچی ہے۔ سالوں بعد شکل دکھاتی ہے، اپنے باپ اور بھائی کے گھر آرہی ہے۔ تم پر کیوں بھاری پڑ رہی ہے۔"



Digitized by Google

ابا جی نجانے کس لمحے وہاں آن پہنچے تھے اسے خبر ہی نہ ہوئی۔

"بچی.....! ابا جی کون سی بچی؟" حیرت و معصومیت سے دریافت کیا۔

"ارے.....تمہاری نگو پھوپی اور کون؟" وہ برہم سے لہجے میں بولے۔

"وہ چالیس سال اور چالیس من کی بچی تو....." ابا جی سے بیٹی کی شان میں مزید گستاخی برداشت نہ ہوئی تو وہ ہتھڑ شاہ زیب کی کمر پر رسید کیا۔ اس کی بات منہ میں رہ گئی اور وہ کمر سہلاتا رہ گیا تھا۔

☆

دل ایک نئی تال پہ دھڑک رہا تھا۔ اس نے پلٹ کر کمرے کا دروازہ بند کیا۔ اس کے ہاتھوں میں انشال کی گمشدہ ڈائری تھی' اس نے مسکرا کر سرورق کو دیکھا جس پہ انشال کا نام جلی حروف میں جگمگا رہا تھا۔ اس نے ورق الٹا، نفیس سی لکھائی میں غزل لکھی ہوئی تھی۔

"نظم نہ ہو تو" ڈائری شاید نئی تھی۔ ایک آدھ غزل کے علاوہ باقی تمام صفحات خالی تھے۔

"اس قدر خوب صورت اور واضح اظہار عشق میرے لیے ہے۔" اس نے حیران ہو کر سوچا کیونکہ اس کے اور شاہ زیب کے علاوہ تو دور دور تک کوئی نہیں ہو سکتا تھا اور شاہ زیب اور انشال کی آپس میں کبھی بنتی نہیں تھی۔ اس لیے اسے یقین واثق تھا کہ وہ خوش نصیب ہستی شاہ میر کی ہی ہے جس سے انشال صاحبہ کو اس قدر عشق ہو گیا ہے۔ وہ اسے بار بار پڑھتا رہا اور ہر بار پڑھنے پہ خون کی گردش میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا۔ اسے یہ ڈائری لاؤنج میں ٹیلی فون اسٹینڈ پہ رکھی ملی تھی۔ اس نے جس خاموشی سے ڈائری اٹھائی تھی اسی خاموشی سے واپس رکھ دی اور انشال جو برسوں سے ساتھ رہتی آ رہی تھی، ایک دم سے بہت اچھی لگنے لگی تھی۔

☆

"شاہ زیب.....شاہ زیب۔" انشال پُرجوش انداز میں پکارتی اس کے کمرے میں آئی' شاہ زیب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"شاہ زیب میری ڈائری مل گئی۔" وہ یوں خوش اور پُرجوش ہو رہی تھی گویا ہفت اقلیم کی دولت ہاتھ لگ گئی ہو۔

"اچھا.....کل تو میں نے اسے ہر جگہ ڈھونڈا پر کہیں نہیں ملی آج کہاں سے مل گئی؟" وہ بھی حیران ہوا۔

"یہ مجھے لاؤنج میں ٹیلی فون اسٹینڈ پہ رکھی ملی ہے۔" اس نے بتایا۔

"کہیں وہ پھوپو کے افلاطون بچوں میں سے تو کسی نے نہیں اٹھائی تھی؟" اس نے قدرے راز داری سے دریافت کیا تو وہ اس کے ریمارکس اور انداز پہ زور سے ہنس دی۔ وہ پھوپو اور ان کے بچوں سے حد درجہ الرجک تھا۔ اس بار پھوپو کی نند کی بیٹی روبی بھی ان کے ساتھ آئی تھی۔

"یونیورسٹی میں پڑھتی ہے ماشاءاللہ.....ایم اے کر رہی ہے' بڑی لائق اور فرماں بردار بچی ہے۔ میرے ساتھ آنے کے لیے اسپیشل چھٹیاں لے کر آئی ہے۔" پھوپو کے لب و لہجے میں بلا کا مان تھا۔

"ست بسم اللہ.....کیوں نہ آئے اس کا اپنا گھر ہے۔" ابا جی نہال ہو کر بولے۔

"ابا جی مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔" پھوپو نے قدرے راز داری سے مہم اور پراسرار انداز میں کہا اور پھر ابا جی کے کان تھے اور پھوپو کی زبان جانے کیا راز و نیاز ہونے لگے تھے۔

☆

شاہ میر ابا جی کے کہنے پر انشال کو کو چنگ سینٹر سے لینے آیا تھا۔ لڑکیوں نے اسے گھیرے میں لے لیا۔ نجی چینل پہ ہونے والے مشاعرے میں اس نے اپنی چند غزلیں سنائیں تھیں اور اسی سے وہ لمحوں میں مقبول و مشہور ہو گیا تھا۔ اتنے ہینڈسم شاعر کو روبرو دیکھ کر لڑکیاں پھولے نہ سما رہی تھیں' وہ لڑکیوں میں راجہ اندر بنا انہیں آٹو گراف دے رہا تھا۔ جب تک وہ فارغ ہوا انشال کا دور دور تک نام و نشان تک نہیں تھا۔

"شاید اندر واپس چلی گئی۔" اس نے سوچا۔ "کب تک ہونقوں کی طرح انتظار کرتا رہوں۔ خود آ جائے گی۔" اس

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT



Digitized by Google

نے جھنجلا کر سوچا اور گھر کی راہ لی۔

گھر میں قدم رکھا تو غصہ آسمان کو چھونے لگا' انشال جوس کا گلاس لیے کچن سے نکل رہی تھی اس پر نگاہ ڈالے بنا وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"حد ہوگئی شاہ میر غیر ذمہ داری کی۔" ابا جی نے اسے دیکھتے ہی تاسف سے کہا۔ "تم کبھی نہیں سدھرو گے۔"

"مجھ پر کیوں خفا ہو رہے ہیں ابا جی' ذرا سا انتظار نہیں کر سکتی تھی وہ میرا...... منہ اٹھا کے چل پڑی۔" وہ بھی برہمی سے بولا۔

"وہ کیوں کرتی انتظار...... جب تم نے لڑکیوں کا جمگھٹا لگا لیا تھا۔" وہ بری طرح سٹپٹایا۔

"میں نے نہیں کیا تھا۔ لڑکیاں خود ہی میرے پیچھے آتی ہیں۔" وہ فخر سے گردن تان کر بولا۔

"ہاں...... ہاں ایسے ہی تو تم پرنس آف ویلز ہو ناں۔" وہ بگڑ کر بولے۔ اسے باوجود غصہ کے ہنسی آ گئی۔

"ابا جی پرنس کہہ کر آپ میری توہین کر رہے ہیں۔" وہ تلملا کر بولا۔ "کہنا ہے تو پرنس کہیے اور آپ کو تو فخر کرنا چاہیے کہ آپ کا پوتا کتنا فیمس ہو گیا ہے۔"

"کیوں بھئی، ایسا کون سا ایٹمی دھماکا کر دیا ہے تم نے کہ تم پر فخر کریں۔ ایک ذرا کام تو ہوا نہیں تم سے، باقی فخر کرنا رہ گیا۔" ابا جی بڑبڑاتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گئے اور وہ ان کی بے ربط باتوں پہ بیک وقت ہنستا اور کڑھتا رہا تھا۔

◈......☆......◈

نگہت پھوپو کی ابا جی سے ہونے والی کھسر پھسر کا نتیجہ جلد ہی منظر عام پہ آ گیا۔ پھوپو نے روبی کا رشتہ شاہ زیب اور شاہ میر میں سے کسی ایک کے ساتھ کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ ابا جی نے شاہ زیب اور انشال کو منسوب کر دیا اور روبی اور شاہ میر کے رشتے کے بارے میں کہہ دیا کہ پہلے اس رشتے کی بات روبی کے گھر والوں سے کی جائے گی اگر انہیں رشتہ قبول ہوا تو سو بسم اللہ۔

جب سے رشتے کی بات ہوئی تھی انشال کے چہرے پہ ایک سرخی سی چھا گئی تھی اور مارے شرم کے وہ سب سے چھپتی پھر رہی تھی۔ خوش ہونے کو تو شاہ زیب بھی خوش تھا مگر اس نے دیکھا کہ شاہ میر کے تیور کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے' عجیب روکھا سا ہو گیا تھا وہ' سیدھی سادی بات پہ بھی بے وجہ الجھنے لگتا اس رشتے پہ تبصرہ تو کیا اس نے شاہ زیب اور انشال کو مبارک باد تک نہیں دی تھی۔ انشال سب کو کھانا نکال کے دے رہی تھی اور شاہ میر اس کے چہرے کے کھلے کھلے رنگ اور دبی دبی شرمیلی سی مسکان کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

وہ بظاہر سر جھکائے کھانا کھانے میں مگن تھا مگر کن انکھیوں سے مسلسل انشال کا پوسٹ مارٹم کر رہا تھا اور شاہ زیب، شاہ میر کا۔ روبی اس ساری صورت حال سے لاعلم ناشتہ کرنے میں مگن تھی۔ شاہ میر لاشعوری طور پر دونوں کا موازنہ کرنے لگا پھر ناشتہ ادھورا چھوڑ کر گھر سے نکل گیا تھا۔

◈......☆......◈

ان دونوں کے رشتہ طے ہونے کی بات پر وہ اس قدر سیخ پا تھا کہ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کر ڈالے۔ ایک طرف اپنے دل کی خوشی تھی جو بغاوت پر اکسا رہی تھی' دوسری طرف شاہ زیب اور انشال کے مسکراتے چہرے پیچھے ہٹنے پر اکسا رہے تھے۔ پھر یہ رشتہ صرف ان دونوں کی خوشی پر محیط نہ تھا بلکہ ابا جی کے ساتھ دیگر لوگوں کی بھی یہی خواہش تھی' جب ہی ایک فیصلے پر پہنچتے وہ خود کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

رات گئے وہ گھر لوٹا تو اس کے چہرے پر بھی خوشی کا عکس نمایاں تھا۔ شاہ زیب کو اس نئے رشتے کی مبارک باد دیتے ہوئے خود بھی اس سے مبارک باد وصول کرنے کا خواہش مند نظر آیا۔ کیونکہ اس نے روبی کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کے راز سے شاہ زیب کو بھی آگاہ کر دیا تھا۔ وہ دونوں اس بات پر بے حد خوش تھے کہ جلد ہی وہ ایک نئے بندھن میں بندھ جائیں گے۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

قسط نمبر 12

# عشق دی بازی

## ریحانہ آفتاب

### (گزشتہ قسط کا خلاصہ)

پیسے چوری ہوجانے پر ماورا منزہ کو تسلی دیتی ہے جبکہ انوشا شادی کی تاریخ آگے بڑھا دینے کا کہتی منزہ کی پریشانی میں اضافہ کر جاتی ہے۔ منزہ اپنی طبیعت کے باعث اس کی شادی جلدی کرنا چاہتی ہے۔

شائیہ چوہدری کو حویلی کے رسم و رواج کے مطابق نکاح کے لیے تیار کیا جاتا ہے دوسری طرف عیشال اس منظر سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ شائیہ کا مذاق بھی اڑاتی ہے شاہ زر شمعون بھی اس کی تیاری کو دیکھ کر استہزائیہ مسکراتا ہے۔

منزہ پہلے ہی بیمار ہوتی ہے اب کھانا پینا بھی چھوڑ دیتی ہے۔ ماورا اور انوشا دونوں ہی پریشان ہوجاتی ہیں۔ ماورا سے یونیورسٹی میں چوہدری جہانگیر ملنے آتے ہیں اور اسے ایشان جاہ سے دور رہنے کا کہتے ہیں اور اسے دوسرے ملک جا کر تعلیم مکمل کرنے کی پیشکش کرتے ہیں جس پر ماورا ایشان جاہ کو تعلیمی میدان میں ہرانے کی بات کرتی انہیں مزید غصہ دلا جاتی ہے۔

چوہدری حشمت، زمرد بیگم سے عیشال جہانگیر کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ اس کی شادی اب وہ فوراً کرنا چاہتے ہیں۔ زمرد بیگم سہان کا نام لیتی انہیں سوچ میں ڈال دیتی ہیں۔ ان کے خیال میں یہ رشتہ مناسب تھا لیکن چوہدری حشمت سہان کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اس رشتے سے انکار کر دیتے ہیں۔ زمرد بیگم انہیں فوری کسی فیصلے سے روکتی دونوں کو کچھ وقت دینے کا کہتی ہیں جس پر چوہدری حشمت خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔

منزہ پریشان ہوتی شاہد صاحب (ہمسائے) سے مدد مانگنے پہنچ جاتی ہے۔ وہ نیک سیرت انسان ان کی مدد بھی کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی بیگم روک دیتی ہیں اور منزہ ان کی باتیں سنتی ہوئی مایوس ہو کر واپس آجاتی ہیں۔ ماورا یونیورسٹی سے واپس آتی ہے تو ماں (منزہ) کو پریشان دیکھ کر فکر مند ہوجاتی ہے۔

چوہدری جہانگیر اپنی فیملی کے ساتھ حویلی آتے ہیں۔ صبا سب سے خوش اخلاقی سے ملتی ہے اور اپنی بیٹی نرمین سے بھی سب کا تعارف کراتی ہیں تب ہی عیشال کو دیکھ کر وہ سب کی موجودگی کا خیال کرتی، عیشال سے بھی محبت سے ملتی ہیں۔

ماورا یحییٰ انوشا کو چوہدری جہانگیر کا یونیورسٹی آنا اور اسے دھمکانا بتا کر حیران کر جاتی ہے۔ منزہ ان دونوں کی باتیں سن لیتی ہے اور ماورا کو یونیورسٹی جانے سے منع کر دیتی ہے۔

نکاح کی تقریب میں سارا گاؤں موجود تھا۔ عیشال جہانگیر تیار ہو کر کمرے سے نکلتی ہے تو حویلی میں کوئی بھی نہیں ہوتا۔ وہ غصہ سے اپنی چوڑیاں اتار کر زمین پر پھینک دیتی ہے تب ہی سہان آفندی آتا ہے اور اسے چلنے کا کہتا ہے لیکن وہ جانے سے انکار کر دیتی ہے۔

URDU TUBE
www.urdutubes.com

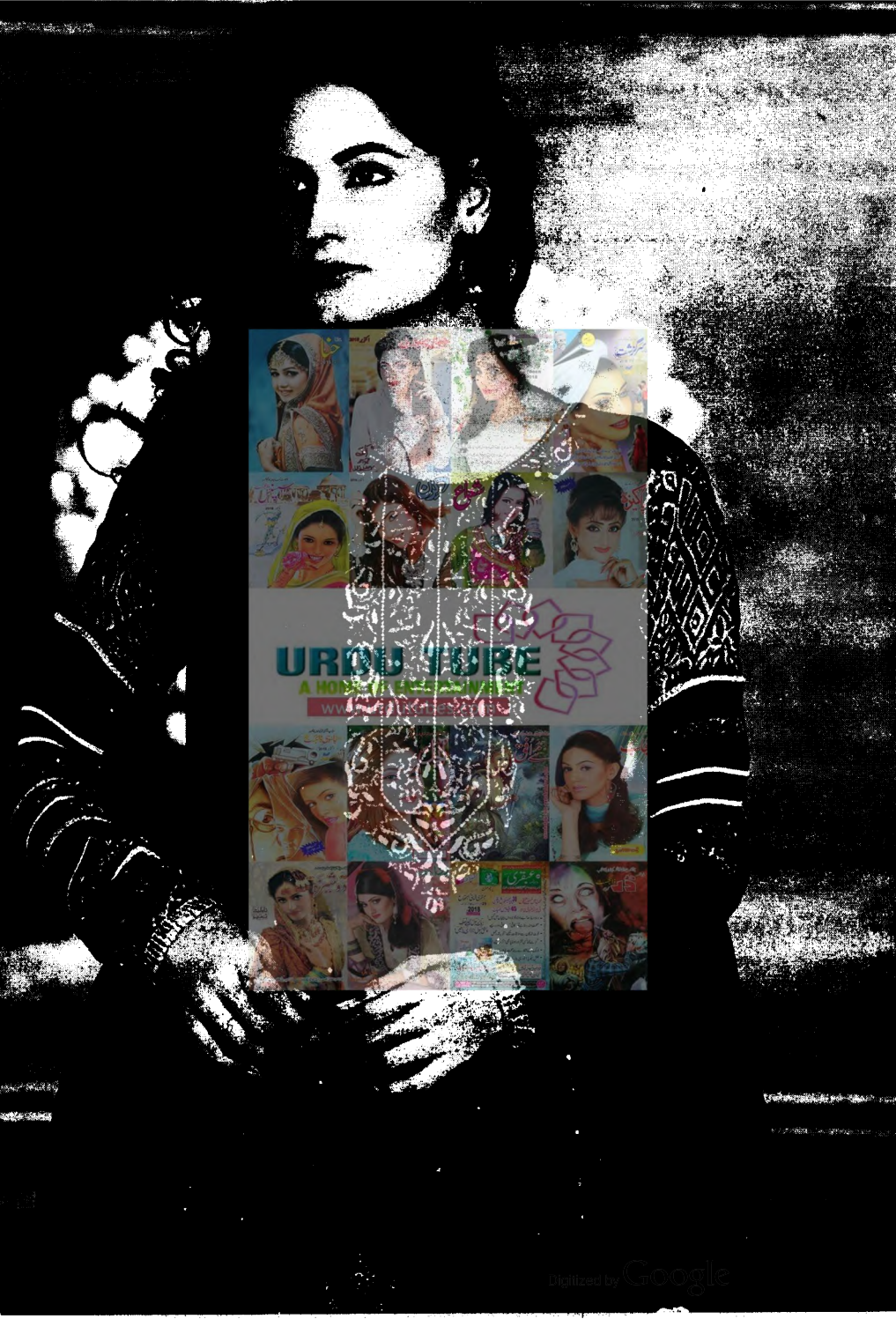


Digitized by Google

## (اب آگے پڑھیے)

سبحان آفندی نے برق رفتاری سے اپنی طرف کا شیشہ اوپر چڑھایا جو اس نے فائر کے لیے نیچے کیا تھا۔ ساتھ ہی بے قراری سے اس کے کندھے کو جھنجھوڑنے لگا۔

"عیشال......" اس گھڑی دشمن سے بھری جیپ سے شعلے برساتے لوگ اور ان کا تعاقب کرتے حویلی کے نشانے باز اسے کچھ یاد نہیں رہا تھا۔ وہ بے پناہ وحشت آنکھوں میں بھرے نادیدہ گولی کو ڈھونڈ رہا تھا' گولی کی آواز کان کے بے حد قریب سے گزری تھی۔ تو کیا عیشال......؟

اس سے آگے اس کے اعصاب جواب دے گئے تھے۔

"عیشال......!" پسٹل والے ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالتے دوسرا پسٹل ڈیش بورڈ پر پھینک کر وہ اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔ اس کے وجود پر بکھرے اس کے کرلی بالوں نے چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ وہ اس کا رخسار تھپتھپانے کے ساتھ آواز دینے لگا۔ تب ہی اس نے مندی مندی آنکھیں کھول دیں۔

"تم ٹھیک ہو......؟" اس نے بے قراری سے پوچھا۔ اسے آنکھیں کھولتے دیکھ کر سبحان کو کسی قدر تقویت پہنچی۔

"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے سبحان......" وہ ڈرے سہمے انداز میں بولی۔ گاڑی تیزی سے ٹرن کرنے پر اس کا سر بری طرح ڈیش بورڈ سے ٹکرایا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ بے دم ہوگئی تھی۔ فائر کی آواز دل دہلا رہی تھی۔ عیشال کی موجودگی میں شیشہ نیچے کرنے کو وہ اپنی سب سے بڑی بے وقوفی گردان رہا تھا گو کہ گاڑی بلٹ پروف تھی۔ صرف معمولی سا شیشہ نیچے تھا لیکن گولی گزرنے کے لیے جگہ ہی کتنی چاہیے ہوتی ہے؟ دشمن نے جاتے جاتے نشانہ بڑا تاک کے لیا تھا لیکن اس کی ماہرانہ ڈرائیونگ بے حد کام آئی تھی۔ اگر جو وہ چوک جاتا اور عیشال کو کچھ ہو جاتا تو وہ خود کو کبھی معاف نہیں کر پاتا۔

"کچھ نہیں ہوتا......!" اسے محفوظ دیکھ کر سکون کی سانس لیتے اس نے گاڑی کی رفتار ایک دم سے بڑھا دی تھی۔

"کون تھے یہ لوگ......ہم پر فائر کیوں کر رہے تھے......؟" اب گولیوں کی گھن گرج بند ہو چکی تھی۔ میدان خالی دیکھ کر وہ حواس باختہ سی سوال کر رہی تھی۔ بے حد اعصاب شکن صورت حال اچانک سے وقوع پذیر ہوگئی تھی گو کہ چودھری گھرانے سے تعلق رکھنے اور حویلی میں رہنے کی وجہ سے گولیوں کی گھن گرج اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی مگر دشمن اس طرح اچانک سامنے آ کر وار کرے آج سے پہلے اس صورت حال کا سامنا نہیں ہوا تھا......تب ہی تو جب بھی وہ سفر پر ہوتا تو وہ سولی پر لٹکی رہتی تھی۔ حویلی والوں نے کبھی کسی کے ساتھ برا نہیں کیا تھا مگر یہی اچھائی ان کے لیے دشمن پیدا کر گئی تھی۔ کچھ حاسدین بھی تھے جو حویلی کی اونچی عمارت کے دبدبہ اور چودھری حشمت سے خائف اولاد کے نام و شہرت انہیں نقصان پہنچانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

غیر معمولی نقل و حرکت پر وہ پہلے ہی چوکس تھا۔ حویلی کی پہلی خوشی بڑے پیمانے پر منعقد کی گئی تھی جس میں پورا گاؤں امڈ آیا تھا۔ دور دراز سے مہمان مدعو تھے ایسے میں وہ کسی کو تناؤ کا شکار نہیں دیکھ سکتا تھا۔ خصوصاً شاہ زر شمعون کو......اس کی زندگی کا اہم موڑ تھا اور اس کی اپنے طور پر کی گئی کارکردگی کتنی پُر اثر تھی یہ دشمن کے دم دبا کر بھاگنے سے ثابت ہو گیا تھا۔ وہ بے خبری میں حویلی کی بنیادوں کو ہلانے کے ارادے سے آئے تھے لیکن انہیں منہ کی کھانی پڑی تھی۔

ان کی جیپ میں بارود سے بھرا بیگ بھی تھا۔ یقیناً وہ حویلی کو نقصان پہنچانے آئے تھے لیکن وہی جیپ ان سب کا مقبرہ نا بن جائے اس لیے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

اس کی نظریں تیزی سے ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com



Digitized by Google

"یا اللہ……اگر جو ابھی میں حویلی میں ہوتی۔" عیشال نے یہ سوچ کر جھرجھری لی۔ اگر جو سبحان آفندی زبردستی نا کرتا……اسے چھوڑ کر چلا جاتا اور پیچھے یہ صورت حال ہو جاتی تو……" وہ سوچ کر ہی دہل گئی۔

"اسی لیے کہتا ہوں' بہادری کا مظاہرہ غیر ضروری جگہوں پر دکھا کر اپنی انرجی مت ضائع کیا کرو۔" ناصحانہ انداز میں کہتے وہ بلیوٹوتھ پر مصروف ہوگیا۔ عیشال اختلاف کیے بغیر اس کی بات توجہ سے سننے لگی۔

"کیسے غائب ہوگئی جیپ……؟ تم لوگ سرچ کرو……وہ دور نہیں گئے ہوں گے……میں وہیں آرہا ہوں۔" وہ جھنجلائے انداز میں مزید رفتار بڑھا گیا۔

"کیا ہوا……؟" وہ اسے تشویش سے دیکھنے لگی۔

"وہاں جا کر کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے……وہاں پہلے ہی اتنی فائرنگ ہو رہی ہے کہ سب اسے بھی خوشی کا حصہ سمجھ رہے ہیں' ورنہ اب تک کسی نا کسی کی کال آجاتی……اچھا ہی ہے جو وہ سب بے خبر ہیں……تم بھی نارمل رہنا' کسی کو کچھ نہیں بتانا۔" اس نے سمجھایا۔

"تم کہاں جارہے ہو……جیپ کے پیچھے……؟ بالکل نہیں……تم کہیں نہیں جاؤ گے۔" پنڈال قریب آنے پر وہ اس کا ارادہ جانتے ضدی لہجے میں کہنے لگی۔

"بچوں جیسی باتیں مت کرو عیشال……جو کہا ہے وہ کرو۔" دبے لہجے میں چلایا۔ گاڑی پنڈال کے باہر رک گئی تھی۔

"تم لاکھ چیخو' چلاؤ لیکن تمہیں جانے نہیں دوں گی۔ جاؤ گے تو میں بھی ساتھ چلوں گی۔" وہ سیٹ پر مزید پھیل کے بیٹھ گئی۔ بجے سنورے چہرے پر بدحواسی تھی۔ بال بھی بکھر گئے تھے لیکن اس قسم کی صورت حال کو اتنے قریب سے دیکھ کر بھی وہ چاق و چوبند اپنے مضبوط اعصاب کا ثبوت دے رہی تھی۔

"تمہاری موجودگی سے پہلے ہی جیپ ہاتھ سے نکل گئی……اترو اب……" اس نے نرم آواز لیکن سخت لہجے میں کہا۔

"نہیں اتروں گی……جتنا برا بھلا کہنا ہے کہ لو……نہیں دشمن کے پیچھے نہیں جانے دے سکتی……اگر تمہیں کچھ ہوگیا……کیا کروں گی میں……؟ تم ایک ہی ہو میرے لیے اس دنیا میں……" ضدی لہجے میں وہ جس بے ساختگی سے کہہ گئی……سبحان آفندی کئی لمحے تک ساکت رہ گیا تھا۔

بلیوٹوتھ میں ہلچل ہوئی تو اس پر نظریں جمائے وہ کال کی طرف متوجہ ہوا۔

"اچھی طرح دیکھ لیا……؟ ٹھیک ہے واپس آجاؤ……حویلی اور پنڈال کی سیکیورٹی مزید بڑھا کر سب کو الرٹ رہنے کا کہو……گاؤں کے داخلی اور خارجی راستے پر بھی نظر رکھو……کوئی غیر متعلقہ گاڑی یا لوگ نظر آئیں تو مجھے رپورٹ کرو۔" غالباً جیپ کے پیچھے جانے والے گارڈ اسے بتا رہا تھا' جنہیں سن کر وہ انہیں ہدایت دینے لگا۔

"چلو اب اترو……نہیں جارہا میں کہیں……تمہارے ساتھ اندر چل رہا ہوں۔" اگنیشن سے چابی نکالتے اسے اترنے کا کہا اور اس کی بے اعتبار نگاہوں کو دیکھ کر خود بھی اتر آیا۔ اسے اترتے دیکھ کر عیشال جہانگیر کو سکون ہوا تو وہ بھی گاڑی سے اتر گئی۔ پنڈال کے باہر سیکورٹی پر مامور لوگوں کو ہدایت کرتے وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔

وہ پنڈال کے اندر داخل ہوئی تو کئی نظریں دونوں کا طواف کرنے لگیں۔

"جو کہا ہے اس پر عمل کرنا……کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں' خوشی کے موقع پر بلاوجہ سب پریشان ہوں گے۔" ارد گرد لوگوں پہ مسکراتی نگاہ ڈالتے سر کے اشارے سے سلام کرتے وہ دبے لفظوں میں ساتھ چلتی عیشال کو پٹی پڑھا رہا تھا۔

آگے جا کر پنڈال کو دو حصوں میں منقسم کردیا گیا تھا۔ پردے کا خیال رکھ کے زنانہ مردانہ حصہ الگ الگ تھا۔

"ٹھیک ہے نہیں کہوں گی کسی سے لیکن اگر تم ان کے پیچھے گئے میرے منع کرنے کے باوجود تو میرا مرا ہوا منہ دیکھو

URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

گے....." اس نے سمہان کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ایک ایک لفظ جتا کے ادا کیا۔ آتش بازی سے آسمان رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔

سمہان آفندی کئی لمحے کمان کی طرح تنی ابرو اور سرمی آنکھوں کے تیور میں ہی الجھ گیا۔ تادیبی نظروں سے دیکھتی وہ آگے بڑھ کر عورتوں کے پورشن میں چلی گئی تھی۔ سمہان آفندی اس کے لہراتے آنچل اور پشت پہ بکھرے بالوں کو دیکھتا رہ گیا۔

ایک اور ہستی تھی جس نے ان دونوں کی آمد اور انہیں باتیں کرتا بڑی گہری نظروں سے دیکھا تھا اور اب اس کی نظروں کا مرکز سمہان آفندی بن گیا تھا۔

"اوہو..... یہ تو ضرورت سے کچھ زیادہ ہی ہینڈسم ہے..... جانے پہلے نوٹس کیوں نہیں لیا میں نے....."

❁.....❁.....❁.....❁

دلہن بنی شنائیہ اس وقت زندگی کے سب سے مشکل وقت سے گزر رہی تھی۔ پنڈال بھانت بھانت کی عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ "دلہن" دیکھنے کی کوشش میں سب اسٹیج کے گرد مجمع کی صورت اُمڈ آئی تھیں۔

لائیٹ پنک کلر کا بیش قیمتی لہنگا سوٹ' جیولری پہنے' بیوٹیشن سے میک اپ کروائے وہ بے حد دلکش لگ رہی تھی۔ اس زبردستی نکاح پر وہ پہلے ہی جھنجلائی ہوئی تھی کہ پنڈال آ کر اس کا پتا پانی ہو گیا تھا۔

پنڈال میں قدم دھرتے ہی اس کا اور اس سے ذرا فاصلے پر شاہ زر شمعون کا جس طرح گولیوں کی گھن گرج سے استقبال ہوا اس پہ وہ نازک دل حسینہ اچھل کے ماہم سے تقریباً جڑ ہی گئی تھی۔

"کیا ہوا..... دشمن ملک سے کوئی جنگ چھڑ گئی کیا.....؟" ساری ناپسندیدگی' جھنجلاہٹ بھول کر خوف کے مارے ماہم سے سرگوشی کی۔

"ارے نہیں..... یہ تو آپ اور ویرے شاہ کے نکاح کی خوشی میں ہیں..... چودھریوں کی تو شان ہی یہی ہے....." گو کہ ماہم بھی اس کی طرح شہری ماحول میں پلی بڑھی تھی لیکن اسے شنائیہ چودھری سے زیادہ معلومات تھیں۔

"استغفراللہ..... اس سے تو بہتر تھا' ڈائریکٹ توپ ہی فائر کر دیتے..... خیر سے حویلی کے عظیم الشان شہنشاہ کا نکاح ہے۔" وہ جل ہی تو گئی۔ ماہم اس کی ہڑبڑاہٹ پہ ہنس دی۔

اسے اسٹیج پر بٹھا دیا گیا تھا۔ عورتیں مجمع لگائے اسے دیکھنے کے شوق میں موجود تھیں۔ گھونگھٹ کو ذرا اوپر کر کے شاذمہ نے سر پر سیٹ کر دیا تھا تاکہ سب آرام سے دلہن کا چہرہ دیکھ سکیں۔ لیکن برا ہو اس آتشی شوق کا ہر فائر پہ اس کا دل دہل جاتا اور گاؤں کی سیدھی سادھی عورتیں اس کی نازک مزاجی پر رکھی کھی کرتی "شیرنی دلہن" سے محفوظ ہوتی رہیں۔

"مما..... اللہ کا واسطہ' اس جنگ و جدل کے ماحول کو بدلوا دیں ورنہ مجھے ہارٹ اٹیک ہو جائے گا۔" دیا قریب آئیں تو وہ روہانسی ہو کر منہ بسور گئی۔ دیا اپنی پریوں جیسی نازک مزاج بیٹی کو اچھی طرح جانتی تھیں۔ اس کے چہرے پر پھیلا خوف انہیں مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

"لو جی..... گولیوں کی آواز سے یہ اتنی ہی خائف اور ویرے چلاتا پہلے ہے' سوچتا بعد میں ہے۔" زرش نے بھی اس کا جملہ سن لیا تھا۔ شاہ زر شمعون کے "خواص" سن کر اس کا منہ ہی کڑوا ہو گیا۔

"یہ جنگلی وحشی ہی رہ گیا تھا میرے نصیب میں۔" وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

فائزہ کسی دور پرے کی خاتون کے ساتھ اسٹیج پر چڑھیں تو اسے بھی منہ سیدھا کرنا پڑا۔

"ہائے میں واری..... بہو تو بڑی سوہنی ہے فائزہ..... بھئی آئی تو میں منگنی کی تیاری کر کے تھی لیکن بعد میں خبر ہوئی کہ



Digitized by Google

نکاح بھی ہے..... جو بھی ہے..... بہت مبارک ہو..... بہو میں تمہاری چچی ساس ہوں۔" آنے والی فربہی مائل خاتون فائزہ کو مخاطب کر کے آخر میں شنائیہ سے اپنا تعارف کروانے لگیں۔ جبکہ شنائیہ خاتون کے ہاتھ میں موجود نوٹوں والے ہار کو آنکھیں پھاڑے دیکھنے لگی۔

"یہ تو گائے بھینسوں کو پہناتے ہیں ناں.....؟" وہ اپنی سوچ کے پنچھی اڑا رہی تھی اور اگلے ہی لمحے مرنے والی حالت ہوگئی..... جب خاتون نے وہ نوٹوں والا ہار اس کے گلے میں ڈال کر دیسی گھی کا لڈو منہ میں تقریباً ٹھونس ہی دیا تھا۔

پھر تو جیسے کوئی بند ٹوٹ کر سب کی راہیں کھول گیا۔ عورتیں آ کر اس کے منہ میں لڈو ٹھونستی رہیں اور نکاح کی تقریب کو یادگار بناتی رہیں۔ اسے ابکائی آنے لگی، گلے میں کوئی پھندا سا لگتا محسوس ہوا تو ہاتھ بے ساختہ گردن کو چھو گیا۔ اس کی نظر اپنے قدموں میں بیٹھے چند سالہ بچے پر پڑی وہ ہار میں سے پچاس، پچاس کے نوٹ نوچ کر اپنی جیب گرم کرنے کے چکروں میں اس کے گلے کا پھندا بنا رہا تھا۔ اس کے دیکھنے پر چوری پکڑے جانے پر بچے نے آنکھ مار کر معاملہ رفع دفع کرنے کے لیے معصوم سا منہ بنا لیا تھا۔

اس گھڑی اسے اپنی حالت کی قربانی کے جانور سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

اک خواب سہانہ ٹوٹ گیا
امید گئی ارمان گئے
اے دنیا ہم سے چال نا چل
ہم ساری حقیقت جان گئے

ایم بی اے کے بعد سی ایس ایس کا امتحان پاس کر کے کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہونا اس کا خواب تھا۔ بچپن سے روکھی، پھیکی کھا کر بدرنگ جوڑے پہن کر بھی اس کے خواب نئے تھے۔ وہ سونے کا چمچہ لے کر پیدا نہیں ہوئی تھی، نا ہی سنڈریلا کی طرح اسے کسی شہزادے کا انتظار تھا۔ جو اسے شہزادی بنا کر اپنے محل میں لے جاتا اور نہ ہی اس نے کسی خوش گمانی کو جگہ دی گئی تھی، نا خوش فہمی کو اجازت۔ خودداری کے سنگلاخ پہاڑوں نے ہمیشہ اپنی راہ پر لگائے رکھا تھا۔ سہل اور چور راہوں کی کھوج میں نا منزہ نے کبھی لگنے دیا نہ گئی۔

غیر معمولی تعلیمی ریکارڈ امین تھا کہ وہ اپنی منزل کو پانے کے لیے کتنا جی مار رہی تھی۔ سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا، لیکن ایم بی اے میں داخلے کے بعد سے جانے کیوں مشکلات کھڑی ہونے لگی تھیں۔

وہ جیسے لگتا تھا اس کی آنکھیں صرف خواب دیکھنے کے لیے نہیں بنیں، وہ منزل کا سراغ پالیں گی، وہی آنکھیں منزل کے پہلے پڑاؤ پہ ہی دھندلانے لگی تھیں۔ ایشان جاہ نامی جن اس کے خوابوں کو دبوچ گیا تھا اور اب منزہ نے یونیورسٹی جانے پہ پابندی لگادی تھی۔ ماں سے سوال جواب کی عادت نہیں تھی۔ ان کا حکم حرف آخر تھا لیکن اپنے خوابوں پر قدغن لگانے والی ہستی کو وہ کبھی معاف نہیں کر سکتی تھی..... اس کی اونچی اڑان کو ایشان جاہ کی مقابلہ بازی نگل گئی تھی اور وہ بے پر کی ہو کر پھڑ پھڑا رہی تھی۔ خاموشی سے لیٹی وہ چھت کو دیکھتی غیر محسوس طریقے سے آنکھ کے کناروں کو رگڑ رہی تھی۔

"اب کیا کرو گی..... اماں نے تو پابندی لگادی، یونیورسٹی جانے پر.....؟" انوشا کو بھی اس فیصلے سے بہت دکھ ہوا تھا۔ لیکن وہ سمجھتی تھی کہ ان کی ماں کے لیے بیٹیوں کی ذمہ داری کتنی بڑی ہے۔ جب بہن ہو کر انوشا کو ماورا کے لیے دھڑکا لگ گیا تھا تو منزہ تو ماں تھیں..... حیثیت و رتبے میں بے مول تھیں۔ پہلے ایشان جاہ اور اب چودھری جہانگیر کا سامنا کر وارن کرنا، اکیلی عورتوں کے لیے بہت بڑی بات تھی۔ وہ ان جیسوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ اپنے قدم پیچھے ہی ہٹا

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

سکتی تھیں۔ منزہ نے یہی کیا تھا۔ لیکن ماورا کو یہ پابندی اپنی ہار لگ رہی تھی۔ زور و جبر کے آگے ہتھیار ڈال کر پسپائی اختیار کرنے پر دکھ اور غصہ اب آنسو کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ پہلے تو شاید وہ منزہ کو راضی کرنے کے لیے ضد بھی کر لیتی، لیکن ان کی طبیعت کے پیش نظر اس نے سوال بھی نہیں کیا۔ برسوں سے دیکھا خواب دل کی دہلیز پر ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔

"کرنا کیا ہے..... سوچ رہی ہوں، تمہاری طرح اسکول ٹیچر بن جاؤں..... بچوں کی ڈائری لکھ لکھ کر کاپیاں چیک کر کے سر کھپاتی رہوں تاکہ یہ ایم بی اے کا خناس تو ذہن سے نکلے....." مجروح ہنسی کے ساتھ دبی آواز میں گویا ہوئی تو انوشا کو بھی افسوس ہوا۔

"تمہارے اسکول میں کوئی ویکنسی ہے تو پرنسپل سے پوچھ کے مجھے کال کر دینا۔ ڈیمو دینے آجاؤں گی۔" وہ خود کو نارمل ظاہر کرتے کہہ رہی تھی مگر انوشا اس کا درد سمجھتی تھی۔

"ابھی رہنے دو چند روز بعد اماں کو منانے کی کوشش کریں گے، تب تک ان کا غصہ بھی کم ہو جائے گا۔" انوشا نے دلاسہ دیا۔

"ان کا غصہ بھلے کم ہو جائے گا۔ لیکن جب تک اس روئے زمین پر ایشان جاہ اور چودھری جہانگیر جیسے زور آور لوگ ہیں، ان کے اندیشے ختم نہیں ہوں گے۔" ایشان جاہ اور چودھری جہانگیر کا ذکر کرتے اس کے لہجے میں دنیا جہاں کی حقارت امڈ آئی تھی۔

"دو جوان بیٹیوں کی غریب ماں میں دم ہی کتنا ہوتا ہے، جو میں بھی انہیں آزماتی رہوں..... ایم بی اے کی ڈگری کے بغیر بھی تو لوگ جی رہے ہیں..... میں بھی جی لوں گی۔" انوشا سے زیادہ وہ خود کو سمجھا رہی تھی۔ اپنے خوابوں کو تھپک تھپک کے سلا رہی تھی۔ ان کی سرگوشیاں منزہ کی آمد پر ایک دم سے بند ہو گئی تھیں لیکن آنکھوں کے گوشے نم ہی تھے۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT

عورتوں کے پورشن میں مردوں کا داخلہ ممنوع تھا۔ تب ہی سمہان آفندی اسے باہر آنے کا ٹیکسٹ کر گیا۔

"کیا ہوا..... سب خیر تو ہے.....؟" اس کے بلاوے پر عیشال جہانگیر تیزی سے دونوں پورشن کے بیچ بنے حصے کی طرف آ گئی تھی۔ جہاں سمہان آفندی پہلے ہی موجود تھا۔ وہ اب بھی فون پر مصروف بل بل کی رپورٹ لے رہا تھا۔ اسے بدحواس دیکھ کر شہادت کی انگلی کان سے لگے بلیوٹوتھ سے ہٹا کر ایک پل کو مسکرایا۔

"کچھ نہیں ہوا..... چھوٹے دل کی لڑکی۔ داجان نے پھولوں کے زیور بھیجے ہیں..... وی جان تک پہنچا دو..... حویلی کی تمام خواتین کے لیے ہیں۔" باسکٹ اٹھا کر اسے تھمائی، جس میں موتیا اور گلاب کے زیور موجود تھے۔

"ماشاءاللہ..... داجان نے کیا حس لطیف پایا ہے، جو اس عمر میں بھی ان نزاکتوں کا خیال ہے۔ میرے خیال میں حویلی کی نوجوان نسل کو ان سے ٹیوشن لینے کی ضرورت ہے۔" باسکٹ کو پُرشوق نظروں سے دیکھتی وہ جانے کس جذبے کے زیر اثر منہ بسور کے کہہ گئی۔

"کہنا کیا چاہ رہی ہو..... میں سمجھا نہیں۔" وہ بغور اسے دیکھتا پوچھنے لگا۔

"تم جیسے شعلے اگلنے والوں کی سمجھ میں پھولوں کی بات آ بھی نہیں سکتی۔" وہ چڑ گئی۔

"پھر کوشش کیوں کرتی ہو.....؟" اس کا شرارتی انداز ہوا۔

اس وقت وہ کسی اعصابی تناؤ کا شکار تھا۔ عیشال بہت اچھی طرح آگاہ تھی۔ ہزاروں لوگ یہاں موجود تھے اور وہ سب کی سلامتی، خوشی کے لیے چوکس اکیلا بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ کسی کو بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن مزاج میں شگفتگی برقرار تھی۔



Digitized by Google

"سمجھانا میرا فرض ہے...... نا سمجھنا تمہاری نالائقی......!"
"کوشش جاری رکھو...... شاید کبھی لائق اسٹوڈنٹ میں میرا بھی نام آجائے......"
"تم جیسوں کے لیے اردو لغت میں بڑا پراثر محاورہ ہے......ان تلوں میں تیل نہیں......" وہ جل کے بول گئی اور اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔
"اور تم نے بھی سنا نہیں...... بڑا پُراثر جملہ ہے...... ناامیدی کفر ہے۔" اس پر ایک بھرپور نظر ڈال کر وہ مسکراتے ہوئے پلٹ گیا۔
اس کی چوڑی پشت کو نظروں میں رکھتے وہ زنانہ حصے کی طرف آ گئی تھی۔

"نکاح مبارک۔" دعا ختم ہونے کے بعد ایک شور سا اٹھا تو شاہ زرشمعون نے ایک لمبی سانس لی۔
بلیک شلوار سوٹ اور بلیک واسکٹ میں معمول سے مختلف انداز لیے وہ خاصا وجیہہ لگ رہا تھا۔
اس نازک حسینہ سے نکاح کون سا آسان تھا۔ جس کے چڑیا جیسے دل کی خبر اس تک بھی آچکی تھی کہ فائرنگ کا سلسلہ رکوا دیا جائے۔ خوف زدہ ہو رہی ہے۔ لامحالہ اسے بند کرنے کا حکم دینا پڑا کہ اگر جو وہ بدحواس ہوتی تو قبول ہے کون کہتا۔
"نکاح مبارک۔" سن کر بڑی ٹھنڈی آہ بھری۔ "برو...... خیر تو ہے......؟" نکاح کے وقت وہ پاس ہی کھڑا تھا۔ اس کی حرکت ملاحظہ کر کے چھیڑنے سے باز نہیں آیا۔
"کھا کر پچھتانے والوں میں شمار ہو گیا ہوں...... آہ تو ٹھنڈی ہی نکلے گی ناں......" جواباً وہ بھی شوخی سے گویا ہوا تو دونوں ہی ہنس دیے۔
"مبارک ہو۔" وہ گلے لگ کر مبارک باد دے گیا۔
"جزاک اللہ...... ارینجمنٹ بڑی اعلیٰ کی ہے تو نے۔" وہ جب سے کاموں میں مصروف تھا۔ شاہ زرشمعون کو اس سے بات کرنے کا موقع بھی ابھی ملا تھا۔
"بے فکر رہو برو...... رخصتی پر مزید اچھا ارینج کروں گا...... بہت مزے دار تھیم ہے میرے پاس۔" وہ پُرجوش تھا۔
"ایک آدھ تھیم میری اور اپنی شادی کے لیے بھی بچا لینا' میرے بھائی۔" ایشان جاہ کبھی سمہان آفندی کے پیچھے ہی کھڑا تھا۔ اس نے کہا تو دونوں کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"تیری تو خیر ہے ایشان...... میں اور سمہان دیکھ لیں گے...... ہاں اس کے لیے فکرمند ہوں کہ ہمیں ارینج کرنے کا موقع بھی دے گا یا نہیں......"
"ہیں...... کیوں سمہان...... یہ میں کیا سن رہا ہوں...... کہیں بھاگنے واگنے کا پلان تو نہیں میرے بھائی......؟" شاہ زرشمعون کا معنی خیز جملہ ایشان جاہ کو بھی شوخی پہ مجبور کر گیا۔
"توبہ ہے برو...... ایسا کون سا میں نے کسی مہارانی کو پٹا رکھا ہے' جو مشکوک ہو رہے ہو۔" وہ جھینپ کے بولا۔
"یہ تو تو اپنے آپ سے پوچھ۔" شاہ زرشمعون کا لہجہ ہنوز معنی خیز تھا۔ اپنے جذبوں کو سات پردوں میں چھپا کر رکھنے والے سمہان آفندی کو یہ معنی خیزی بھی الارم جیسی لگی تھی۔

ایشان جاہ کا سیل فون کافی دیر سے وائبریٹ کر رہا تھا۔ وہ اس شور و ہنگامے سے ذرا باہر نکل آیا تھا۔
"فری نہیں ہوا اب تک؟" کال سعید کی تھی۔ بیک گراؤنڈ سے آتی آواز پر سعید نے تعجب سے پوچھا۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com


Digitized by Google

"کھانا شروع ہو چکا ہے میں تھوڑی دیر میں فری ہو جاؤں اس کے بعد ایئر پورٹ کے لیے روانہ ہوں گے..... صبح ملتا ہوں یونی میں....." وہ سارا پروگرام گوش گزار کر گیا۔

"اتنی جلدی واپسی.....؟" سعید کو تعجب ہوا۔

"ہاں ڈیڈ کو ایک میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے صبح..... مام کو بھی گاؤں میں رہنا کچھ خاص پسند نہیں۔ اس لیے۔"

"چل ٹھیک ہے..... لیکن حیرت ہے یہ رات کی تقریب کیوں.....؟ گاؤں والے تو دن کی چلچلاتی دھوپ میں تقریب کرنے کے اسیر ہیں۔"

"بس جی تبدیلی کی لہر ہے..... ویسے گاؤں میں اب بھی یہی رواج ہے..... داجان وغیرہ بھی دن کے خواہاں تھے وہ تو ایونٹ آرگنائزر سمہان آفندی کو اپنی کریٹی ویٹی دکھانا تھی تو اس نے داجان سے مل پاس کروالیا اور واقعی بہت مزے کا تھیم ہے۔ خوابناک ماحول لائٹنگ سجاوٹ فوارے ان میں تیرتی بطخیں فش اونچے اونچے درختوں پر تا حد نگاہ رنگ برنگی روشنی سب کچھ بہت اوسم ہے۔ ان ٹیکٹ سمہان کی اس خوبی نے تو اسیر کر لیا۔ اپنی شادی میں اسی سے آرگنائز کرواؤں گا۔" نگاہ دوڑاتے وہ ساری خوب صورتی سعید کے گوش گزار کر رہا تھا۔

"تمہارے خاندان میں سارے تیس مار خان ہی بھرے ہوئے ہیں۔" سعید ہنسا۔

"اس میں کوئی شک نہیں۔" برا منانے بنا وہ فراخ دلی سے اعتراف کر گیا۔

"ایک ضروری بات کرنا تھی لیکن تو صبح یونی آ رہا ہے تو پھر مل کے ہی بات کریں گے۔" سعید کال کرنے کی وجہ سے پہلو تہی کرنے لگا۔

"بتا ناں کیا بات ہے..... صبح تک کیا انتظار کرنا۔" اس نے اصرار کیا۔ سعید کے پیٹ میں مڑوڑ اٹھ رہا تھا۔ اس نے بھی بتانے میں دیر نہیں کی۔

"تو یونی نہیں آیا لیکن انکل آئے تھے۔ خیر ہے..... تو نے بھیجا تھا؟" سعید نے بالآخر سوال کر ہی لیا۔

"یونیورسٹی آئے تھے.....! کون..... ڈیڈ.....؟" ایشان جاہ چونکا۔

"تجھے خبر نہیں.....؟" سعید بھی حیران ہوا۔

"نہیں.....!"

"خیر ہے؟" سعید کی آواز میں تشویش تھی۔

"حیرت کی کیا بات ہے..... ڈیڈی کی فیلڈ ہی ایسی ہے۔ کہیں بھی کبھی بھی پہنچ جاتے ہیں۔" ایشان جاہ کو اس میں کوئی بات قابل توجہ نہ لگی۔

"ہاں اتنا تو مجھے بھی پتا ہے..... لیکن انہیں ماورا ایچی سے کیا کام ہو سکتا ہے؟" سعید نے پھر استفسار کیا۔ اب کے ایشان جاہ بری طرح چونکا۔

"ماورا ایچی.....! ڈیڈ اس سے ملے.....؟" وہ حیران ہوا۔

"ہاں کافی دیر دونوں کی بات چیت ہوئی..... ان کے درمیان کیا بات ہوئی۔ یہی پوچھنے کے لیے تو تجھ سے بات کرنا چاہ رہا تھا لیکن لگتا تو مجھ سے بھی زیادہ لاعلم ہے۔" اس کی لاعلمی سعید کو مزید حیران کر گئی۔

"میرے علم میں نہیں..... ڈیڈ نے تو مجھ سے کوئی ذکر نہیں کیا..... یا شاید موقع نہیں ملا ہوگا..... وہ ماورا ایچی سے ملنے کیوں گئے.....؟" ایشان جاہ کو تشویش ہونے لگی۔ جانے چودھری جہانگیر کس حوالے سے ملے تھے اور ان کے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT



Digitized by Google

اس کے ذہن میں متعدد سوالات اٹھ رہے تھے۔

❁....❁....❁....❁

قاضی صاحب نکاح کے بول دہرا رہے تھے اور شنائیہ کے اندر انکار کی آوازیں چکرانے لگیں لیکن جب چودھری بخت اس کے پہلو میں آ بیٹھے چودھری حشمت کا ہاتھ اس کے سر پر آ پڑا تو ساری مزاحمت دبک سی گئی۔

لرزتے ہاتھوں سے اس نے اپنی آزادی کو شاہ زرشمعون کے نام گروی رکھ دیا۔ اس کے ہاں کرنے پر جو سکون چودھری بخت اور دیا کے چہرے پر پھیلا تھا اس نے احساس دلایا کہ وہ کہیں نا کہیں اس کی متوقع بچکانہ حرکت پر متفکر تھے۔ مگر اس نے سمجھداری کا مظاہرہ کر کے ان کے سر کو جھکنے سے بچا لیا تھا مگر شاہ زرشمعون کے آگے اپنا جھکا وجود اسے آگ بگولہ کرنے لگا۔

شومئی قسمت کہ نکاح کے بعد شاہ زرشمعون کو لا کر اس کے ساتھ بٹھا دیا گیا۔ مبارک باد دینے والیاں منہ میٹھا کروا رہی تھیں اور اس کا جی متلانے لگا۔

”پلیز بس کر دیں میری طبیعت خراب ہو جائے گی اتنی مٹھائی کھا کر۔“ جب عورتوں کو اس پر رحم نہ آیا تو وہ سارے لحاظ بالائے طاق رکھ کے ٹوک گئی۔

”گاؤں کی خالص مٹھائی کھانے سے انکار مت کریں شاید اس کی وجہ سے تھوڑی مٹھاس آپ کی کڑوی زبان پر بھی آ جائے۔“ وہ شاہ زرشمعون ہی کیا جو زبانی گولہ باری کر کے اس کا جگر نا جلاتا۔ نکاح کے بعد گھونگھٹ کو ہٹا کر ڈوپٹا سر پہ سیٹ کر دیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے شاہ زرشمعون کو گھورنے میں خاصی آسانی ہوئی۔ جواباً اس نے ایک استہزائیہ نظر اس کے سراپے پر ڈالی۔

”مبارک ہو نا کر کے بھی آخر کو آپ میری پابند ہو ہی گئیں۔“ اس کے بھولے منہ اور کٹیلی نظروں سے وہ از حد حظ اٹھا رہا تھا۔ شنائیہ چودھری کی تو روح ہی جھلس گئی۔ وہ جواب دینے سے قاصر تھی۔ موووی میکر انہیں اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے۔

”ویسے حیرت ہے منٹ منٹ میں اسٹیٹس اپ ڈیٹ کرنے والوں نے ڈیڑھ گھنٹا گزرنے کے بعد بھی اب تک نکاح سیرمنی کی اپ ڈیٹ اپلوڈ نہیں کی۔“ وہ گن گن کے بدلے لے رہا تھا۔ شنائیہ گونگی بہری بن کے کیمرے کی لائٹ کو دیکھنے لگی۔

ہر چہرہ کھلا ہوا تھا۔ حویلی کے مکین پہلی خوشی پر بھرپور مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔ فائزہ بیٹے بہو کی بلائیں لیتے نہیں تھک رہی تھیں تو زمرد بیگم نظر بد سے بچانے کی دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ فریال لڑکیوں کے ساتھ ہنسی ٹھٹھول میں ساتھ دے رہی تھیں۔ عشال جہانگیر کے لیے یہ تقریب بڑی دلچسپی کا باعث بنی تھی۔ کیسے منٹوں میں چند سائن اور چند بول کے بعد کوئی اپنا بن بیٹھتا ہے۔

لڑکیاں دو ہی چیز تو مانگتی ہیں۔ ایک محبت دوسری پناہ اور وہ بھی اس شخص سے جو من پسند ہو اور جب نکاح کے نام پر یہ دونوں چیزیں من پسند شخص سے حاصل ہوں تو زندگی کے رنگ ہی جدا ہو جاتے ہیں۔ وہ بڑی محویت سے شاہ زرشمعون اور شنائیہ چودھری کو کیمروں کی روشنی میں دیکھ رہی تھی۔ دونوں ایک ساتھ اتنے اچھے لگ رہے تھے۔ اس کی نگاہ کسی کو کھوجنے لگی۔ فیملی فوٹو کی ہانک لگی اور ایک کے بعد سب باری باری تصویریں بنانے لگے۔ مہمان کافی حد تک کھانا کھا کر جا چکے تھے۔ زنانہ پورشن کی حرمت مجروح نا ہو اس سلسلے میں پہلے سے ارینج کیا ہوا پردہ کھول دیا گیا تھا تا کہ گھر کے مردوں کا داخلہ ممکن ہو سکے۔ سب موجود تھے حتیٰ کہ سگریٹ سلگاتے چودھری جہانگیر بھی حصہ بن گئے تھے مگر وہ بھیڑ میں کھڑی ہو کر

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

خود کو ان کی نگاہ سے پوشیدہ کر گئی۔

"کہاں ہو.....؟" جب کافی دیر وہ نظر نہیں آیا تو وہ اسے میسج کرنے سے خود کو روک نہ سکی۔ ساتھ ہی نظریں ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔ حویلی کے تمام اشخاص ہی موجود تھے۔ سوائے اس کے۔

"تمہارے پیچھے۔" فوراً جواب آیا۔ وہ بے ساختہ مڑی اور اسے اپنے پیچھے دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

"پیچھے کھڑے ہو کر کیا جاسوسی کر رہے ہو.....؟" ارد گرد موجود لوگوں کا خیال کرتے ہوئی اس نے دبی آواز میں پوچھا۔

"تمہارے لیے کنگن لایا تھا۔" غیر محسوس انداز میں دھیرے سے گویا ہوا تو عیشال جہانگیر کی آنکھیں اس کے ہاتھ کو دیکھ کر تحیر سے کھل گئیں۔

"ارے واہ.....! بڑی جلدی سیکھ گئے تم تو۔" وہ جھٹ کنگن تھام کر پہننے لگی۔

"اجی سیکھنا سکھانا کیا..... باہر پڑے ہوئے ملے تو سوچا تمہیں دے دوں تاکہ تمہارا رونا تو کم ہو۔" اس نے چڑایا۔ عیشال نے جھٹ کنگن پہن لیے تھے۔ اب ہاتھ سے نوچ کر اتارنے لگی کنگن تو اترے نہیں البتہ موتیا کے پھول نکل کر اس کے ہاتھ میں آ گئے تو اس نے وہی اس کے منہ پر دے مارے۔ وہ بے ساختہ مسکراہٹ چھپا گیا۔

"فضول انسان۔" وہ بے بے لفظوں میں اس کی شان میں قصیدہ پڑھ رہی تھی۔

بظاہر مجمع میں ان کی حرکات و سکنات کی طرف کوئی متوجہ نہیں تھا۔ سب کی نظریں اسٹیج کی طرف تھیں مگر زمین کی نظریں ان پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے ساتھ بیٹھی صبا بخت بیزار نظر آ رہی تھیں۔

"جانے کب یہ چونچلے ختم ہوں گے اور ہمیں ایئر پورٹ جانا نصیب ہوگا۔ بھلے ایئر پورٹ پر انتظار کر لیں۔ یہاں تو میرا دم گھٹ رہا ہے۔ مزارے سے لے کر کسان تک کو تو مدعو کر رکھا ہے۔ جیسے عام منادی کروا دی ہو ان لوگوں نے..... بندے کا کوئی اسٹیٹس ہوتا ہے۔ نکاح سے زیادہ تو مجھے لنگر کے لیے آنے والے لوگ لگے۔ دیکھا نہیں تھا۔ کیسے بھوکوں ننگوں کی طرح وہ غلیظ عورتیں کھانوں پر ٹوٹ پڑی تھیں۔" کلائی میں بندھی قیمتی گھڑی کو دیکھتے ہوئے صبا نے ناگواری سے ذکر کیا۔

"ایسے تھکنڈوں سے امیج بڑھتا ہے مام۔ حویلی والے دکھا رہے ہیں کہ ان کے دل میں کتنا درد ہے غریبوں کے لیے اور یہ کہ وہ کتنی اہمیت دیتے ہیں ان کم تر لوگوں کو..... ایویں تو سارا گاؤں حویلی والوں کے گن تو نہیں گاتا ناں..... داجان یا کسی تایا، چاچا کا اپنے ایریا سے کھڑا ہو کر سیاست میں قدم رکھنے کا موڈ تو نہیں ہے ناں.....؟ ہو سکتا ہے یہ اسی کی کڑی ہو۔" زمین بھی استہزایہ انداز میں گویا ہوئی۔ صبا اتفاق کرتی سر ہلا رہی تھیں، مگر زمین کی نظریں عیشال اور سمہان آفندی کی نوک جھونک پر الجھ گئی تھیں۔

سگریٹ کا دھواں اڑاتے جہانگیر خاصے الگ تھلگ گوشے میں بیٹھے سب کی کارروائی دیکھ رہے تھے۔ وہ جتنی دیر حویلی یا گاؤں میں رہتے تھے اعصابی تناؤ کی کیفیت میں گھر جاتے تھے۔ اس وقت بھی اسٹیج پر موجود منظر کو دیکھتے وہ کہیں دور چلے گئے تھے۔

اسٹیج پر سکڑی سمٹی بیٹھی صائقہ اور وہ بے زاری سے سب کے درمیان ایجاب و قبول کرتے ان کے دل میں کس قدر غصہ تھا یہ وہی جانتے تھے۔ خوشی صائقہ کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی اور وہ بھرے بیٹھے تھے۔

"ڈیڈ آپ سے بات کرنا تھی۔" جانے وہ ماضی میں کب تک کھوئے رہتے کہ ایشان جاہ کی آواز کے ساتھ انہیں



Digitized by Google

# آنگن کی چڑیا

بیٹیاں اللہ کی رحمت اور گھر کی رونق ہوتی ہیں، نازک وکومل جذبات کی حامل یہ بیٹیاں اپنی ذات میں ایک مکمل شخصیت ہوتی ہیں، آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ، جس کے کاندھوں پر نئی نسل کو پروان چڑھانے کی ذمہ داری ہے، ایک خاص سوچ اور زاویہ فکر رکھتا ہے۔ یہ حالات وواقعات سے متاثر بھی ہوتی ہیں اور ان پر اثر انداز بھی، ہم اپنی ان تمام قارئین کے لیے ایک نیا سلسلہ بعنوان ''آنگن کی چڑیا'' شروع کر رہے ہیں۔ جو ابھی زیر تعلیم ہیں اور کچھ کرنے کا جذبہ رکھتی ہیں۔ سوالات درج ذیل ہیں۔

۱:۔ کیا آپ کے گھر میں صنفی امتیاز (بیٹا، بیٹی میں فرق) برتا جاتا ہے، اگر ہاں تو کیا آپ اس پر احتجاج کرتی ہیں؟
۲:۔ اکثر گھرانوں میں لڑکیوں کا تعلیم حاصل کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے اس ضمن میں آپ کا کیا تجربہ ہے؟
۳:۔ آپ کے نزدیک علم حاصل کرنے کا کیا مقصد ہے؟ شخصیت کو سنوارنا، اچھے گھرانے میں شادی یا اچھی ملازمت کا حصول؟
۴:۔ کیا آپ خواتین کے ملازمت کرنے کے حق میں ہیں؟
۵:۔ آپ کے نزدیک روشن خیال اور لبرل ہونے کا کیا مطلب ہے؟
۶:۔ آپ اپنی مذہبی وثقافتی اقدار سے آگاہ ہیں، ان کی پیروی کرتی ہیں؟
خواتین کا پہلا فرض گھر گرہستی اور بچوں کی پرورش وتربیت ہے لیکن اپنی ذات میں وہ خود ایک مکمل انسان ہیں اس حوالے سے سوال ہے۔
۷:۔ آپ کا کیا خیال ہے لڑکیوں کو اپنے خواب پورے کرنے کا موقع ملنا چاہیے؟
۸:۔ زندگی گزارنے کے لیے آپ نے کیا اہداف مقرر کیے ہیں؟
۹:۔ گھر کے کاموں میں کس حد تک دلچسپی لیتی ہیں؟
۱۰:۔ کس رشتے سے سب سے زیادہ محبت ہے؟
۱۱:۔ سسرال کے حوالے سے آپ کی کیا توقعات وخدشات ہیں؟
۱۲:۔ کس طرح کے لوگوں سے دوستی کرتی ہیں؟
۱۳:۔ آپ ڈائجسٹ کیوں پڑھتی ہیں؟
۱۴:۔ کوئی یادگار شرارت؟
۱۵:۔ کس شخصیت یا واقعہ نے آپ کی شخصیت پر مثبت اثر ڈالا؟

www.urdutubes.com

انگلیوں پر سلگتی سگریٹ کی تپش محسوس ہوئی تو انہوں نے انگلیوں کو حرکت دے کر سگریٹ نیچے گرادی۔

"بالکل کرو۔" پلک جھپکتے وہ ماضی سے حال میں لوٹ آئے۔

"ماورا ایجی سے ملنے آپ یونیورسٹی گئے تھے؟"

"ہاں۔" سوال کرنے کے بعد اسے جیسے یقین تھا کہ جواب انکار میں ہوگا۔ سعید کو کوئی دھوکا ہوا ہوگا لیکن چودھری جہانگیر کے فوراً جواب نے اسے ایک ثانیے کو چپ کروادیا۔

"خیریت..... آپ جانتے ہیں اسے.....؟"

"جو لڑکی میرے بیٹے کو اسٹریس میں رکھے اسے جاننا تو ضروری ہے ناں....." چودھری جہانگیر کے جواب نے اس کے اندازے کی تسلی کروادی تھی۔

"کیا ضرورت تھی آپ کو اس سے ملنے یا بات کرنے کی؟ ڈیڈ وہ لڑکی بہت بدتمیز اور بدلحاظ ہے..... اس نے آپ سے کوئی مس بی ہیو تو نہیں کیا ناں.....؟" ایشان جاہ کو اپنی ہمدردی اور اس کا صاف جواب خوب یاد تھا۔

"بدتمیز تو خیر نہیں ہے لیکن ضرورت سے زیادہ بہادر اور خود پہ خاصا گھمنڈ ہے اسے..... گیا تو اسے سمجھانے تھا..... آفر بھی دی بیرون ملک تعلیم کی..... لیکن وہ الٹا مجھے چیلنج کرگئی کہ مقابلہ کریں..... چور راہ ڈھونڈ کر جیتنے کی کوشش..... ہار سے بدتر ہوگی' اس کے الفاظ تو مجھے ٹھیک سے یاد نہیں لیکن مفہوم کم و بیش یہی تھا۔" چودھری جہانگیر حافظے پر زور دیتے جواب دینے لگے۔

"اس نے یہ سب بکواس کی آپ سے.....؟" ایشان جاہ کا خون کھولنے لگا۔

"ہاں۔" انہوں نے اعتراف کیا۔

"آپ نے جواباً کچھ نہیں کہا.....؟" اسے حیرانی ہوئی۔

"کہہ تو بہت کچھ سکتا تھا اور اب بھی بہت کچھ کرسکتا ہوں لیکن چپ رہا' کیونکہ لڑکی کے لہجے میں جو گھمنڈ تھا مجھے اس نے خاموش کروادیا۔ ہم اسے جتنا جواب دیں..... طاقت و زور سے پیچھے دھکیل دیں۔ اس کا گھمنڈ نہیں ٹوٹے گا۔ اسی لیے خاموشی سے اس کا چیلنج قبول کرلیا..... اب تمہیں اپنی قابلیت سے اس کا گھمنڈ توڑنا ہے۔ اسے نیچا دکھا کر بتانا ہے کہ مقابلہ برابری کا ہوتا ہے۔ باقی رہی اس کی جسارت اور مجھے چیلنج کرنے کی غلطی..... اس کے ساتھ مزید کیا کرنا ہے۔ اس کا فیصلہ تم مجھ پر چھوڑ دو..... وہ ساری زندگی تعلیم..... نوکری اور گھر کے لیے خوار رہے گی' در در بھٹکے گی..... اسے اتنا تھکا دوں گا کہ وہ اس لمحے کو کوسے گی جب اس نے چودھری جہانگیر کو چیلنج کرنے کی غلطی کی....." چودھری جہانگیر کو ایک دم وہ منظر یاد آ گیا تھا۔ حجاب سے جھانکتی دو پُر اعتماد آنکھیں کس تنفر سے انہیں چیلنج کرگئی تھیں۔

ایشان جاہ کا پارہ یہ سب سن کر مزید چڑھنے لگا تھا۔ اس کی اتنی مجال کہ وہ چودھری جہانگیر کو اس کے لیے چیلنج کرگئی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ماوا ایجی کو تہس نہس کردے۔

❁......❁......❁......❁

اللہ اللہ کرکے تقریب کا اختتام ہوا اور مختلف گاڑیوں میں بھر کے ان سب کا قافلہ حویلی کی طرف بڑھنے لگا۔ سبحان آفندی نے عیشال جہانگیر پر خاص نظر رکھی ہوئی تھی کہ کہیں وہ پھر نہ "رہ" جائے۔ حویلی آتے ہی چودھری جہانگیر کی فیملی تو اپنا ساز و سامان لپیٹنے لگی۔

"یہ بھی کوئی آنا اور جانا ہوا.....؟" چودھری فیروز نے گلہ کیا۔

"صبح ہیڈ کوارٹر میں ایک اہم میٹنگ ہے۔ جانا ضروری ہے۔" چودھری جہانگیر مصروفیت بتا کر دامن بچا گئے تو کوئی



URDU TUBE
A HOUSE OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

کچھ نہ کہہ سکا۔ وہ سب جانے کی تیاری مکمل کیے سب سے مل رہے تھے۔ زمرد بیگم فریال اور فائزہ کو ان کے ساتھ کھانا باندھ کر دینے کی ہدایت کر گئی تھیں۔

ایشان جاہ بڑوں کے بعد سمہان آفندی اور شاہ زر شمعون سے مل کر دوبارہ آنے کا وعدہ کر رہا تھا۔ صبا سب سے ملی تھیں۔ سوائے عیشال جہانگیر کے جو لاتعلقی سے بیٹھی سینڈل کے اسٹریپ کھولنے کے ساتھ ایڑی پر موجود زخم کا معائنہ کرتی اس ماحول کا حصہ ہو کر بھی نہیں تھی۔

"کبھی کراچی آ کر ہمارے گھر کو بھی رونق بخشیں۔" سب سے مل کر نرمین سمہان آفندی کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ حویلی میں اس کی بے تعلقی تو کسی سے بھی نہیں تھی۔ سمہان سے بھی یہ اس کی پہلی بالمشافہ گفتگو تھی جس کا عکس سمہان آفندی کے چہرے پر بھی جھلملا رہا تھا۔

"جی ضرور.....؟" اس نے انکساری سے ہامی بھری۔ چودھری جہانگیر کی بیٹی ہونے کے ناتے اس سے سلام دعا ہی تھی۔

"آپ بھی دوبارہ تشریف لائیے گا۔" وہ بھی اخلاقاً مدعو کر گیا تو نرمین دلفریبی سے مسکرا دی۔

"پہلے تو نہیں لیکن آج سے گاؤں میں مجھے بہت اٹریکشن محسوس ہونے لگی ہے..... کوشش کروں گی جلد دوبارہ آ کر آپ کو میزبانی کا شرف بخشوں۔" اس کی اتنی سی چوڑی تقریر اور دلفریب انداز پہ سمہان آفندی جیسا لفظوں کا کھلاڑی ایک لمحے کو خاموش ضرور ہوا تھا۔ لفظوں کو پرکھنے کا گر اسے بہت اچھی طرح آتا تھا۔ کون سا لفظ کہاں سے آ رہا ہے اس حوالے سے اس کی بڑی معلومات تھی۔

"حویلی والے بڑے مہمان نواز ہیں۔ ہزار بار آئیں..... آپ کو افسوس کا موقع نہیں ملے گا۔" اپنی ذات کی طرف سے بات گھما کر وہ اسے حد دکھا گیا، لیکن سامنے بے باک نرمین تھی۔

"حویلی والوں کا تو نہیں لیکن آپ میزبان جیسے کا سوچیں کے تو آنے میں آسانی ہوگی..... ویسے آج آپ بڑے ہینڈسم لگ رہے تھے۔" نرمین اس کے کہنیوں تک فولڈ ہوئے آستین اور مضبوط کلائی میں بندھی گھڑی کو دیکھتے تعریف کر گئی۔

"آپ حویلی میں نہیں رہتیں۔ اس لیے یہاں کے ماحول اور انداز سے ناواقف ہیں..... حویلی میں اس بے باکی کو پسند نہیں کیا جاتا..... بہتر ہوگا کہ آئندہ احتیاط کریں۔" ایک سپاٹ نظر ڈال کر وہ پلٹ گیا۔ نرمین کو اس کا اندازہ سا لگا گیا تھا۔ اتفاق سے عیشال جہانگیر نے بھی یہ منظر بغور دیکھا تھا۔ برے منہ کے ساتھ سمہان آفندی کو پلٹ کر جاتے دیکھ کر اس کی نظروں میں نرمین کے لیے مزید کڑواہٹ آ گئی تھی۔

"مما..... جہانگیر چچا اور ان کی فیملی واپس کراچی جا رہی ہے ہم بھی چلیں؟" ثنائیہ چودھری دیا کے کان میں منمنائی۔

"ہاں کیوں نہیں تاکہ لوگوں کو بولنے کا موقع ملے۔ دلہن نکاح ہوتے ہی بھاگ گئی۔" کاٹ دار جملے اور دیا کی گھوری پر وہ منہ بسور کے رہ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁.....❁

"تمہیں کس بات کا خوف ہے.....؟ میرے ہوتے تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں..... بھاڑ میں جائے منگ ونگ..... سب کو تمہارا وجود قبول کرنا ہی ہوگا..... میں سب کو راضی کر کے ہی دم لوں گا..... ساری دنیا تمہیں چھوڑ سکتی ہے لیکن میں نہیں، خود کو اکیلا سمجھنا چھوڑ دو..... میں ہوں تمہارا اپنا..... پوری دنیا کو تمہارا بنا کر دکھاؤں گا۔" وہ جوش سے اعتبار دلا رہا تھا۔



Digitized by Google

"مجھ میں ہمت نہیں ہے سب کی نظریں باتیں برداشت کرنے کی..... سب مجھے مجرم سمجھ رہے ہیں۔" وہ معصوم بن کر آنسو بہا رہی تھی اور اس کا روہانسا لہجہ اسے مزید برگشتہ کر رہا تھا۔

"میں نے کہا ناں..... سب مان جائیں گے..... تمہاری خاطر میں سب کو چھوڑ دوں گا لیکن تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔"
آنسو پونچھ کر وہ ایک لمحے کو اسے دیکھنے لگی تھی۔

"تم اتنے سچے ہو اگر جو کبھی میں خود پیچھے ہٹ جاؤں؟" جانے کیوں وہ سوال کر گئی تھی۔ وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا تھا۔

"تم پہ زور زبردستی نہیں ہے..... تم پیچھے ہٹیں یا اپنی خوشی سے گئیں تو ساری عمر کا جوگ لے لوں گا..... سمجھ جاؤں گا میری محبت میں ہی کوئی کمی تھی۔ جو تم رک نہ سکیں لیکن اتنا جانتا ہوں مجھ سے بڑھ کے تمہیں کوئی اتنی محبت نہیں کر سکے گا..... جب بھی لگے کہ تمہیں میری ضرورت ہے..... بس ایک بار آواز دے دینا۔" دعویٰ کیا تھا ان کی آنکھوں سے موتی ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔ لفظ گنجلک تھے جو انہیں جکڑے جا رہے تھے۔

"جب بھی لگے کہ میری ضرورت ہے..... بس ایک بار آواز دے دینا۔" آخری جملے کی بازگشت بڑھنے لگی تھی۔ ساتھ ہی آنسوؤں کی روانی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک دم سے وہ چونک گئیں۔ یوں جیسے کوئی جھماکا ہوا ہو۔ ازل سے اپنی آگ میں جھلستے جیسے انہیں کنارہ نظر آنے لگا تھا۔ نجات کا کوئی سرا ہاتھ لگا تھا۔ وہ سرعت سے اٹھیں۔ ٹرنک کھول کر اس میں سے ڈائری نکال کر واپس اپنی جگہ پہ آ کر بیٹھ گئیں۔ یہ سارا کام انہوں نے بہت احتیاط سے کیا تھا۔ تاکہ سوئی ہوئی بیٹیوں کی نیند خراب نہ ہو..... بلیو کلر کا مدھم بلب ناکافی روشنی دے رہا تھا لیکن ان کے لیے اتنی روشنی ہی کافی تھی۔ ان کا ذہن بڑی تیزی سے سالوں کا سفر طے کر رہا تھا اور قلم بڑی روانی سے ڈائری کے صفحات پر رواں تھا۔ وقفے وقفے سے وہ انوشا اور ماورا کے چہروں کو بھی دیکھ رہی تھیں۔

"تم آج بھی اتنے ہی زور آور ہو..... اگر جو خبر ہو جاتی کہ مقابل کون ہے تو شاید تم جسارت نہ کرتے....." وہ استہزائیہ مسکراہٹ سجا گئیں۔ استہزاء کا یہ رنگ بھی اپنے لیے تھا۔ خود اذیتی سی خود اذیتی تھی۔

URDU TUBE
A HOUSE OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

❁ ❁ ❁ ❁

کمرے میں آتے ہی دوپٹا کھینچ کے اتارتے وہ واش روم کی طرف بھاگی۔ اسے ابکائی آ رہی تھی۔ ٹھنڈے پسینے آنے لگے تو وہ روم میں آ گئی۔ دیا بھی اس کے پیچھے چلی آئیں۔

"ٹھنڈے پسینے آ رہے ہیں..... فوڈ پوائزن ہو گیا ہے مجھے....." وہ بے دم سی ہو کر بیڈ پر گر گئی۔

"کچھ نہیں ہوا ہے وہم نا کرو..... اتنی ہیوی چیزیں پہننے اور زیادہ مٹھائی کھانے کی وجہ سے جی گھبرا رہا ہوگا۔ ایسے نہیں ہوتا فوڈ پوائزن..... سکنجبین لے کر آئی ہوں پی لو..... زبان کا ذائقہ بدل جائے گا۔ تمہیں عادت جو نہیں ہے اتنی مٹھائی کھانے کی۔" دیا نے سکنجبین کا گلاس تھمایا تو وہ غٹاغٹ پی گئی۔ دل ودماغ کو کچھ سکون ملا۔

"مجھے نہیں پتا..... ڈاکٹر کو بلائیں جلدی۔"

"بیٹا کیا ہو گیا ہے..... تمہاری ماں ڈاکٹر بیٹھی ہے۔" اس کے واویلا کرنے پر دیا کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا۔

"نہیں..... کوئی اور ڈاکٹر بلائیں..... مجھے باہر کے ڈاکٹر کو دکھانا ہے..... جلدی کریں۔ مجھے کچھ ہو جائے گا۔ بری طرح چکرا رہے ہیں۔ جانے شوگر ہائی ہو گئی ہے یا بی پی کے ساتھ میں بھی گر رہی ہوں۔" اس کے واویلا کرنے پر دیا کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔ وہ عجیب فضولیات بک رہی تھی۔ لامحالہ انہوں نے چودھری بخت کو کمرے میں آنے کے لیے کال کی۔ شنائیہ کی بہکی بہکی باتوں میں قدرے کمی آ گئی۔



Digitized by Google

”میری ڈاکٹری پہ شبہ ہے تو اپنے ابا کو چیک کروا دو۔“ دیا سر سہلانے لگیں۔

”نہیں...... باہر کے ڈاکٹر کو بلائیں۔“ اس کی نرالی منطق پہ دیا سر پکڑ کے رہ گئی تھیں۔

سب حویلی لوٹ آئے تھے۔ چودھری جہانگیر کی فیملی ایئر پورٹ کے لیے روانہ ہو چکی تھی۔ ان کی حفاظت کے خیال سے سبحان آفندی نے محافظوں کی گاڑی ساتھ کرنا چاہی لیکن چودھری جہانگیر کے انکار کے باعث وہ خاموش ہو گیا تھا۔

چائے کافی کا دور چل رہا تھا۔ مردوں کی بیٹھک لگ چکی تھی۔ لڑکیاں جیولری کپڑوں کو ترتیب سے رکھنے کے جتن میں سارا پھیلاوا پھیلائے تقریب پر بحث کر رہی تھیں۔

سبحان آفندی محافظ کے بلاوے پر باہر آیا تھا۔ ساری باتیں پھر سے دہرا کر وہ مزید چوکنا رہنے کی ہدایت دے رہا تھا۔ اچانک غائب ہو جانے والی جیپ کا سراغ بھی نہیں مل سکا تھا۔ مبادا وہ دوبارہ حملہ آور ہوتے۔

”حملہ...... جیپ...... کب ہوا یہ......؟ تو نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟“ جانے کب شاہ زرشمعون وہاں آ گیا تھا اور ان کی ساری باتیں سن کر وہ کئی سوال ایک ساتھ کر گیا۔ سبحان آفندی ایک لمحے کے لیے گڑبڑا گیا۔

”تمہاری خوشی خراب کرنا نہیں چاہتا تھا...... ناؤ ایوری تھنگ از انڈر کنٹرول...... بس تشویش ہے کہ اس اچانک غائب ہو جانے والی جیپ کی...... شوٹرز کی جیپ ذرا دیر کو گڑھے میں پھنسی تھی اور پھر غائب...... اتنی جلدی گاؤں سے جیپ کا نکلنا ممکن نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے جیپ گاؤں میں ہی موجود ہے اور گاؤں سے ہی کوئی پروٹیکٹ کر رہا ہے انہیں۔“ نشانہ باز کو جانے کا اشارہ کر کے اندر کی طرف قدم بڑھاتے سبحان آفندی نے شاہ زرشمعون کو بھی چلنے کا اشارہ کیا۔ اس کے کڑی سے کڑی جوڑنے پہ ساتھ چلتا شاہ زرشمعون بھی چونکا۔

”کون پروٹیکٹ کرے گا انہیں...... گجر کے حواری؟“ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ سبحان آفندی نے بھی اس کی سمت نگاہ کی۔

”ہو سکتا ہے...... تب ہی داخلی اور خارجی راستے کی نگرانی کا حکم دیا ہوا ہے...... اب گاؤں کا ایک ایک گھر تو چیک کرنے سے رہے......“ وہ لب سکیڑ گیا تو شاہ زرشمعون بھی سر ہلانے لگا۔

”خیر جو بھی ہے میں دیکھ لوں گا...... تم ٹینشن لے کر خوشی خراب نا کرو...... دم درود کرو...... بھابی بیگم کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔“ اس کا دھیان بٹانے کے لیے سبحان باتوں کا رخ ثنائیہ کی طرف موڑ گیا تو وہ سر جھٹک گیا۔

”شہری ماحول کے کمزور نازک لوگ...... جانے کیسے سروائیو کریں گے...... ایک چھینک مارنے پر کون ڈاکٹر کو بلانے بھاگے گا...... داجان نے بھی اینٹک پیس متھے مار دیا ہے۔“ وہ جھنجلا کر بولا تو سبحان آفندی کا قہقہہ بے ساختہ بلند ہوا تھا۔

”خوش ہے ناں......؟ اب تو کوئی شکایت نہیں؟“ چودھری حشمت پوتوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ تب ہی شاہ زرشمعون سے استفسار کیا۔

مردوں کی بیٹھک لگی ہوئی تھی جس میں وہ دونوں بھی شامل ہو گئے تھے۔ چودھری حشمت کے سوال پر سب کے چہروں پر مسکراہٹ پھیلی گئی تھی۔

”کیوں شرمندہ کر رہے ہیں داجان...... میری اتنی مجال کہ شکایت کروں......؟ مجھے تو ابھی تک افسوس ہے میری وجہ سے آپ کا دل دکھا۔“ وہ سر جھکا کر شرمساری سے گویا ہوا تو چودھری حشمت کا دل بڑا ہو گیا۔

”دکھ تو نہیں افسوس ہوا تھا لیکن جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہی ہوتا ہے تو فکر نہ کر...... خوش رہ۔“ چودھری حشمت ناصحانہ

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

انداز میں کہتے ساتھ بیٹھے پوتے کے سر پر ہاتھ پھیر گئے تو اس کے دل سے بھی قلق کچھ کم ہوا۔

''اور ہاں بھئی سمہان..... تم نے تو سارے انتظامات اعلا طریقے سے کر کے دل جیت لیا۔ تمہیں تو انعام سے نوازنا چاہیے.....'' اب کے چودھری حشمت کا رخ روشن سمہان آفندی کی طرف ہوا۔

''عزت افزائی کے لیے شکریہ داجان..... آپ کے تعریفی لفظ کسی انعام سے کم نہیں۔'' وہ کھلے چہرے کے ساتھ مسکرایا۔

''یہ بات تو ٹھیک کہی بابا جان آپ نے..... انتظامات' کھانا سب کچھ اے ون تھا' واقعی انعام تو بنتا ہے۔'' چودھری فیروز نے اپنا والٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''جتنے مرضی نکال لو۔'' کھلی پیش کش کی۔ چودھری اسفند بیٹے کی مدح سرائی پر اس کے شانے پر بازو پھیلا کر سینہ چوڑا کر گئے۔

''تایا جان شرمندہ کر رہے ہیں آپ سب۔'' وہ انکساری کا مظاہرہ کرنے لگا۔

''آج بڑے ہو گئے خود کے اکاؤنٹ میں پیسے ہیں تو جھجک رہے ہو..... یاد کرو جب ٹی شرٹ اور شارٹس میں چاکلیٹ کے پیسے مجھ سے لیتے تھے۔'' چودھری فیروز بچپن کا حوالہ دے گئے تو وہ کھل کر مسکرا دیا۔

''جتنا بھی بڑا ہو جاؤں' چاکلیٹ کے لیے پیسے تو آپ سے ہی لوں گا۔'' ان کا دل رکھنے کے لیے وہ والٹ سے ہزار کا نوٹ نکال کر والٹ ان کی طرف بڑھا گیا۔

''تم کیش انعام دو..... لیکن ہم تو سمہان آفندی کو منہ مانگا انعام دینے کا سوچ رہے ہیں..... بولو سمہان کیا چاہیے.....؟'' چودھری حشمت شاہ بن گئے تھے۔ وہ بے ساختہ چونکا۔ منہ مانگے انعام کا سن کر اس کے ذہن میں ایک ہی خیال آیا تھا۔ وہ ایسا کر سکتا تھا لیکن جانے اس کے منہ کھولنے کے بعد حالات کیا ہو جاتے' شاید یہ وقت مناسب نہیں تھا۔

''اگر ابھی سمجھ نہیں آ رہا تو کوئی بات نہیں..... بعد میں مانگ لینا..... ہم کون سا بھاگے جا رہے ہیں۔'' چودھری حشمت کی بات سے دل کو تقویت ملی۔

''سمہان کو تو آج دہرے انعام سے نوازیں داجان..... اس نے جانے کیا کچھ سنبھال رکھا تھا اور ماتھے پر شکن لائے بناء.....'' شاہ زر شمعون نے آج کی تازہ صورت حال ان سب کے گوش گزار کی۔ جسے سن کر تشویش کے ساتھ سب اسے سراہ بھی رہے تھے اور آگے کی منصوبہ بھی کر رہے تھے۔

حویلی میں سناٹے کا راج تھا۔

گو کہ سب کے ساتھ اس نے چائے پی لی تھی مگر دن بھر کی تھکن کا اثر زائل کرنے کے لیے ایک اور کپ کی طلب اسے کچن لے میں آئی تھی۔ کچن کے اندر کا سناٹا ظاہر کر رہا تھا کہ چائے نہیں ملے گی۔ وہ دہلیز سے ہی پلٹنے لگا تھا۔ جب ایک دم تیزی سے عیشال جہانگیر کچن سے برآمد ہوئی اور ٹکراؤ سے بچنے کے لیے اپنے قدموں کو بے ساختہ بریک لگائے۔ ورنہ تو اس کے ہاتھ میں موجود چائے کا مگ سامنے والے پر الٹ چکا ہوتا۔

''الٰہی خیر..... کیا شالیمار ایکسپریس بنی پھر رہی ہو' ابھی مجھ ننھی سی جان کو جلا کر مار دینا تھا تم نے..... پہلے ہی حیرت زدہ تھا کہ کیا کچن میں آسیب کا سایہ ہو گیا جو دور سے جلنے والی روشنی سامنے آنے پر اندھیرے میں بدل گئی تو کیسے.....؟'' اسے دیکھ کر دل کو تقویت ہوئی تھی۔ وہ بھی اس کی لمبی چوڑی تقریر پر قہر بار نظروں سے گھورنے لگی۔

''کیا ہر وقت کھانی پیتی رہتی ہو؟'' چمچہ بھر کر منہ میں ڈالتے وہ اسے منہ کھولنے پر مجبور کر گیا۔ مذاق اڑاتا لہجہ الگ جی



Digitized by Google

جلا گیا۔

''اور تم تو غالباً چلہ کاٹتے کاٹتے کچن میں چھاپہ مارتے ہونا..... بڑی فکر ہے حویلی کے راشن پانی کی۔'' وہ ساز و سامان لیے چڑھ دوڑی تو وہ ہاتھ سینے پر باندھ گیا۔

وہ معمول کے حلیے میں تھی۔ اورنج شارٹ شرٹ پہ ملٹی کلر کی گھیر دار شلوار پہ دوپٹا لیے جو شانوں سے ہوتا نیچے تک آ رہا تھا۔ میک اپ صاف ہو چکا تھا لیکن ابھی بھی ہلکے ہلکے رنگ جھلک دکھا رہے تھے۔

''اگر آپ نے اچھی طرح ریسرچ کر لی ہو تو راستہ دیں تاکہ میں تو نکلوں..... ایک تو رات کو کمرے سے نکلتے داجان کا چھاپہ اتنا ڈراتا ہے کہ حد نہیں۔'' مسلسل اپنی طرف دیکھنے پر چوٹ کر کے خدشہ ظاہر کرتی وہ دائیں بائیں بھی نظر ڈالنے لگی کہ کہیں واقعی داجان نہ آ جائیں۔ تسلی کر کے اس پر نظر جمائی۔ وہ ابھی تک جینز اور کرتے میں ملبوس تھا۔ کرتے پہ بڑی شکنیں کہنیوں تک فولڈ آستین شکن کی روداد سنا رہی تھی مگر چہرے پر ایک شکن تک نہ تھی۔

''ایسے کیسے جانے دوں..... پہلے میرے لیے بھی چائے بنا دو۔'' آرام سے فرمائش کر گیا۔

''پہلے آتے شرم آ رہی تھی اب میں دوبارہ کچن کی لائٹ جلا کر اپنی شامت بلاؤں۔'' وہ آہستہ آواز میں چلائی۔

''اپنے لیے بنا رہی تھیں تو اخلاقاً میرے لیے بھی بنا لیتیں ناں۔'' اس نرالی منطق پر وہ بھنویں سکیڑ کر گھورنے لگی۔

''مجھے کیا تمہارے فرشتوں نے پیغام دیا کہ جناب عزت مآب سمہان آفندی کو بوقت چائے کی طلب کچن تک کھینچ لائے گی؟'' اس بری طرح جل کے بولنے پہ اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا لیکن وقت نامناسب تھا۔ سو ہاتھ لبوں پہ رکھ کر اس نے قہقہے کو مسکراہٹ میں بدل دیا۔

''فرشتے نا سہی میں بذات خود آپ کو دست بدست پیغام دے رہا ہوں کہ محترمہ عیشال آپ جب کبھی وقت بے وقت اپنے لیے چائے بنائیں تو مجھ ناچیز کو بھی یاد رکھیں۔ فی الحال اس چائے کے لیے شکریہ.....'' اتنی سنجیدگی سے بولنے کے بعد وہ جس تیزی سے اس کے ہاتھ سے مگ لے کر سرعت سے پلٹ گیا وہ کئی لمحے بھونچکی کھڑی رہ گئی۔ نظر خالی ہاتھ پہ پڑی تو سمجھ آیا وہ کتنی چالاکی سے مگ اڑا لے گیا ہے۔

''سمہان.....!'' وہ دبی آواز سے چلائی۔

''رشین سیلڈ پہ گزارا کرو..... چائے پی کر تمہیں نیند نہیں آئے گی۔ صبح کالج بھی جانا ہے۔ شاباش کمرے میں جا کے سو جاؤ..... گڈ نائیٹ.....'' بنا مڑے وہ ہڑی جھنڈی دکھا گیا تو وہ پیر پٹخ کے رہ گئی تھی۔

صبح ناشتے کی میز پہ سب موجود تھے۔ لمبی سی میز پر انواع و اقسام کے اشتہا انگیز ناشتہ کے لوازمات وافر مقدار میں موجود تھے۔ چودھری بخت اور ان کی فیملی کو جانے کی تیاری کرتے دیکھ کر سب ہی گلہ کرنے لگے۔

''رات جہانگیر چلا گیا اور اب تم جانے کی نوید سنا رہے ہو۔ کیا حویلی میں اتنے ہی برے لوگ رہتے ہیں کہ تم شہری لوگ یہاں آتے ہی بھاگنے کی کرتے ہو؟'' چودھری حشمت دکھی انداز میں ناگواری کا اظہار کر گئے تو چودھری بخت شرمندہ سے ہو گئے۔

عورتیں، لڑکیاں بھی ان کے جانے کا سن کر اداس ہو گئی تھیں۔ ابھی تو ٹھیک سے سب شنائیہ کو چھیڑ بھی نہیں سکی تھیں اور وہ جانے کے لیے سامان باندھ رہی تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے بابا جان، میری اور دیا کی مصروفیت سے تو آپ واقف ہی ہیں۔ پھر بھی کئی دن رہ لیے کہ حویلی کی پہلی خوشی تھی۔ ہم آئے تو یہ سوچ کر تھے کہ دو بھائیوں کے بچوں کی خوشی میں شریک ہونا ہے، لیکن قسمت نے اس خوشی کو



Digitized by Google

ہمارے دامن میں ڈال دیا۔ یقین کریں رات ہسپتال کال کی تو خبر ملی روز کتنے ہی مریض اور ان کے رشتہ دار کال کر کے آنے کی راہ دیکھ رہے ہیں اور میں یہاں مزے کروں۔ یہ میرے پروفیشن کے ساتھ غداری ہوگی بابا جان۔'' چودھری بخت نرمی سے والد محترم کو سمجھا رہے تھے۔

ان سب کے جانے کا سن کر شاہ زر شمعون نے عین اپنے سامنے بیٹھی شنائیہ چودھری پر نظر ڈالی' حسب معمول یہاں سے جانے کی خوشی اس کے چہرے پر تھی۔ رشتہ بدلہ تھا تو دیکھنے کا انداز بھی بدل گیا تھا۔ شنائیہ چودھری نے نظروں کی تپش پر نگاہ اٹھائی اور اسے مسلسل اپنی طرف دیکھتے پا کر پلیٹ پر نظر جما دیں۔

''اگر تمہیں ہاسپٹل کے مریضوں اور ان کے اہل خانہ کی اتنی ہی فکر ہے تو بولو' تمہیں روکنے کو ہم خود مریض بن کر اسٹریچر پر لیٹ جاتے ہیں..... تب تو رک جاؤ گے ناں.....؟''

''استغفار' کیسی بات کر رہے ہیں بابا جان۔'' چودھری حشمت کے جلے انداز پر چودھری بخت کچھ پریشان سے ہوگئے۔ دیا کے چہرے پر بھی فکر مندی جھلکنے لگی۔

''عمر رسیدہ ہونے کے بعد انسان مزید وہمی ہو جاتا ہے۔ کیا پتا کون سا پل آخری ہچکی ثابت ہو۔ کم از کم دم نکلتے ہوئے اپنوں کا چہرہ تو نگاہوں کے سامنے ہو..... جانے تم اور جہانگیر ہمیں کس جرم کی سزا دے رہے ہو.....؟'' چودھری حشمت ناشتے سے ہاتھ کھینچ کر معمولی انداز میں کرسی پیچھے کر گئے۔ ماحول میں ایک دم سے خاموشی پھیل گئی تھی۔ چودھری بخت شرمساری سے اٹھ کر ان کے گھٹنے تھام گئے۔

''ایسی باتیں نا کریں بابا جان۔ مانتا ہوں' ہماری غلطی ہے جو آپ سے دور رہتے ہیں لیکن آپ تسلی رکھیں' میرے فیوچر پلان میں یہی ہے کہ گاؤں میں ہسپتال بنوا کر ہم ہمیشہ کے لیے واپس آ جائیں گے۔ یہیں حویلی میں آپ کے پاس رہیں گے.....'' چودھری بخت کے فیصلے اور چودھری حشمت کے انداز کو دیکھ کر دیا کے ساتھ فائزہ' فریال اور زمرد بیگم کی آنکھیں بھی نم ہوگئی تھیں۔

''سچ کہہ رہے ہو ناں.....؟'' چودھری حشمت نے بے یقینی سے پوچھا۔ چودھری بخت نے مسکراتے ہوئے ان کے گھٹنے پہ دباؤ ڈالتے اثبات میں سر ہلایا۔

''بس تو پھر فکر اور دیر کس بات کی۔ شاہ اور سمہان جلد ہسپتال کے لیے مناسب جگہ ڈھونڈ نکالیں گے اور اسفند اپنی آرکیٹیکٹ کی ڈگری کو ہسپتال کی تعمیر میں استعمال کرے گا۔ باقی ساز و سامان لانے کے لیے فیروز اور پوری حویلی موجود ہے۔ اس میں کیا مشکل ہے.....'' چودھری حشمت منٹوں میں سب طے کر گئے تو چودھری اسفند کے ساتھ چودھری فیروز کے چہرے بھی ان کے لوٹنے کی خبر پہ کھل اٹھے۔ شاہ اور سمہان نے بھی تائیدی انداز میں ساتھ دینے کی ہامی بھری تو چودھری بخت نے بھی ہتھیار ڈال دیے۔

''جیسے آپ کی مرضی' بھلے کل سے کام شروع کروا دیں۔ میں قائم ہوں اپنے فیصلے پہ لیکن ابھی خوش دلی سے ہمیں جانے کی اجازت دیجیے۔'' وہ عاجزی سے گویا ہوئے۔

''واپس آنے کی خبر دے کر تم نے دل خوش کر دیا..... خوشی سے جاؤ۔'' اس جذباتی ڈرامہ میں شنائیہ چودھری کو جانے کا معاملہ کھٹائی میں پڑتا لگ رہا تھا۔ چودھری بخت کا یہ فیصلہ جانے پہلے سے طے شدہ تھا یا دادا جان کی زور زبردستی نے کروایا تھا۔ وہ انجان تھی۔ فیصلہ سننے کے بعد تفکر نے آ لیا تھا کہ وہ سب مستقل حویلی شفٹ ہو جائیں گے۔ شہر میں رہتے تو ایک آس تو رہتی کہ کل کو شاہ زر شمعون سے لڑ بھڑ کے وہ واپس چلی جائے گی' لیکن اس فیصلے نے تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے تھے۔ آگے کیا کرنا تھا۔ یہ بعد کی بات تھی۔ ابھی تو یہاں سے جانے کی خوشی ہی بہت تھی۔



Digitized by Google

"شکریہ بابا جان....." چودھری بخت باپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتے اٹھ کھڑے ہوئے۔
"تم سب جانے کی تیاری کرو..... لیکن شنائیہ کو ہم روک رہے ہیں..... نکاح ہو گیا ہے..... کل کو رخصتی بھی ہونی ہے۔ ہم چاہتے ہیں ہماری پوتی حویلی میں رہ کے حویلی کے طور طریقوں کو پہلے ہی سمجھ لے تاکہ بعد میں مشکل نہ ہو....." چودھری حشمت کے فیصلے سے پانی پیتی شنائیہ کو اچھو لگ گیا۔ باقی سب کے چہرے کھل اٹھے تھے۔ عیشال جہانگیر نے مصروف انداز میں ایک نظر اٹھا کر اس کے ہونق چہرے کو دیکھا۔ سمہان نے مسکراہٹ روکی اور ساتھ ہی شاہ کو ٹہوکا دے گیا جو چودھری حشمت کے فیصلے پہ عش عش کر اٹھا تھا۔
چودھری بخت اور دیا ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ اس جذباتی منظر کے بعد انکار کر کے وہ انہیں دکھی کرنا نہیں چاہ رہے تھے۔
"ٹھیک ہے بابا جان..... جیسی آپ کی مرضی۔" اور شنائیہ کی آخری آس بھی دم توڑ گئی تھی۔ وہ دھندلی آنکھوں سے دیا کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جو نظر چرا رہی تھیں۔
"مجھے چھوڑ کے مت جاؤ....." اس کے خاموش لب دہائی دے رہے تھے۔ ماہم اس کا ہاتھ تھپکنے لگی۔
"چلو جی مستقبل قریب کا اندیشہ کے ڈاکٹر کے لیے ہم کہاں مارے مارے پھریں گے..... ہسپتال کے لیے زمین دیکھنے کا کام آج سے ہی شروع کر دیتے ہیں۔ میرے بھائی....." ناشتے سے فارغ ہو کر وہ لوگ نکل رہے تھے اور شنائیہ دیا سے لپٹ کر ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ ایسے میں شاہ زر شمعون کا دل جلانے والا جملہ سماعت کی نذر ہوا تو مزید جل بھن گئی۔
"غالباً لوگ رخصتی کی پریکٹس کر کے فیلنگ کرائمنگ کا اسٹیٹس اپ لوڈ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" اس کی سوجی آنکھوں اور گلابی ناک پہ استہزائیہ نظر ڈالتے شاہ زر شمعون براہ راست چوٹ کرنے لگے تھے۔
"کہاں تو لوگ حویلی آنے سے کتراتے تھے لیکن آئے..... کہاں نکاح سے انکاری تھے لیکن قبول ہے کہہ گئے..... اور اب بھاگنے کے دروازے بھی بند ہو گئے..... ہمدردی حاصل کرنے کے لیے جلدی سے پوسٹ لگائیں تاکہ میں بھی آ کر دکھی سا کمنٹ کر دوں....." جانے وہ کس بات کا بدلہ لے رہا تھا۔ شنائیہ بھی مشتعل ہو گئی۔
"منالیں جشن اپنی جیت کا..... میں بھی دیکھتی ہوں کب تک اس جیت کا خمار رہتا ہے..... بہت شوق ہے ناں مجھے حویلی میں رکھنے کا..... پورا کریں..... نفل پڑھیں، شکرانے کے..... لیکن یاد رہے..... اتنا عاجز کر دوں گی کہ خود شہر چھوڑنے جائیں گے....." وہ جس قدر خاموش تھی۔ وہ حاوی ہو رہا تھا۔ نا چاہتے ہوئے بھی نکاح کر کے اس کے اندر غصے کا آتش فشاں پہلے ہی پک رہا تھا اور اب اس کے طعنوں اور ہرزہ سرائی سے وہ پھٹ پڑی۔
شاہ زر شمعون کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔ وہ دوبدو جواب دے کر شاہ زر شمعون کو چیلنج کر گئی تھی۔
"ویٹ اینڈ سی۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہی تھی اور وہ لب بھینچے شرر بار نظروں سے دیکھتا رہ گیا تھا۔
(ان شاء اللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)


Digitized by Google

# نسیم صبح

شبانہ شوکت

"اللہ جی تو ہی تو....." بتول برتنوں کا ٹوکرا اٹھا کر کھڑی ہوئیں اور جھکے جھکے باورچی خانے تک پہنچتی ہوئی برتن رکھے اور ہاتھ دوپٹے سے پونچھتیں سیدھی ہوکر احسان صاحب کے پاس آبیٹھیں..... وہ حقہ گڑگڑا رہے تھے۔

"مجھے میر اریان بہت یاد آرہا ہے۔"

"ہاں تو آئے گا ہی دن بھی تو بڑے لگادیے اس نے اس بار۔" انہوں نے حقے کی نے سے منہ ہٹایا اور ان کی طرف دیکھا۔

"آہو..... کوئی امتحان دے رہا ہے ناں تو اس میں بہت دن لگ گئے۔" بتول نے ٹانگیں اوپر کرکے چوکڑی ماری۔ "نال نال نوکری تے نالے پڑھائیاں۔"

"اب چودھ (24) سال کا ہوگیا ہے۔ عبدالحفیظ پوچھ رہا تھا کب ارادہ ہے اسے دونوں کڑیوں کا ساتھ بیا کرنا ہے..... بڑی والی کے سسرالی دن مانگ رہے ہیں، دیر تو ہماری طرف سے ہے۔" احسان صاحب نے بتول کی طرف رخ پھیرا..... ان کے چہرے پر ایک مان بھری خوشی لہرائی جوان بیٹے کی ماں ہونے کا فخر جوان بیٹے کی شادی کی خوشی وہ دل سے مسکرائیں۔

"شہزادہ لگے گا میرا پتر دلہا بن کے اُچا گھبرو....."

"اس بار آئے تو رائے معلوم کرنا اس سے پھر کریں شادی اور اس طرف سے فارغ ہوجائیں۔" وہ پھر سے حقہ گڑگڑانے لگے۔

"نا..... اس کے کیا ارادے؟ اس نے کیا کہنا ہے، آپ دن باندھیں اور وہ دلہا بن جائے بس اور کیا کرنا ہے؟" بتول تو برا ہی مان گئیں..... ان کے ریان پر کوئی شک بھی کرے تو کیوں وہ کوئی ایسا ہے؟

"دیکھ ناں بھاگوان شہر میں رہتا ہے نوکری کرتا ہے پڑھتا ہے سارا دن لڑکیاں بھی اس کے ساتھ ہوتی ہیں جوان بچہ ہے، کوئی پسند بھی آسکتی ہے بندہ پوچھ کر تسلی تو کرلے ناں۔" انہوں نے رسان سے بیوی کو سمجھایا.....

بتول نے دل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

"ہائے میں مرگئی یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ ایسا نہیں ہوسکتا شریکو میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے ہم اگر ایسا ہوا تو۔"

"اسی لیے کہہ رہا ہوں پہلے پوچھ لے۔"

"اور پوچھنے پر اس نے ہاں کہہ دیا تو.....؟" بتول کے خدشے نے احسان صاحب کو بھی چپ کرادیا۔

"اب بولیں ناں اگر اس نے کہہ دیا ہاں ہے کوئی پسند تو پھر؟"

"اللہ نہ کرے۔" وہ زیرلب بولے۔ "تم یہ رہنے دو بس اسے بولو کہ ہم اس کی شادی طے کرنے لگے ہیں۔ خود ہی پتا چل جائے گا۔"

"اللہ خیر کرے بس اب وہ آئے تو۔" بتول نماز کے لیے اٹھ گئیں۔ احسان صاحب حقے کے کش لیتے گہری سوچ میں گم ہوچکے تھے۔

❀ ..... ❀

"یار گاڑی خراب ہوگئی ہے ورکشاپ لے کر جانی ہے۔" اس نے پریشانی سے گاڑی کی چابیاں سائیڈ ٹیبل پر پھینکیں۔ عروبہ کا موڈ خراب ہوگیا۔

"ایک کے بعد ایک مصیبت بندہ گھر آتا ہے سکون کے لیے..... مگر یہاں سکون کہاں ایک کے بعد ایک منحوس خبر منتظر ہوتی ہے۔" اس نے ہاتھ میں تھاما اخبار وہیں پٹخ دیا۔

اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔ عروبہ کا یہ ردعمل نیا نہیں تھا۔ کچھ عرصے سے وہ یونہی ری ایکٹ کرنے لگی تھی۔

URDU TUBE
www.urdutubes.com



Digitized by Google

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

بات بے بات جھنجھلانا، تلخ ہو جانا، تو وہی خاموشی اختیار کرلیتا تھا۔ ابھی بھی بڑبڑاتی ہوئی اپنا فون لے کر بیٹھ گئی..... اس کی بڑبڑاہٹ وہ سن چکا تھا۔

"ایک سے بڑھ کر ایک خرچا..... جب دیکھو کچھ نہ کچھ۔" وہ چند مہینوں سے بے روزگار تھا اور عروبہ کی تنخواہ سے گھر چل رہا تھا..... لیکن صرف یہ وجہ اس کے بڑبڑانے کا سبب نہیں تھی، وجہ کچھ اور تھی، لیکن اس کا کوئی حل نہیں تھا۔ گاڑی کا خرچا بھی پندرہ ہزار بتایا گیا تھا اس لیے عروبہ مزید بڑبڑ کررہی تھی، گاڑی تو بنوانی ہی تھی اس کے بغیر گزارہ بھی نہیں تھا۔

"کھانا کھانے کا کیا پروگرام ہے؟" اسے خاموش دیکھ کر اپنی تلخ کلامی کا احساس ہوا تو پوچھنے لگی۔ وہ اٹھ گیا۔

"میں فریش ہوکر آتا ہوں، تم لگاؤ۔" وہ فون رکھ کر کچن میں چلی گئی تھی۔

❁ ..... ☾ ..... ❁

"ماں صدقے ریان تو.....؟" بتول کمرے سے چائے کے کپ اٹھا کر لارہی تھیں کچن میں لے جانے کے لیے، ریان کو دیکھ کر ان کے ہاتھ سے کپ چھوٹتے چھوٹتے بچے۔ آج وہ انہیں کتنا یاد آرہا تھا۔ کتنی ہی بار اسے یاد کرکے ان کے آنسو چھلکے تھے اور کیسی طاقت تھی ان کی یاد میں کہ وہ اسے ان کے پاس لے بھی آئی تھی۔ وہ اسے لپٹائے چوم رہی تھیں۔

"میری جان..... میرا بیٹا۔" کچھ دیر کے لاڈ پیار کے بعد خیال آیا۔

"چل تو نہا دھو لے پھر کھانا کھالے، یہ موا لباس بدل کر شلوار قمیص پہن لے، سکون سے بیٹھ کر کھانا کھالینا۔" اس کے پینٹ شرٹ کو ناگواری سے دیکھا تو وہ ہنس دیا۔

نہا کر شلوار کرتا پہن کر آیا تو بتول اس کے لیے تازہ روٹی پکا چکی تھیں۔ پیاز اور ٹماٹر کاٹ کر سلاد کی شکل دی گئی اور گوشت کا شوربے والا سالن، ریان کو کھانا کھانے کا مزہ ہی آ گیا۔ وہاں شہر میں سب کچھ تھا لیکن امی جی کے ہاتھ



Digitized by Google

کا کھانا کہاں؟ بچپن سے جس ذائقے کا عادی تھا اس کے آگے بڑے بڑے ریسٹورنٹ کے کھانے بھی ہیچ لگتے تھے۔ کھانا کھا کر وہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔

''شام کو انڈوں کا حلوہ بنادوں گی' چائے کے ساتھ۔''

''جی امی جی۔'' اس نے ان کے ہاتھ تھام کر لبوں سے لگالیے۔

''آپ مجھے بہت یاد آتی ہیں امی جی' بہت زیادہ۔''

''ہاں تو آنا نہیں تھا' لے دس' ہاں ہوں تیری' فیر ہر ویلے میں تجھے یاد کرتی رہتی ہوں تو تجھے بھی تو میری یاد آنی ہی تھی۔''

کیسا تفاخر' کیسا مان تھا بتول کے لہجے میں...... ریان نے آنکھیں کھول کر ان کا فخر سے چمکتا چہرہ دیکھا اور مسکرادیا۔

''جی امی جی۔''

✿ ......☾...... ✿

نیوز اور کرنٹ افیئرز کے ڈائریکٹر مظہر سلیم نے اسے بلوایا تھا' وہ تیزی سے ان کے کمرے میں آیا۔

''جی سر۔''

''یار وہ فشریز پر ڈاکومنٹری تیار کرنی تھی تم نے' کراچی سے بھی ہو آئے پر مکھڑا نہیں دکھایا۔'' وہ خوش دلی سے بولے۔ وہ مسکرایا۔

''جی سر' بس کچھ ایڈیٹنگ رہتی تھی' رات وہ بھی کرلی' یہ لیجیے۔''

''واہ بھئی بلے بلے......'' انہوں نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ ''چل بیٹھ' اچھی سی چائے پیتے ہیں دونوں۔'' انہوں نے انٹرکام پر چائے کا آرڈر دیا' اتنے میں کوئی اندر آیا' مظہر صاحب کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہوگئے۔

''آج تو وڈے لوگ آئے ہیں جی' آئیں آئیں مس عروبہ۔'' بے اختیار اس کا سر بھی اسی طرف گھوما۔ دبلی پتلی' گندمی رنگت اور خوب صورت نقش ونگار کی وہ لڑکی اس نے پہلی بار دیکھی تھی۔ بلاشبہ بہت پرکشش اور خوب صورت لڑکی تھی' شاید ڈرامے کی ہیروئن وغیرہ اس نے سوچا۔

''یہ مس عروبہ ہیں' اناؤنسر ہیں اور یہ ریان احسان ہیں ہمارے پروڈیوسر۔'' مظہر صاحب کے تعارف پر اس لڑکی نے اسے دیکھا اور اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر جھٹ دوسری طرف دیکھنے لگی۔

ریان نے ہونٹ بھینچ کر مسکراہٹ دبائی' اس کی شخصیت ہرگز نظرانداز کرنے والی نہیں تھی' لمبا قد' مضبوط جسم' خوب صورت نقوش' خصوصاً بڑی بڑی براؤن آنکھوں کی کشش ہی الگ تھی۔ گھنے براؤن بال' گاؤں کی کھلی فضا میں خالص غذا کھا کے پروان چڑھا تھا۔ خوب صورت تو تھا ہی تعلیم اور ٹی وی کی جاب نے مزید نکھار دیا تھا' پورا ہیرو لگتا تھا۔ کئی بار اسے دوست پروڈیوسر اور ڈائریکٹر ڈرامے میں کام کرنے کا کہہ چکے تھے لیکن اس کی دلچسپی اس میں نہیں تھی۔ وہ مظہر صاحب سے اجازت لے کر اٹھ گیا۔ اچٹتی نظر اس لڑکی پر ڈالی...... وہ بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی...... نگاہ ملتے ہی ٹپٹا کر رخ پھیر لیا......

ریان مسکراتا ہوا باہر آگیا تھا۔ یہ اس کی اور عروبہ کی پہلی ملاقات تھی۔

✿ ......☾...... ✿

''ہور کا کا' اب کیا پروگرام ہے؟'' شام کو صحن میں سب کے ساتھ بیٹھ کر چائے پینے کا مزہ ہی آگیا۔ ہوا کے ٹھنڈے جھونکوں نے طبیعت ہشاش بشاش کردی تھی۔

جیسے ہی زہرہ برتن لے کر اندر گئی بابا نے اسے مخاطب کیا۔ وہ چونک گیا۔

''جی بابا...... کیسا پروگرام؟''

''وہ تیرے چاچا حفیظ کی بیٹی تہمینہ کب سے تیرے نام پر بیٹھی ہے' اب ثمینہ کے ساتھ ان کا ارادہ ہے تہمینہ کی شادی بھی ہوجائے' تو کب سے پڑھائیاں' پڑھائیاں کرتا رہا' اب تو امتحان ہوگیا ناں' اب ہم جا کر دن رکھ آئیں۔''

بابا کی بات سن کر ریان سے اگلا سانس لینا مشکل ہوگیا۔

''ابھی مجھے کوئی اچھی سی نوکری تو ملے۔''

''تمہاری نوکری سے نہ پہلے گھر چل رہا تھا نہ آگے

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

چلے گا' شادی کی تیاری بھی میں کرلوں گا...... تو بس اپنا دماغ تیار کر شادی کے لیے۔" انہوں نے بات کا اختتام ہلکے سے مزاح سے کیا لیکن وہ مسکرایا تک نہیں' گم صم سا انہیں دیکھتا رہا' ان کے اندر پہلی بار خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ اس عمر میں تو شادی و منگنی کی باتیں اتنی سہانی لگتی ہیں کہ خوامخواہ ہی لڑکوں کے چہرے پر مسکراہٹ آجاتی ہے اور وہ اچھا بھلا ہنستا مسکراتا لڑکا چپ ہوگیا تھا۔

"کی گل اے پتر؟"

"بابا' کیا ضروری ہے میں یہیں شادی کردوں؟" ریان کی بات تھی یا کوئی بم پھوٹا تھا' بتول تڑپ کر سیدھی ہوئیں۔

"بالکل ضروری ہے اور یہیں کرنی ہے' زبان کی بات ہے' دوسال سے تیرے نام پر بٹھا رکھی ہے اور اب تو پوچھ رہا ہے ضروری ہے؟" احسان صاحب کا پارہ چڑھ گیا تھا' وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہوگیا تھا۔ بتول نے بے چینی سے پوچھا۔

"تم نے یہ بات کیوں پوچھی ریان پتر؟"

"میں کسی اور سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے سر جھکا کر مؤدب ہوکر کہا' بتول تو کرنٹ کھا کر پیچھے ہوئیں' نیم دراز احسان صاحب بھی جھٹکے سے اٹھ بیٹھے۔

"کون ہے وہ؟"

"وہیں میرے ساتھ کام کرتی ہے۔" اس کی آواز ابھی بھی دھیمی تھی۔

"تو ٹی وی میں کام کرنے والی لڑکی اب میری بہو بنے گی' بے غیرت' بے حیا اور جو نیک شریف' عزت دار لڑکی کب سے تمہارے انتظار میں بیٹھی ہے وہ یونہی بیٹھی رہ جائے۔" ان کے منہ سے کف اڑنے لگا۔

"وہ بھی عزت والی اور نیک ہی ہے' ٹی وی پر اناؤنسر ہے' کوئی ناچ گانا تو نہیں کرتی۔" اس کی آواز دھیمی لیکن لہجہ بہت مضبوط تھا۔

"کیا کرتی ہے کیا نہیں' مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں' اس لیے تم پر بھروسہ کرکے تمہیں شہر پڑھنے بھیجا تھا' نوکری کرنے دی کہ تم اپنے لیے لڑکی پسند کرنے لگو اور اگر کر ہی لی تھی تو ہمیں بتادیتے ہم کہیں رشتہ نہ جوڑتے۔" احسان صاحب کا غصہ پل پل بڑھ رہا تھا۔

"یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے بابا' کوئی شادی تو نہیں ہوگئی ناں؟"

"میرے لیے میری زبان ہی سب کچھ ہے' مجھے تو کب سے شک تھا کہ کہیں تو وہیں نہ کسی سے آنکھ مٹکا کرلے۔ یہ شہری لڑکیاں بڑی چلتر ہوتی ہیں گاؤں کے بھولے لڑکے پھنسانا کیا مشکل ہیں ان کے لیے۔ تہمینہ جیسی نیک' باحیا' پردہ دار لڑکی کیا ان کا مقابلہ کرے گی۔"

"آپ اتنا غصہ نہ کریں' اسے چھوڑیں اور جو تاریخ مناسب لگتی ہے وہ طے کردیں' کیسے نہیں کرے گا شادی' میں دیکھتی ہوں۔" بتول نے بڑے مان سے کہا اور ریان انہیں دیکھ کر خاموش ہوگیا' دل میں تو ابال اٹھ رہے تھے لیکن مصلحت تھی تو چپ رہا تھا۔

❁ ...... ☾ ...... ❁

"مجھے انعام صاحب کی نظریں ٹھیک نہیں لگتیں۔ مجھے ان کی نظروں سے بہت گھبراہٹ ہوتی ہے۔" عروبہ نے اسے بتایا' وہ چہرے سے ہی بہت پریشان نظر آرہی تھی' ریان کے اندر سے غیرت نے انگڑائی لی' وہ بھڑک اٹھا۔

"کیا ہے اس کی نظروں میں' مجھے بتاؤ' میں اس کی طبیعت نہ صاف کردوں تو مجھے کہنا' منحوس انسان' بیٹی جتنی لڑکی کو اس نظر سے دیکھتا ہے۔"

"نہیں پلیز ریان' میں یہ سب افورڈ نہیں کرسکتی' بہت مشکل سے یہ جاب لی ہے مجھے' حالات دن بہ دن مشکل ہورہے ہیں' میں بس جیسے تیسے یہ جاب کرتی رہوں ورنہ گھر میں اتنی پریشانی ہے کہ یہ نئی پریشانی کسی بڑی مصیبت کا سبب نہ بن جائے۔" وہ پیشانی دو انگلیوں سے مسلتی بہت پریشان لگ رہی تھی۔ ریان کے دل کو کچھ ہوا۔

"پریشان نہ ہوا کرو' پہلے ہی اپنی صحت دیکھو دن بہ دن

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

کمزور ہوتی جارہی ہو۔" عروبہ نے اسے دیکھا' وہ اس کے پاس کھڑا کتنا متفکر لگ رہا تھا۔ وہ بے اختیار مسکرادی۔اس کی محبت عروبہ کے لیے ایک سرمایہ تھی۔

وہ تین بہنیں تھیں' بھائی کوئی نہیں تھا۔اس کی امی کو کینسر تھا اور ابو شوگر اور دل کے مریض' بڑی دو بہنوں کی جیسے تیسے شادی کردی گئی تھی۔ان میں رواب آپی تو دوسرے شہر ہوتی تھیں جبکہ اریبہ سے شوہر سلمان بھائی دبئی میں ہوتے تھے اور اریبہ فی الحال انہی کے پاس تھی' گھر کے کام اور امی کی دیکھ بھال وہی کرتی تھی' عروبہ بھی ہر ممکن مدد کرتی لیکن زیادہ اریبہ ہی کرتی تھی' بڑی مشکل سے یہاں جاب لگی تھی تو ابو کی پینشن اور اس کی تنخواہ سے یہ مشکل ترین حالات گزر رہے تھے' بس اب انعام احسن نامی ڈائریکٹر کی معنی خیز باتیں' گندی نظریں اسے بہت ڈسٹرب کرنے لگی تھیں' پر وہ کیا کرتی' نہ اسکینڈل افورڈ کرسکتی تھی' نہ جاب چھوڑ سکتی تھی۔

❀.....◉.....❀

"یار تم چیک اپ کیوں نہیں کرواتیں' تین سال ہوگئے تمہاری شادی کو' اب کوئی تو رونق ہونی چاہیے ناں۔"

"دکھایا ہے کئی بار۔" عروبہ نے بے زاری سے جواب دیا' رمشہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"تم اتنی بے زار ہوچکی ہو' حالانکہ تمہاری پسند کی شادی ہے' کتنے سال تم نے اس بندے کا انتظار کیا' کتنی مصیبتیں اور پریشانیاں برداشت کیں اور اب تم..... تمہیں نہیں خواہش کہ تم دونوں کا ایک بچہ ہو' جو اس سونے گھر میں رونق لگائے' تم دونوں کا دل بہلائے۔"

"کیا ڈھنڈورا پیٹوں اس خواہش کا' ڈاکٹر کے پاس جاچکی ہوں' سب ٹیسٹ کروا چکی ہوں' سب کلیئر ہے' پھر بھی کوئی امید نہیں بندھ رہی تو اللہ کی مرضی ہے۔ میں کیا کرسکتی ہوں۔" وہ تھکی تھکی سی لگی' رمشہ نے اسے تھپکی دی۔

"اٹس اوکے' اللہ اچھی کرے گا' تم دعا کرو' میں بھی کروں گی۔"

"ریان کی جاب نہیں لگ رہی' بچہ کوئی ہے نہیں' یہ سب چیزیں پریشانی کا سبب ہیں لیکن پھر بھی کوشش کرتی ہوں کہ موڈ ٹھیک ہی رکھوں' ورنہ خوامخواہ کی چڑچڑاہٹ ہونے لگتی ہے۔"

"یہ چیز' یہی چیز میں تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ تمہارا رویہ کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا مجھے' انہوں نے تمہارے لیے بہت بڑی قربانی دی ہے۔ قدر کرو ان کی' اپنا رویہ ٹھیک کرو۔" وہ خاموش ہوگئی' پہلے مالی حالات خراب تھے' اب وہ اس کی اچھی جاب کی وجہ سے بہتر ہوئے تو یہ پریشانی' ریان نے اولاد نہ ہونے کا کبھی طعنہ دیا تھا نہ محرومی کا شکوہ کیا تھا لیکن عروبہ نے شاید اپنے اندر کہیں اس کمی کا احساس اتنی گہرائی میں اتار لیا تھا کہ اچھے خیالات تو نزدیک نہیں پھٹکتے تھے۔

❀.....◉.....❀

احسان صاحب نے اس کی شادی طے کردی' باوجود اس کے شدید احتجاج کے' وہ کس پریشانی کے ساتھ اپنی ہی شادی میں شریک ہوا تھا..... دل کہیں اور کسی کی آنسوؤں میں ڈوبی آنکھوں میں ڈوبا ہوا تھا' خالی دماغ کے ساتھ اس نے رسمیں بھگتائی تھیں۔

تہمینہ اس کی زندگی میں شامل ہوگئی تھی' جب وہ پندرہ دن بعد واپس اپنے چینل پر آیا تو عروبہ کو دیکھ کر اس کے قدم سست پڑ گئے۔ وہ خیر مقدمی انداز میں کھڑی ہوئی تھی۔

"السلام علیکم اور مبارک باد شادی کے لیے۔" لہجہ مضبوط کرنے کی پوری کوشش کے باوجود ہلکی سی لرزش تھی اور آنکھوں میں ٹوٹے ہوئے کانچ کی کرچیاں۔

ریان نے سختی سے لب بھینچ لیے تھے۔ایک لفظ کہے بغیر وہ وہاں سے اپنے آفس چلا گیا تھا۔یہ مرحلہ قیامت کا مرحلہ تھا' جس سے وہ ابھی گزرا تھا۔ دل پر منوں وزنی بوجھ آپڑا تھا۔ کیسے وہ روز اس کا سامنا کرے گا اور اس کو دیکھ کر' مل کر پھر وہ کس دل سے گاؤں جائے گا' کیسے تہمینہ


Digitized by Google

کو برداشت کرے گا' اف اس نے بال اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ کر بھینچ لیے تھے۔ کنپٹیاں پھٹتی محسوس ہورہی تھیں۔

"یہ چائے......" قریب ہی عروبہ کی آواز ابھری' وہ تڑپ کر مڑا' وہ چائے میز پر رکھتے ہوئے مسکرائی......وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ ہر دکھ اذیت' سے گزرتی وہ لڑکی کتنی بہادر تھی۔ ہلکی پھلکی باتیں کرتے وہ پھر سے پہلے کی طرح ہوگئے۔ جیسے نہ کوئی تہمینہ ان کی محبت کے درمیان میں آئی ہو نہ زندگی میں' جب وہ نارمل تھی پھر ریان کیوں نہ ہوتا...... دونوں کی محبت اپنی جگہ قائم تھی اور وقت کے ساتھ اس میں مزید گہرائی آتی رہی تھی۔

عروبہ کی امی کا انتقال ہوا تو ریان پوری طرح اس کے ساتھ اس کا دکھ بٹانے کو موجود رہا' اس کے بیمار والد نے اس کی منگنی خاندان کے ایک قابل لڑکے سے کردی اور تب پہلی بار عروبہ رو پڑی تھی۔

"میں کہیں اور...... کسی اور سے شادی نہیں کروں گی۔" وہ اسے دیکھتا رہا۔

"پھر کس سے کروگی؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔ اس نے اپنی بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا شکوہ گلہ دکھ کیا نہیں تھا ان بھیگی آنکھوں میں' ریان نے بے اختیار اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"عروبہ...... میری طرف دیکھو۔" وہ ٹشو سے آنکھیں پوچھنا چاہتی تھی لیکن ہاتھ تو ریان نے پکڑے ہوئے تھے۔ اس خاموش نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ ہوں' تم ایک تقسیم شدہ مرد کو قبول کرلوگی؟" کتنا وقت بیت جانے کے بعد بھی وہ سوال کررہا تھا اور سوال بھی کیا جس کا جواب بھی وہ جانتا تھا۔

"تم میرے لیے صرف ریان ہو...... اور بس۔"

"تو یہ منگنی؟" عروبہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے کسی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا' نہ تمہاری شادی سے نہ میری منگنی سے۔" وہ لڑکی ہوکر کتنی بہادر تھی' اس کی محبت میں ہر اعتراف کرچکی تھی کہ وہ ہر طرح کا قدم اس کے لیے اٹھانے کو تیار ہے تو وہ کیسے بزدلی دکھاتا' وہ پہلے تو عروبہ سے ہی اس کے لیے رشتے کی بات کرتا پھر آگے بڑھاتا' سو اس نے یہی کیا' لیکن انہی دنوں عروبہ کے ابو کا انتقال ہوگیا اور انعام صاحب نے اپنا بغض کے باعث اسے نوکری سے نکلوا کر ظاہر کیا......وہ شدید پریشانی کے دن تھے کہ ریان کے دوست نے ریڈیو پاکستان میں ایک بہترین ملازمت عروبہ کے لیے بتائی اور خوش قسمتی سے وہ منتخب بھی ہوگئی۔ گورنمنٹ جاب تھی' ساتھ ہی وہ ایف ایم پر بھی دو گھنٹے کا شو کرلیتی تھی۔

اس طرف سے سکون ہوا تو بہنوں اور بہنوئیوں کو اعتماد میں لیتے ہوئے اس نے انہیں ریان سے ملوایا اور سب کو سب کچھ بتا ہی تھا اس لیے ریان کو قبول کرلیا گیا۔ ان دونوں کا نکاح صرف عروبہ کے رشتے داروں کی موجودگی میں ہوا اور ریان اپنے فلیٹ سے عروبہ کے گھر شفٹ ہوگیا۔ دس دن یوں گزرے کہ دونوں کو ایک دوسرے کا ہوجانے کا یقین ہی نہیں آتا تھا۔

اس بار وہ کئی ہفتوں بعد بڑی مشکل سے گاؤں آیا تھا۔ سب اسے دیکھ کر حیران تھے' وہ اتنا صحت مند اور خوب صورت دکھائی دے رہا تھا کہ بتول اس کی بلائیں لیتی نہ تھکتی تھیں۔ تہمینہ کو وہ بدلا بدلا سا لگا تھا' سوچوں میں ڈوبا' خود بخود مسکراتا' بچوں سے اتنا لاڈ اور اتنا خوشگوار موڈ پہلے تو کبھی نہیں تھا۔ اس کے ساتھ البتہ ویسا ہی رویہ تھا گنی بندھی معمول کی گفتگو' نپے تلے الفاظ اور کسی معمول کی طرح نبھایا جانے والا تعلق اور بس' اس کے لیے کچھ بھی تبدیل نہیں ہوا تھا' لیکن وہ سارے کا سارا ہی تبدیل ہوچکا تھا۔ احسان صاحب نے بھی کئی بار اسے بغور دیکھا' وہ اتنا اچھا کیسے ہوگیا تھا۔ ورنہ جب سے تہمینہ سے شادی ہوئی تھی' گم صم رہتا تھا۔ بلانے پر ان کی طرف دیکھتا تو ایسی ویران آنکھیں کہ دیکھ کر دل ہول جاتا تھا' اب برسوں سے آیا ہوا تھا' آنکھیں جگمگا رہی تھیں اور ہونٹ بے سبب مسکرا رہے تھے۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

"چلو اللہ کرے ہنستا مسکراتا ہی رہے۔" انہوں نے وجوہات کی تلاش کا تردد چھوڑا اور بیٹے کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا کی۔

"ریان نے عروبہ سے شادی کرلی ہے اور اب وہیں اسی کے گھر میں رہتا ہے۔" معیز نے آگ لگائی۔ صدمہ، بے یقینی، دھوکا، وہ ان سب کیفیتوں سے گزر رہے تھے۔

"تو یہ کیا کہہ رہا ہے اور کس بنیاد پر؟" معیز کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ آئی جیسے انہوں نے بچگانہ بات کردی ہو۔

"وہ اب کچھ عرصے سے فلیٹ میں نہیں رہتا' میں نے پوچھا تو پہلے آئیں بائیں کرتا رہا پھر بتادیا...... اس کے ساتھ گاڑی میں آتا جاتا ہے' بہت خوش رہتا ہے' دونوں اکثر گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔" وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا لیکن ان کے کانوں میں سائیں سائیں ہورہی تھی دل کی دھڑکن اتنی تیز ہوچکی تھی کہ کوئی پل جاتا اور وہ پھٹ جاتا۔ اتنا بڑا دھوکا دیا تھا انہیں ریان نے' اتنا بڑا فریب' شادی کے بعد بھی وہ پوری طرح اس سے رابطے میں رہا' ملتا رہا اور اب اس سے شادی کرلی...... حد ہی ہوگئی تھی۔ وہ قہر بھری نظر بتول پر ڈال کر اندر کی طرف بڑھے تھے کہ تہمینہ کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ وہ پلر پر ہاتھ جمائے پھٹی پھٹی آنکھوں سے معیز کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا رنگ سفید تھا حتیٰ کہ وہ انگلیاں جن سے پلر تھام رکھا تھا وہ بھی سفید ہورہی تھیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"فکر نہ کر جیسے ایسا نہیں ہوسکتا اور اگر ایسا ہوچکا ہے تو اس کا بڑا سخت بھگتان بھرنا پڑے گا اسے' تیرے میرے ساتھ دھوکا کرکے سکھ کی سانس وہ بھی نہیں لے پائے گا۔" ان کی آواز میں گرج کے ساتھ ایک غراہٹ بھی تھی۔ بتول بھی صورت حال کی نزاکت دیکھ کر تیزی سے اس کے پاس آئیں۔

"چل میرا پتر...... تو اندر بچوں کے پاس جا' جو بھی ہے وہ ہم دیکھ لیں گے' وہ تیرا شوہر ہے' تیرے بچوں کا باپ وہ کہیں نہیں جاسکتا۔"

"میں ایسا بندوبست کروں گا اس کا کہ اس کا نام لینے سے بھی ڈرے گا۔" احسان صاحب کو اتنے اشتعال میں اس سے پہلے کب کسی نے دیکھا تھا' معیز بھی گھبرا گیا۔

"میں چلتا ہوں اب' امی انتظار کررہی ہوں گی۔" وہ چلا گیا۔ احسان صاحب بھی اپنے کمرے میں چلے گئے' وہ سب بھی خاموشی سے سونے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ نیند آتی یا نہیں لیکن اس پریشان کن ماحول میں اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔

"تمہاری امی کی طبیعت بہت خراب ہے' تمہیں بلا رہی ہیں۔ جلدا جاؤ۔" احسان صاحب کے فون نے اسے چونکا دیا تھا۔

"کیا ہوا امی جی کو' کیوں طبیعت خراب ہوئی؟"

"یونہی سر درد تھا' اب تو بخار ہی نہیں اترتا۔" ان کا لہجہ روکھا اور سرد تھا۔ اسے بے چینی ہوئی۔

"ڈاکٹر کو دکھایا آپ نے؟"

"ہاں' کہہ رہا تھا ٹائیفائیڈ کے ٹیسٹ کروالو۔" لہجہ ہنوز ویسا ہی سرد پتھریلا' امی جی کی بیماری سے ان کے لہجے میں جو تشویش ہونی چاہیے تھی وہ کیوں نہیں تھی' اس کے بجائے یہ سرد مہری' اس کا دل کھٹکا۔

"اچھا بابا میں آتا ہوں۔"

"کب؟"

"آج یا کل' بس چھٹی لوں اور نکلتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" بغیر الوداعی کلمات کے فون بند' ریان جو اللہ حافظ کہنا چاہ رہا تھا فون کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ بہت الجھا ہوا گھر آیا تو عروبہ آچکی تھی۔

"کیا بات ہے ریان' کوئی پریشانی ہے؟"

"ہاں بابا کا فون آیا تھا' بتارہے تھے کہ امی جی کی طبیعت بہت خراب ہے' مجھے بلارہی ہیں۔"

"اوہ...... اللہ رحم فرمائے' کب جاؤ گے۔"

"کل جاتا ہوں ان شاءاللہ۔" ریان کو بے نام سی بے


Digitized by Google

چینی ہو رہی تھی' کہیں کچھ غلط تھا' پر کیا؟ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا' بابا کا لہجہ' ان کی آواز کا پتھریلا پن..... اس نے سر گھما کر عروبہ کو دیکھا۔ وہ کچن میں مصروف تھی' ریان کی چھٹی حس الارم بجا رہی تھی' کہیں ان لوگوں کو اس کی اور عروبہ کی شادی کا علم تو نہیں ہو گیا؟ یہ کوئی ناممکن بات تو نہیں تھی کہ انہیں کبھی علم ہی نہ ہوتا' اس کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا' اسے ذہنی طور پر ہر قسم کے حالات کے لیے تیار ہو کر جانا تھا' کچھ بھی پیش آ سکتا تھا' اس نے خود کو نارمل کیا اور بیگ میں اپنا سامان رکھنے لگا تھا۔

❁ ..... ❁

وہ گاؤں پہنچا تو سب کے رویے میں واضح کھنچاؤ تھا' امی جی چپ چپ سی تھیں' بابا نے اسے اپنے پاس بلایا۔

"ہو رکی ہو رہا ہے؟" ان کا مخصوص جملہ۔ اس نے سر ہلایا۔

"جی بس وہی جاب۔"

"رہتے کہاں ہو آج کل؟" وہ اسے بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ ایک لمحے کو اس کا رنگ پھیکا پڑا۔

"وہ اسلام آباد میں دوست کے ساتھ ایک چھوٹا سا گھر شیئر کر کے رہ رہا ہوں۔"

"اچھا....." انہوں نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا۔ "نام کیا ہے اس دوست کا؟"

"آپ نہیں جانتے اسے۔ وہیں اسلام آباد کا ہی ہے۔"

"وہیں کا ہے اور کرائے کے گھر میں رہتا ہے۔" سادہ سا سوال تھا لیکن چبھتا ہوا۔

"نہیں' میں کرایہ اسے دیتا ہوں' اس کا اپنا گھر ہے۔" اس نے وضاحت دی۔

"اچھا دوست لڑکا ہے یا لڑکی؟" ان کا یہ سوال ہرگز سادہ نہ تھا' اس نے کرنٹ کھا کر ان کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب؟"

"کس کے ساتھ رہ رہے ہو تم اس گھر میں؟ اسی لڑکی کے ساتھ جس سے شادی کرنے کو بے چین پھرتے تھے اور اب سب کو دھوکا دے کر اس سے شادی کر کے وہیں رہ رہے ہو اور سمجھتے ہو کسی کو کچھ پتا نہیں چلے گا؟" ان کے لہجے میں برہمی چھلک رہی تھی۔ ریان کو خود پر قابو پانے میں کچھ دیر لگی تھی۔

"میں نے چھپ کر شادی نہیں کی' بس آپ کو بتایا نہیں۔"

"نہ بتانے کا مطلب غالباً چھپانا ہی ہوتا ہے۔" ان کے چبھتے ہوئے لہجے میں کتنا غضب تھا' وہ خاموش ہو گیا۔ وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے ایسا کر کے تم نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ تم ایسا سمجھنے میں تب تک حق بجانب تھے جب تک ہمیں علم نہیں تھا' اب دیکھو ہم کرتے کیا ہیں؟" ان کا لہجہ شعلے اگل رہا تھا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں سمجھا بابا' آپ خوامخواہ ناراض ہو رہے ہیں۔" اس نے صفائی دینے کی کوشش کی لیکن وہ مزید اشتعال میں آ گئے۔

"خوامخواہ..... پاگل ہوں میں؟"

"پلیز بابا آپ بات سمجھنے کی....."

"بس بچہ بس' صرف ایک فیصلہ کرنا ہے تمہیں' ابھی اور فوراً۔" اُن کے سخت بے لچک لہجے میں کی گئی فرمائش پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"اس لڑکی کو ابھی کے ابھی فارغ کرو۔" ان کا حکم تھا یا کوڑا' وہ تڑپ کر پیچھے ہٹا۔

"تو پھر تہمینہ کو طلاق دو' ابھی کے ابھی۔" دوسرا حکم پہلے سے بھی بڑھ کر' لہجہ میں تندی بھی تھی۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا' میں اسے کیوں طلاق دوں گا' وہ میرے بچوں کی ماں ہے' میں اسے چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"اتنا تمہیں خیال ہوتا بچوں کا تو اس منحوس سے شادی کا سوچتے بھی نہیں۔"

"میں نے بارہ سالوں سے اس کے علاوہ کچھ اور سوچا ہی نہیں۔" وہ بہت ہارے ہوئے لہجے میں بولا۔



Digitized by Google

"تو یہاں آٹھ سال سے اسے بے وقوف بنا رہے تھے۔" وہ غیظ و غضب سے اٹھ کھڑے ہوئے' وہ بھی اٹھ گیا۔

"نہیں بابا..... لیکن وہ بھی مجبور تھی۔ اس کے امی' ابو کا انتقال ہو گیا تھا اور وہ میرے علاوہ کسی اور سے شادی کے لیے رضامند نہیں تھی۔" اس نے صفائی پیش کی۔

"تمہیں یہ سب کیسے پتا' تم اس سے ملتے رہتے تھے ناں' اسی لیے ساری معلومات اور عشق کا اظہار کرتی رہی' یہ بے غیرت شہری لڑکیاں' انہیں یہ گاؤں کے دبے دبائے کاٹھ کے الو چاہیے ہوتے ہیں' جن پر حکمرانی کر کے وہ گھر اور نوکری دونوں چلاتی رہیں۔ اس کا تو میں حلیہ نہ بگاڑ دوں تو کہنا۔"

"آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے بابا' اس کی طرف کسی نے ٹیڑھی آنکھ سے بھی دیکھا تو اچھا نہ ہوگا۔" وہ بھی بپھرا' احسان صاحب نے زوردار تھپڑ اسے دے مارا۔

"بکواس کرتے ہو میرے آگے..... چھپ کر شادی رچا کر اب مجھے آنکھیں دکھاؤ گے۔" وہ سناٹے میں آ گیا۔

وہ تین ہی بہن بھائی تھے اور تینوں کو ماں باپ نے کبھی مارنا تو کیا جھڑکا تک نہ تھا اور اب جبکہ وہ دو بچوں کا باپ بن چکا تھا یہ تھپڑ؟ اس کا بایاں رخسار سرخ ہو گیا تھا۔ اس نے ناراضی سے انہیں دیکھا۔

"میں نے کوئی گناہ نہیں کیا..... شریعت بھی پسند کی شادی کی اجازت دیتی ہے' میں نے کر لی تو کیا برا کیا؟"

"واہ شریعت کی باتیں اور تیری زبان سے' جس نے جمعہ کی نماز بھی کبھی باقاعدگی سے نہیں پڑھی' وہ مجھے شریعت کے سبق پڑھائے گا' اپنے مطلب کے لیے اسلام کو جب چاہو' جہاں چاہو استعمال کر لو لیکن میں ان چیزوں سے بہلنے والا نہیں' آرام سے یہاں رہو اور فیصلہ کرو' کس کو رکھنا ہے' کس کو چھوڑنا ہے ورنہ پھر میں خود یہ فیصلہ کروں گا اور کسی غلط فہمی میں نہ رہنا' کہیں کوئی نرمی یا ڈھیل نہیں ملے گی۔" وہ تیزی سے کمرے سے باہر گئے اور اس کے سوچنے سمجھنے سے پہلے کھڑاک سے دروازہ بند کر کے لاک کرنے کی آواز آئی تو وہ چونک کر تیزی سے دروازے تک آیا اور ناب کھینچ کر گھمائی۔ وہ سچ مچ اسے بند کر گئے تھے' اس کا دماغ گھوم گیا۔ زور سے دروازے پر ہاتھ مارا۔

"دروازہ کھولیں۔" وہ چیخ کر بولا' لیکن دروازہ جوں کا توں بند' وہ زور زور سے دھڑ دھڑانے لگا لیکن باہر سب بہرے ہو چکے تھے' وہ خود ہی تھک کر واپس مسہری پر آ بیٹھا' سب کچھ اس کے اندازے سے بڑھ کر برا ثابت ہو رہا تھا۔ تہمینہ اور بچے اس کے سامنے نہیں آئے تھے' ورنہ اس کے گھر آتے ہی وہ اس سے لپٹ جاتے تھے اور ان کی معصوم صورتیں دیکھ کر وہ ساری تھکاوٹ بھول جاتا تھا اور آج غصے کے اظہار کے لیے انہیں اس سے ملوایا بھی نہیں گیا' وہ غصے سے لیٹ گیا پھر عروبہ کا خیال آیا تو فون جیب سے نکال کر دیکھا اور گہری سانس لی' اس کی پندرہ سے زیادہ مسڈ کالز اور بیس کے قریب ٹیکسٹ تھے۔ اس نے ٹیکسٹ کر کے اسے صورت حال سے آگاہ کیا' غالباً فون کے ہاتھ میں ہی تھا' فوراً شدید تشویش کا اظہار کیا۔ ریان نے اسے تسلی دی اور فون رکھ کر اگلا لائحہ عمل سوچنے لگا۔ فون' والٹ' گاڑی کی چابی سب کچھ جیبوں سے نکال کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور لیٹ گیا' سوچتے سوچتے کب آنکھ لگی پتا ہی نہیں چلا' نہ کھانے کا ہوش رہا نہ کسی نے آ کر پوچھا۔

صبح آنکھ کھلی تو اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھا کر ٹائم دیکھنا چاہا تو یہ دیکھ کر دماغ بھک سے اڑ گیا کہ فون وہاں تھا ہی نہیں' وہ تیزی سے اٹھ کر ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگا تو انکشاف ہوا اس کا والٹ اور گاڑی کی چابی بھی وہاں نہیں تھے۔ یہ سب جان بوجھ کر اس کی نیند کا فائدہ اٹھا کر اسے بے بس کرنے کے لیے کیا گیا تھا اور وہ واقعی بے بس ہو گیا تھا۔ نہ کسی سے رابطہ کر سکتا تھا نہ کوئی اس سے..... وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ کہنے کو گاؤں کے سیدھے سادے لوگ اور عقل و دانش میں سیکرٹ سروس



Digitized by Google

والوں کو بھی پیچھے چھوڑا ہوا ہے' ایسی خاموشی سے سب کیا کہ وہ کوئی مزاحمت بھی نہ کر پایا تھا۔

رات کو بھی یونہی سو گیا تھا اور اب بھی ناشتہ نہیں کیا' نہ کسی نے آ کر پوچھا' بھوک' پیاس اور پریشانی' وہ پھر سے لیٹ گیا' رات تو تھکاوٹ سے پریشانی سے ذہن کام نہیں کر رہا تھا لیکن اب اسے اس مصیبت سے نکلنے کے لیے کوئی حل نکالنا تھا۔ اگر انسان کسی دشمن سے حالت جنگ میں ہو تو انتہا پر جا کر اس کے خلاف سوچنے اور منصوبے بنانے لگتا ہے پر یہاں تو اپنے ہی مدمقابل تھے۔ مقابلہ تو تھا ہی نہیں لیکن پسپائی بھی نہیں دکھانی تھی ورنہ عروبہ بننے دستبردار ہونا پڑتا اور یہ تو سانسوں سے دستبرداری کا سودا تھا' جو مر کر ہی طے پا سکتا تھا' آنکھوں پر بازو رکھے وہ سوچوں میں گم تھا کہ دروازہ کھلنے کی آواز پر بازو ہٹا کر دیکھا' بتول دروازے سے اندر آ رہی تھیں' وہ اٹھ بیٹھا۔

''امی جی۔'' انہوں نے پاس آ کر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''چل اٹھ نہا دھو لے' میں ناشتہ بنا رہی ہوں۔'' وہ اٹھ گیا' نہا کر کپڑے بدلے' ناشتہ کیا اور دو کپ چائے پی' خاصا فریش ہو کر اس نے کن انکھیوں سے اپنے اور تہمینہ کے کمرے کی طرف دیکھا' وہ بند تھا' یقیناً بچے بھی اندر ہی تھے۔ بتول اور زہرہ کچن میں تھیں' بہت چپ چپ اور پریشان' وہ ناشتہ کر کے کمرے میں آ گیا' اتنے میں باہر سے بہت سے لوگوں کی آوازیں آنے لگیں۔

''بھائی..... آپ کو بابا بلا رہے ہیں۔'' ثوبان اسے بلانے آیا۔ وہ اٹھ کر باہر آیا تو وہاں تہمینہ کے والدین اور بھائی' تایا کے ساتھ موجود تھے۔ تہمینہ بھی سوجی آنکھوں اور بگڑے موڈ کے ساتھ ان کے پاس بیٹھی تھی۔ اس نے مشترکہ سلام کیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ہاں صاحبزادے..... اب بتاؤ کیا ارادے ہیں؟ یہ سب لوگ تمہارے سامنے موجود ہیں' کھل کر بتاؤ جو بھی تمہارے دل میں ہے۔'' احسان صاحب کا لہجہ کڑوا اور کرخت تھا۔

''کچھ بھی نہیں ہے میرے دل میں۔'' اس نے بھی تلخی سے کہا۔

''زندگی اور دل میں ہر جگہ وہ لڑکی موجود ہے' تم یہاں سب کے سامنے فیصلہ کرو' کیا کرنا ہے' دونوں کو رکھنے والی بات نہیں کرنا' تہمینہ اتنی گئی گزری نہیں کہ سوکن کے ساتھ رہے۔''

''تو اس کے ساتھ نہ رہے' الگ رہے.....''

''بند کرو بکواس۔'' احسان صاحب اس کی بات کاٹ کر دھاڑے۔ ''ہمیں مشورہ نہ دو کہ کیسے رہے یا نہ رہے' ہماری بیٹی اور بہو ہے۔ ہماری ذمے داری ہے۔ تم نے چھپ کر شادی کر کے ثابت کر دیا کہ تم جھوٹے اور بے ایمان ہو۔ وہ لڑکی (گالی) اس انتظار میں رہی کہ کب اور کہاں موقع ملے اور وہ نقب لگائے' تم اس سے مسلسل رابطے میں رہے' اس کا حوصلہ بڑھاتے رہے اور نکاح تک لے آئے' کیا کام تھا تمہارا شادی کے بعد اس سے مسلسل رابطے میں رہنے کا؟'' احسان صاحب نے شدید غصے میں کہا۔

''آپ غلط بات کر رہے ہیں بابا' ایسا کچھ نہیں تھا' بس ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور عروبہ کہیں اور شادی کے لیے رضامند نہیں ہوئی' اب جب کہ اس کے ابو کی ڈیتھ بھی ہو گئی تو وہ بالکل اکیلی ہو گئی تھی.....''

''اور تم اس کے ابو کی جگہ پُر کرنے چلے گئے۔'' اس کی بات کاٹ کر انہوں نے زہریلے لہجے میں کہا۔ وہ لاحول پڑھ کر رہ گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

''میں تو احسان بھائی کی بھی غلطی مانتا ہوں اگر تم کسی اور کو پسند کرتے تھے تو یہ وہیں تمہاری شادی کرا دیتے میری بیٹی کو امتحان میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے کیا رشتے نہیں آ رہے تھے کہ زبردستی تمہیں راضی کیا گیا اور تم نے پھر بھی وہیں جا کر نکاح پڑھوایا جہاں تمہارا دل تھا۔ اب بھی تم اسی کے ساتھ رہنے کے لیے بضد ہو تو میری بیٹی کی کیا اہمیت ہے تمہاری زندگی میں؟'' چچا حنیف کو



Digitized by Google

جلال آیا' کسی بھی لڑکی کے باپ کو داماد کی دوسری شادی کی اطلاع ملے تو یہی کیفیت ہوتی ہوگی' جو اس وقت ان کی ہو رہی تھی۔

"میری بیوی ہے..... میرے بچوں کی ماں ہے....."

"بس' بچے بس۔" چچا حفیظ کو ایسے لگا جیسے اس نے کوئی سبق پڑھا ہو' وہ بھڑک اٹھے۔ پھر صحیح کا ہنگامہ ہوا وہاں' لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں' وہ ہر صورت عروبہ کی طلاق چاہتے تھے اور وہ ہرگز یہ کرنے والا نہیں تھا۔ دو دن اسے کسی نہ کسی طرح گھر میں محبوس رکھا گیا' چوتھے دن وہ موقع پا کر وہاں سے نکل گیا' بغیر کسی کو بتائے وہ ایسا غائب ہوا کہ سیدھا جا کر عروبہ کے پاس پہنچا' وہ اس کی طرف سے شدید پریشان تھی اسے سامنے پا کر خوشی سے رو پڑی مگر یہ خوشی بھی عارضی تھی۔

دوسرے دن صبح صبح دروازہ دھڑ دھڑایا گیا عروبہ نے دروازہ کھولا تو اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ریان بھی اس کے پیچھے آیا تھا اور صحیح معنوں میں اس کا رنگ اڑا تھا۔ وہ بابا' امی جی' تہمینہ اور اس کے دو بھائی تھے انہوں نے عروبہ کو برا بھلا کہتے ہوئے وہ ہنگامہ کیا' وہ شور مچایا' عروبہ کو مارا' پیٹا کہ برابر کے فلیٹوں سے لوگ نکل نکل کر ان کے فلیٹ میں آ گئے۔ جہاں ریان اکیلا ہی سب سے نمٹنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہا تھا' عروبہ نے کب یہ سب دیکھا تھا۔ وہ تو نیم بے ہوش ہو رہی تھی۔ سب سے زیادہ تہمینہ نے اسے مارا تھا۔ وہ بری طرح رو رہی تھی' اتنا سب کچھ کرنے کے بعد وہ لوگ وہیں اسی شہر میں مقیم اپنے رشتے دار کے گھر چلے گئے۔ ریان کو اپنے والدین پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ تہمینہ کے لیے' اپنے بیٹے کو یوں رسوا کر کے گئے تھے۔ سارے محلے کے سامنے ایسا تماشا لگا کر کہ وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا اور عروبہ..... اس نے پلٹ کر اسے دیکھا' وہ ابھی تک بری طرح سسک رہی تھی۔ وہ اس کے پاس آیا۔

"اٹھو عروبہ..... پلیز ہاتھ منہ دھو لو اور ڈریس بھی چینج کر لو' میں ایکسکیوز کرتا ہوں تم سے۔" عروبہ نے تڑپ کر اسے دیکھا' اس کی خاطر وہ اپنوں سے لڑا' ان سے مار کھاتا رہا' انہیں اس کی خاطر چھوڑ دیا' وہی اس سے معافی مانگ رہا تھا' وہ آگے بڑھ کر اس کے شانے سے لگ گئی اور مزید سسکنے لگی۔ ریان نے بہت محبت سے اسے سمیٹ لیا' اسے چپ کروا کر' جیسے تیسے وہ دن گزار کر ریان دوسرے دن صبح ہی صبح گھر کو تالا لگا کر اپنے دوست کے گھر شفٹ ہو گیا تھا۔

وہ سب یہیں تھے تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ دوبارہ نہ آتے' وہ عروبہ کو نفسیاتی و جسمانی ٹارچر کے ذریعے مغلوب کر دینا چاہتے تھے کہ وہ خود اس سے طلاق مانگ لے' وہ ان کا منصوبہ سمجھ گیا تھا' اس لیے اسے وہاں سے نکال لایا تھا لیکن یہ طریقہ بھی کامیاب نہیں ہوا' وہ ٹی وی اسٹیشن پہنچ گئے اتنے بڑے ٹی وی اسٹیشن پر سب کے سامنے اسے جس طرح برا بھلا کہا کہ وہ بھی تہذیب کھو بیٹھا۔ اچھی خاصی بدتمیزی کر ڈالی اور یہ سلسلہ رکا نہیں' وہ ہر پانچویں' چھٹے دن آنے لگے کہ مجبوراً انتظامیہ کو نوٹس لینا پڑا اور اسے نوکری سے فارغ کر دیا گیا۔

اذیت ناک دنوں کا ایک سلسلہ تھا جو مہینوں پر محیط ہونے لگا' عروبہ نے اپنا ٹرانسفر دوسرے شہر میں کروالیا اور دونوں وہاں چلے آئے۔ دن بیتنے لگے' زندگی میں سکون آنے لگا' اب یوں ہوتا عروبہ جاب پر چلی جاتی اور وہ سائیں سائیں کرتے گھر میں بولایا پھرتا' دونوں بیٹے اتنی شدت سے یاد آتے کہ وہ روپڑتا' کس آزمائش میں ڈال لیا تھا اس نے اپنے آپ کو' دھیان بٹانے کو ٹی وی دیکھتا' سوشل میڈیا پر لگا رہتا' سگریٹ بے تحاشا پینے لگا' جگہ جگہ جاب کے لیے اپلائی کرتا' وہ اپنا اعتماد بھی کھو رہا تھا' بچوں کی یاد شدت سے حملہ آور ہوتی تو محلے کے بچوں میں ٹافیاں' چاکلیٹس تقسیم کر کے ان کی خوشی سے محظوظ ہوتا۔

عروبہ تھکی ہوئی گھر آتی' کھانا پکاتی' دوسرے دن کے لیے کپڑے استری کرتی تو جھنجلا جاتی' اس کے رویے میں واضح تبدیلیاں آ رہی تھیں' ریان اسے اس کی تھکاوٹ پر محمول کرتا' وہ کتنا خودداری اور غصیلا تھا لیکن عروبہ کے



Digitized by Google

گناہ کی طرف اٹھایا گیا ایک قدم بھی تا عمر روح کو ملال میں رکھتا ہے پھر انسان لاکھ خود کو تاویلیں دے لیکن اسے سکون نہیں ملتا اسی ذہنی اور قلبی اذیت میں انسان کا وجود ڈولتا رہتا ہے نادیہ احمد کے قلم سے نکلی ایک ایسی ہی تحریر

# میرے دل کو کس کا ملال تھا

معاشرے کی تلخیوں سے روشناس کراتی ایک اچھوتی تحریر جس میں زندگی کے رنگ اور دکھ کے گہرے بادل بھی ہیں اور چھوٹی چھوٹی خوشیوں کی برکھا بھی

قارئین کی بھرپور فرمائش پر ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' کے بعد

نادیہ احمد ایک بار پھر اپنے منفرد انداز میں حاضر ہو رہی ہیں

## آنچل کے صفحات پر بہت جلد جلوہ افروز ہوگی

Digitized by Google

لیے اس نے خود کو بدل لیا تھا‘ جب وہ اکیلا رہتا تھا یا دوست کے ساتھ فلیٹ شیئر کرتا تھا تو خود ہی کھانا پکا لیتا تھا سو اب اس نے یہ کرنا شروع کر دیا کہ عروبہ کے آنے تک وہ کھانا پکا لیتا تھا‘ اس کے کپڑے بھی پریس کر دیتا‘ جس سے اس کا موڈ بھی بہتر رہتا‘ لیکن پھر بھی ایک نامحسوس سا تکھمانہ پن اور سرد مہری عروبہ کے مزاج کا حصہ بننے لگی تھی۔ وہ اگر ہرٹ ہوتا بھی تھا تو محسوس نہیں ہونے دیتا۔

زندگی اس طرح گزارنے کا تو سوچا بھی نہیں تھا لیکن خود بخود ایسی گزر رہی تھی‘ بوجھل‘ ماند‘ بے زار۔ اس کے کزن اسے بچوں کی تصاویر گاہے بگاہے بھیجتے رہتے‘ وہ انہیں دیکھ دیکھ چوم چوم کر تھک جاتا‘ دو دفعہ اس کی تہمینہ سے بات ہوئی جو اس کے کزن نے بڑی مشکل سے کروائی تھی لیکن وہ بہت پتھریلے لہجے میں بس یہی کہتی تھی جس کے پیچھے سب چھوڑ کر گئے ہو اسی کے ساتھ رہو، میرا خیال چھوڑ دو۔“ وہ جھلا جاتا۔

”ہونہہ مجھے بھی تمہارا نہیں اپنے بچوں کا خیال آتا ہے۔“ اور بس بات کا اختتام لڑائی‘ اب تو اس نے تنگ آ کر رابطہ کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

❀ ...... ❀

”امی جی میں گھر جا رہی ہوں‘ راشد بھائی آ رہے ہیں لینے۔“ یہ اطلاع تھی‘ اجازت نہیں‘ بتول نے گہری سانس لی۔ وہ اب یہی کرتی تھی۔ دو دن بمشکل سسرال میں رہ کر پانچ دن میکے میں رہتی تھی۔ کوئی اسے روک بھی نہیں سکتا تھا‘ جواز ہی کیا تھا اس کے یہاں رہنے کا‘ ریان کے لیے یہاں آنا ممنوع تھا‘ وہ بغیر شوہر کے ان کی خدمت کرنے کے لیے تو یہاں نہیں رہ سکتی تھی‘ دو دن بھی وہ اکتائی ہوئی اور بے زار سی رہتی۔ کئی بار وہ احسان صاحب سے کہہ چکی تھیں کہ وہ اپنے رویے میں نرمی لائیں اور ریان کو آنے دیں لیکن ان کا لہجہ اور رویہ بے لچک اور خشک تھا۔

”اسے طلاق دے اور یہاں آ جائے بس۔“

”دینے والا ہوتا تو دے چکا ہوتا‘ تین سال سے زیادہ ہو گئے وہ یہاں نہیں آیا‘ تہمینہ کا بدلتا رویہ آپ کے سامنے ہے‘ اس طرح میکے میں رہتی رہی تو...... خدانخواستہ اس کے میکے والے اس کی علیحدگی کا سوچ سکتے ہیں‘ اس کی دوسری شادی کا بھی سوچ سکتے ہیں۔ ایسی بنجر‘ ویران زندگی جو گزار رہی ہے‘ وہ اس کے ماں باپ کے کلیجے ساڑھ دیتی ہوگی‘ آپ یہ سب کیوں نہیں سوچتے۔“ وہ دبے دبے لفظوں میں انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ سمجھتے تو کیا خاک الٹا ان پر چڑھ دوڑتے۔

”بکواس کرتی ہے‘ الٹے سیدھے تکے مارتی رہتی ہے‘ بیٹھی مت والی عورت‘ بس بیٹے کو گھر بلانے کے لیے کیسے کیسے بہانے گھڑ رہی ہے۔“ بتول نے پھر سے کچھ کہنے کے لیے کھولنے والے کھلتے ہونٹ آپس میں بھینچ لیے تھے‘ احسان صاحب سے کچھ کہنا بھینس کے آگے بین بجانے جیسا تھا۔ اتنی ذہانت اور زمانہ شناسی کے ہوتے ہوئے بھی یہ شخص ناک تلے ہونے والے تباہ کن کھیل سے ناواقف تھا۔ ریان کا وہاں آنا کتنا ضروری ہو چکا تھا‘ احسان صاحب کی سمجھ میں آ کر نہیں دے رہا تھا۔

❀ ...... ❀

”یار ایسی کمال لڑکی ہے یہ‘ آفت ہے آفت‘ بلکہ قیامت۔“ راحیل نے ریان کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی‘ ریان نے بڑے انہماک سے اس لڑکی کو دیکھا جو سامنے اسٹیج پر تھرکتے ہوئے اسی کو دیکھ رہی تھی۔ ایک نیا پرائیویٹ چینل لانچ ہو رہا تھا‘ اسی کی طرف سے یہ فنکشن کروایا گیا تھا‘ دیگر مشروبات کے ساتھ ساتھ ممنوعہ مشروب بھی پیش کیا جا رہا تھا۔ ریان پہلے بھی کبھی کبھار پی لیا کرتا تھا اور اب بلاشبہ تیسرا جام چڑھا رہا تھا‘ کچھ ماحول کا اثر اور کچھ خمار‘ وہ مشروب کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا‘ پاؤں کو رقص کے انداز میں میوزک کی لے پر ہلکا ہلکا زمین پر بجاتا‘ پوری طرح اس لڑکی میں محو تھا بلکہ اسے ہر زاویے سے ناپ تول رہا تھا اور کچھ شک نہیں کہ وہ لڑکی بھی اس پر پوری طرح مر مٹی تھی۔ بہت خوب صورت رات تھی اور اس نے پوری طرح انجوائے بھی کی تھی۔ صبح ہو رہی تھی‘ جب وہ جانے کے لیے اٹھا۔

URDU TUBE
www.urdutubes.com



Digitized by Google

"میرا دل بالکل نہیں چاہ رہا کہ تم جاؤ۔" وہ مخمور آواز میں بولی۔

"تو میری جان میرا دل کب چاہ رہا ہے جانے کو لیکن جانا تو ہے، ملتے ہیں پھر رات میں۔" وہ دلکشی سے مسکرایا۔ ارمین نے دل تھام لیا...... بلا کا پُرکشش مرد تھا وہ۔ صبح کے چھ بجے جب وہ گھر پہنچا تو عروبہ نے مندی مندی آنکھوں سے اسے بیڈ پر لیٹتے دیکھا۔

"کہاں تھے رات بھر؟"

"پروڈکشن ہاؤس میں کام کرتے ہوئے یہ وقت ہوگیا۔" اس نے کروٹ بدل لی۔

"اچھا......" عروبہ پھر سے سوگئی۔ ایک زہر خند تبسم ریان کے ہونٹوں پر پھیل گیا تھا۔

⁂

"ریان بھائی کتنے بدلے بدلے سے لگ رہے ہیں ناں؟" رمشہ نے آہستگی سے عروبہ کو ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔ نظریں ابھی بھی ریان پر تھیں۔ تقریباً ہر اتوار کو یا وہ ان کے گھر آتی تھی یا وہ دونوں اس کے ہاں چلے جاتے تھے۔ کچھ عرصے سے ریان کتنا بجھا بجھا اور اداس نظر آتا تھا اور آج اس نے پھر چور نظر اس پر ڈالی' کھلا کھلا ریان' کتنے خوشگوار موڈ میں تھا۔ اتنا تیار ہونے کے بعد وہ پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت لگ رہا تھا۔ وہ باہر سے آیا تھا اور ابھی بھی فون پر کچھ ٹائپ کر رہا تھا' بے نیاز' لاپرواہ' وہ تو بالکل بدلا ہوا ریان تھا۔ بہت ہی تبدیل شدہ...... صرف شکل وہی تھی' باقی تو ہر طرح سے اجنبی۔

"ہاں کچھ دنوں سے ایسا ہی چینج لگ رہا ہے۔ غالباً کوئی خزانہ مل گیا ہے۔" عروبہ کی آواز میں تلخی کے ساتھ تشویش بھی تھی۔ یقیناً اس میں آنے والی تبدیلی وہ بھی محسوس کرچکی تھی اور اندر سے پریشان بھی تھی' رمشہ نے تفکر سے اسے دیکھا۔

"ان پر چیک رکھو کہاں جاتے ہیں' کہاں ٹائم اسپنڈ کرتے ہیں' کوئی اور تو زندگی میں رنگ بھرنے نہیں آ گئی' اتنے کیسے بدل سکتے ہیں آخر یا پھر پہلی والی سے کوئی صلح


aanchalpk.com
مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ
ماہنامہ
نئے اُفق
کراچی
...س سے بہتر تحریریں
ایسی کہانیاں جو اس سے قبل آپ نے نہیں پڑھی ہوں گی
مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زریں قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں
اس کے علاوہ
خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے
اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق
کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242




URDU TUBE
Digitized by Google

وغیرہ۔"

"نہیں ایسا تو کچھ نہیں ہے۔" عروبہ نے تردید کی۔ رمشہ نے دیکھا نکھرے کھلے ہوئے ریان کے سامنے وہ تھکی تھکی کتنی مرجھائی ہوئی دکھائی دے رہی تھی کہ رمشہ کے دل کو کچھ ہوا۔

"تم نے اس کا خیال رکھنا تو چھوڑا ہے اپنا بھی چھوڑ دیا' حلیہ دیکھا ہے اپنا۔" اس نے عروبہ کو آڑے ہاتھوں لیا۔

"پتا نہیں کب سے فیشل نہیں کروایا' بالوں کا حال سب سے خراب' اٹھو تم ابھی میرے ساتھ پارلر چل رہی ہو۔"

"دماغ خراب ہے' ابھی چل رہی ہو۔" اس نے بگڑ کر اس کی نقل اتاری۔ "اتنا اچھا کھانا پکایا ہے اتنی محنت کے بعد اور منہ اٹھا کر پارلر چل پڑوں' بیٹھو سکون سے کھانا کھالو پہلے۔"

"چلو لگاؤ کھانا' اس کے بعد پارلر چلتے ہیں' پھر کچھ وقت نکال کر تم اس طرف توجہ دو۔" آنکھ سے ریان کی طرف اشارہ کیا جو ابھی بھی فون پر مصروف تھا' ہونٹوں پر مچلتی مسکراہٹ' کبھی سمٹتی' کبھی پھیلتی مگر مستقل ہونٹوں پر بسیرا کیے ہوئے تھی۔ عروبہ نے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔ اندر مسلسل خطرے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ کھانے کے فوراً بعد رمشہ اسے پارلر لے آئی اور مغرب کے بعد جب وہ گھر آئی تو حلیہ سراسر تبدیل ہو چکا تھا۔ ریان نے اگر دیکھا بھی تو کوئی اہمیت نہیں دی۔ رات کو حسب معمول تیار ہو کر باہر جانے کے لیے دروازے کی سمت بڑھا تو اس نے پیچھے سے پکارا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" وہ ٹھٹک کر رکا۔ وہ تو اس کی بات کا جواب بھی بڑے تلخ اور روکھے لہجے میں دیا کرتی تھی۔ خود سے مخاطب کرنا تو کب کا چھوڑ چکی تھی۔ تو آج؟ اس نے حیرت و بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"خواجہ صاحب نے بلایا ہے' فکس پوائنٹ پر لٹیں بنانی ہیں۔"

"یہی کچھ کرواتے رہیں گے یا جاب بھی دیں گے؟" اس کا لہجہ اتنا نرم تھا کہ ریان کی حیرت مزید بڑھ گئی۔

"امید تو بہت ہے۔" اس نے پھر سے قدم بڑھائے۔

"تم روز رات کو وہاں چلے جاتے ہو' میں پیچھے کتنی اکیلی ہو جاتی ہوں' تمہیں میرا کوئی خیال نہیں۔" ریان کو لگا اس سے سننے میں غلطی ہوئی ہو' وہ بے یقینی سے مڑا' وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ کھلتے رنگ کے لباس میں روشن چہرہ' چمکتی آنکھوں اور بالوں کی رنگت و اسٹائل میں تبدیلی کے ساتھ اتنی پیاری اور پہلے والی محبت بھری عروبہ' وہ اپنی جگہ جم سا گیا' قدم زمین نے جکڑ لیے تھے وہ مسکراتی ہوئی قریب آئی۔

"آج منع کر دو خواجہ صاحب کو' میرا دل آج تم سے بہت سی باتیں کرنے کو چاہ رہا ہے۔" اور وہ فطرتاً برا تو نہیں تھا' بس کچھ بھٹکا ضرور تھا' لیکن وہی پرانی' پیار بھری عروبہ کو پا کر وہ سب بھول گیا' کچھ دن سے جس تعلق میں بندھا تھا' جس برائی کو اپنایا تھا' بڑی ہمت سے اسے ایک ہی جھٹکے سے توڑ بھی دیا۔ نفس نے اسے اکسایا تو بہت اور آزمایا بھی بہت مگر میر بڑی اچھی مٹی سے اٹھا تھا' سو مشکل سے سہی لیکن نفس پر قابو پا ہی لیا تھا۔ انعام میں اسے جاب مل گئی' وہ پھر سے ویسا ہی ہنستا' مسکراتا چنچلے چھوڑتا ریان بن گیا تھا۔ عروبہ اسے ہر طرح سے وقت دے رہی تھی۔ اس کے لیے بھی وہ دھچکا کافی ثابت ہوا تھا۔

اس دن وہ خواجہ صاحب کے پاس بیٹھا ضروری کام نمٹا رہا تھا کہ اس کے فون پر کال آنے لگی' نمبر دیکھ کر اس کے ہونٹ بھینچ گئے۔ خواجہ نے حیرت سے پہلے اسے پھر فون کو دیکھا۔

"اٹھاؤ ناں ریان' کس کا فون ہے؟"

"بابا کا ہے اور مجھے ہرگز اٹینڈ نہیں کرنا۔" اس نے قطعیت سے کہتے ہوئے فون جیب میں رکھ لیا۔

"بہت غلط حرکت ہے یہ ریان' ایسے کرتے ہیں والدین کے ساتھ؟"



Digitized by Google

"اور والدین کو ایسے کرنا چاہیے جو انہوں نے میرے ساتھ کیا؟" اس کے لہجے میں تلخی در آئی تھی۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتے رہے۔

"وہ اگر دقیانوسی سوچ کے ساتھ تمہارے ساتھ غلط رویہ رکھتے رہے تو تم روشن خیالی کا مظاہرہ کرو اپنا رویہ بہتر کرو اور ان کا فون ریسیو کر کے انہیں قائل کرو کہ وہ تمہیں تمہارے بچوں سے ملنے دیں۔ تہمینہ سے تعلقات بحال کرنے میں مددگار بنیں۔" وہ ریان سے اسے سمجھانے لگے۔ ریان نے کچھ عرصہ پہلے ہی انہیں اپنے حالات سے آگاہ کیا تھا۔ جس پر اس وقت تو وہ خاموش ہو گئے تھے لیکن اب اسے سمجھا رہے تھے۔

"ہونہہ...... مددگار۔" تنفر سے سر جھٹک کر وہ پھر سے اپنا کام کرنے لگا۔ خواجہ صاحب نے بھی مزید کچھ کہنا بے کار سمجھتے ہوئے مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی تھی۔

✿......☾......✿

"تم پنڈ آ جاؤ یہاں تمہاری بہت ضرورت ہے۔" نئے نمبر سے آنے والی کال اس نے ریسیو کی تو آگے سے بابا کی تھکی ہوئی آواز نے جو مژدہ جاں فزا سنایا اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

"میری کیا ضرورت پڑ گئی؟"

"تہمینہ اکھڑی اکھڑی رہتی ہے اور یہاں کے بجائے میکے میں رہتی ہے کہیں بچے وہاں کے عادی ہو گئے تو ہم تو خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔" ان کی آواز میں اندیشے بول رہے تھے۔ وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن مصلحتاً خاموش ہو گیا۔ اس نے عروبہ کو اپنے جانے کا بتایا تو وہ خاموش ہو گئی۔

"ریان...... تم بچوں میں کھو کر مجھے بھول تو نہیں جاؤ گے؟" ریان نے چونک کر اسے دیکھا اور بے اختیار اپنے ساتھ لگا لیا۔

"پاگل تو نہیں ہو گئی ہو تمہیں بھولنے کا تو کوئی تصور ہی نہیں میرے پاس۔" وہ اسے بہت سے دلاسے تسلیاں دے کر گاؤں روانہ ہو گیا تھا۔

تین سال بعد وہ گاؤں آیا تھا زہرہ کی شادی ہو چکی تھی اور ثوبان قریبی شہر میں جاب کر رہا تھا۔ تہمینہ وہیں تھی اور اتنے سالوں بعد بھی وہی خشک اور سرد رویہ بچے بڑے ہو گئے تھے ریان نے انہیں والہانہ لپٹایا۔ وہ دونوں بار بار ماں کا منہ دیکھتے رہے تھے۔

پھر سے پنچائیت لگی اور فیصلہ ہوا کہ وہ تہمینہ اور بچوں کو اپنے پاس لیکن عروبہ سے الگ گھر میں رکھے گا ان کے حقوق میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرے گا ورنہ وہ سخت فیصلہ لینے پر مجبور ہوں گے۔ ریان نے فوراً یہ فیصلہ قبول کر لیا۔ اسے بچوں کے لیے جتنا اور جس طرح تڑپا تھا وہ ان کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا وہ تو خود دل سے چاہتا تھا کہ بچوں کو اپنے پاس رکھ کر شہر کے بہترین اسکول میں داخل کروائے اس نے واپس آتے ہی ایک اچھا سا فلیٹ کرائے پر لیا اور ان تینوں کو لے آیا کئی دن وہ عروبہ کی طرف نہیں جا پایا لیکن فون پر رابطہ تھا سیٹنگ مکمل کر کے تہمینہ کو ایک ملازمہ فراہم کر کے اس نے اپنا سیٹ اپ بنا لیا تھا۔ ایک دن اس طرف تو دوسرے دن عروبہ کی طرف زندگی آہستہ آہستہ معمول پر آ رہی تھی۔

تہمینہ ابھی بھی اکھڑی رہتی لیکن ریان کو امید تھی کہ جس طرح اور معاملات نمٹ گئے سب صحیح ہو گیا وہ بھی ٹھیک ہو جائے گی...... اسے اپنے رب سے امید تھی کہ وہ اس پر مہربانی کرے گا اس کی یہ تکلیف بھی دور کر دے گا۔

اب بابا اور امی جی بھی آتے تھے اور امی جی اس سے اسی والہانہ پن سے ملتیں جیسے پہلے ملا کرتی تھیں۔ ریان کے اندر سکون پھیلتا جاتا تھا۔ بے شک رب بہت رحیم ہے بے شک وہ کسی پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

☾

URDU TUBE
www.urdutubes.com



Digitized by Google

# ہم یوں ملے

نظیر فاطمہ

غالیہ نے فائل فائنل کی اور پرنٹ کا آپشن دے کر لیپ ٹاپ کی اسکرین سے نظریں ہٹا کر اردگرد دیکھا۔ سب لنچ کے لیے جا چکے تھے۔ صرف وہی اپنی سیٹ پر موجود تھی۔ اسے یہ فائل لنچ ٹائم ختم ہونے سے پہلے پہلے جمع کروانا تھی۔ وہ اُٹھ کر پرنٹر تک گئی، پرنٹ آؤٹس اُٹھائے، احتیاط سے فائل میں لگائے اور فائل سائیڈ پر رکھ کر اطمینان بھرا سانس لیا۔

''اب میں سکون سے لنچ کروں گی۔'' اُس نے میز پر بکھری چیزوں کی ترتیب درست کی اور ہاتھ دھونے واش روم چلی گئی۔ واپس آ کر اس نے اس نے اپنا لنچ باکس میز پر رکھا۔ معاً اس کے موبائل پر کال آنے لگی۔ اس نے کال ریسیو کی۔

''السلام علیکم! میم۔''

''وعلیکم السلام جی؟''

''میم میں بینک سے محسن رضا بات کر رہا ہوں۔ ہمارا بینک کریڈٹ اور ویزا کارڈز آفر کر رہا ہے جو.....'' بینک کا نمائندہ اپنی مخصوص رفتار اور انداز میں شروع ہو چکا تھا۔ غالیہ کو قدرے کوفت ہوئی۔

''پلیز ایک منٹ..... اگر آپ پہلے یہ پوچھ لیا کریں کہ آپ یہ کارڈ بنوانا چاہتے ہیں یا نہیں۔ تو نہ صرف آپ کا ٹائم بچے گا بلکہ دوسروں کا وقت بھی ضائع نہیں ہوگا۔'' غالیہ نے خود پر قابو پا کر تحمل سے کہا۔

''جی..... تو آپ بتا دیجیے۔'' اُدھر سے فوراً فرض ادا کیا گیا۔

''تو ایسا ہے مسٹر..... کیا نام بتایا تھا آپ نے اپنا؟''

''محسن رضا۔''

''جی تو مسٹر محسن رضا..... میں فی الحال کسی قسم کا کارڈ بنوانے میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔''

''لیکن میم اس کے بہت فائدے ہیں..... کچھ چیزیں فری ہیں اور چیزوں پر ڈسکاؤنٹ بھی ہے۔'' وہ پیشہ وارانہ انداز میں اسے گھیرنے لگا۔

''دیکھیے میں نے آپ سے کہا ناں کہ مجھے نہیں بنوانا کارڈ۔ آپ ایسا کریں آپ مجھے اپنا نمبر میسج کر دیں اگر کبھی میرا ارادہ بنا تو میں آپ سے کانٹیکٹ کر لوں گی۔'' غالیہ نے جان چھڑانے کو کہہ دیا اور ساتھ ہی کال ڈسکنیکٹ کر دی۔ کچھ دیر بعد ہی میسج ٹون گنگنا اُٹھی۔ اس نے پھر موبائل نظروں کے سامنے کیا۔ محسن رضا نے اپنا نام اور موبائل نمبر بھیجا تھا۔

''ویری کوئیک۔'' غالیہ اس کی جلد بازی پر مسکرا دی۔

''اِن بے چاروں کا بھی کوئی قصور نہیں۔ ٹارگٹ پورا کرنے کے چکروں میں پڑے رہتے ہیں۔'' غالیہ نے موبائل رکھا اور لنچ کرنے لگی تھی۔

❁.....❁.....❁

''السلام علیکم! امی۔'' شام کو غالیہ گھر آئی تو امی کچن میں مصروف تھیں۔

''وعلیکم السلام! بیٹا..... جاؤ منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ، چائے تیار ہے۔ عائشہ اور تمہارے ابو بھی آتے ہوں گے۔'' نسرین نے مصروف سے انداز میں کہا تو غالیہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد عائشہ اور ابو بھی آ گئے تو سب نے چائے کے دوران دن بھر کی روداد سے بھی ایک دوسرے کو آگاہ کیا۔

نسرین اور خرم کی دو بیٹیاں غالیہ اور عائشہ تھیں۔ عائشہ ایم بی اے مارکیٹنگ کے بعد ایک

URDU TUBE
ENTERTAINMENT
www.urdutube.com



Digitized by Google

ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں کام کررہی تھی اور غالیہ ایم بی اے ایچ آر کے بعد شہر کی بڑی اور مشہور کمپنی کے ایچ آر میں کام کررہی تھی۔ نسرین اور خرم کی دونوں بیٹیاں بہت لائق فائق، ذہین اور رکھ رکھاؤ والی تھیں۔ انہیں اپنی ماں سے بڑھ کر اپنے باپ کی حمایت حاصل تھی۔ دونوں اپنے مسائل ماں سے زیادہ باپ سے ڈسکس کرتیں۔ دونوں اپنی تعلیم مکمل کرکے اپنا مستقبل بنا چکی تھیں۔ نسرین اور خرم ان کی شادی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ اللہ پر انہیں پورا توکل تھا کہ وہ ان کی بیٹیوں کے بخت روشن اور بلند کرے گا۔

✿......✿......✿

غالیہ آفس میں اپنے روٹین کے کاموں میں مصروف تھی۔ جب اس کا موبائل گنگنایا۔

''یس۔'' اس نے موبائل اُٹھا کر کان سے لگایا۔

''السلام علیکم! میم...... میں محسن رضا بات کررہا ہوں۔''

''میں نے پہچانا نہیں؟'' اس نے مصروف سے انداز میں پوچھا۔

''وہ میم...... میں بینک سے بات کررہا ہوں...... پچھلے ہفتے ہماری بات ہوئی تھی کریڈٹ اور ویزا کارڈز کے بارے میں۔'' اس نے اپنا تعارف کروایا۔

''جی...... جی...... ہاؤ آر یو محسن؟'' غالیہ کو یاد آیا تو اس نے اخلاق نبھایا۔

''آئی ایم فائن میم...... پھر آپ نے کارڈز کے بارے میں کیا سوچا؟'' وہ مطلب کی بات پر آیا۔

''وہ ایسا ہے محسن کہ مجھے فی الحال ان کارڈز کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' غالیہ نے نرمی سے انکار کیا۔

''میم...... میں نے کہا تھا کہ آپ کسی اور کو ریفر کردیں۔''

''میں نے کوشش کی تھی...... مگر کسی نے بھی انٹرسٹ شو نہیں کیا۔'' غالیہ کو اس کی آس توڑنا اچھا نہیں لگا۔

''میم...... پلیز آپ کارڈ بنوالیں...... بھلے استعمال نہ کریں...... پندرہ دن بعد کینسل کروادیں لیکن ابھی بنوالیں پلیز...... میری نوکری کا سوال ہے...... میرا ٹارگٹ پورا نہ ہوا تو میری نوکری چلی جائے گی۔'' وہ گڑگڑانے لگا۔ غالیہ سوچ میں پڑگئی پھر اس کی نوکری کا خیال کرتے کہنے لگی۔

''اچھا ٹھیک ہے میں بنوالیتی ہوں کارڈ......''

''شکریہ میم......''

''ایک بات سنیں...... آپ یہ نوکری چھوڑ دیں۔'' غالیہ نے مفت مشورہ دیا۔

''جی......؟'' اس کے لہجے میں حیرت در آئی۔

''وہ میرا مطلب ہے کہ آپ یہ منتوں ترلوں والی نوکری چھوڑیں اور اپنا بزنس شروع کریں...... جتنی



Digitized by Google

محنت یہاں کررہے ہیں اتنی اپنے کام میں کریں تو دنوں میں ترقی کر جائیں گے۔'' غالیہ نے اطمینان سے بات مکمل کی۔

''آپ کا شکریہ..... میں سوچوں گا اس بارے میں..... فی الحال آپ کارڈ بنوانے کا طریقہ سن لیں۔'' محسن رضا اسے تفصیل بتانے لگا جسے وہ بے دلی سے سن رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

''عارفہ یار ایک کام کرو تم بینک کا ویزا کارڈ بنوا لو۔'' لنچ کے دوران غالیہ نے اپنی کولیگ سے کہا تو اس نے اس بے موقع آفر پر اسے حیرت سے دیکھا۔

''کیا مطلب.....! میں کیوں بنوالوں؟''

''یار ایک بندہ ہے محسن رضا' بڑی خوشامد کررہا تھا کہ کارڈ بنوالیں۔'' غالیہ نے سینڈوچ کھانا شروع کیا۔

''چھوڑو بھی یار ایک دفعہ ان چکروں میں پڑ جاؤ تو بس ٹال دینا تھا اُسے۔ کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

''عارفہ بے چارے کا ٹارگٹ پورا نہ ہوا تو اس کی نوکری چلی جائے گی۔'' اس نے اپنے اردگرد سب ہی لوگوں کو کہہ کر دیکھ لیا مگر کوئی بھی کارڈ بنوانے پر راضی نہ ہوا۔ اُسے محسن رضا پر ترس آنے لگا تھا۔

❁.....❁.....❁

''السلام علیکم! میم۔'' اگلے روز پھر محسن رضا کی کال آگئی۔ غالیہ نے اپنے کارڈ بنوانے کی رضا مندی دینے کے ساتھ اس کی پریشانی دور کردی تھی۔

''بہت شکریہ میم..... بتایئے میں کب حاضر ہو جاؤں۔'' وہ خوش ہوا۔

''کل ایک بجے میرے آفس آجایئے گا۔'' اگلے روز ایک بجے محسن رضا آکر اس سے فارم وغیرہ فل کروا کر لے گیا تھا۔

''یار قسمت بھی ناں کیسے کیسے کھیل کھیلتی ہے..... اتنا اچھا ڈیشنگ بندا..... بے چارا اپنی نوکری کی خاطر کیسے منتیں کررہا ہے۔'' محسن رضا سے ملنے کے بعد غالیہ کا ترس اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔

''بس کردو غالیہ..... تم جیسے لوگ ہوتے ہیں جو آسانی سے اموشنلی بلیک میل ہو جاتے ہیں۔ سارا دن سو طرح کے بندوں سے واسطہ پڑتا ہے ان لوگوں کا..... سامنے والے کے بات کرنے کے انداز سے سمجھ جاتے ہیں کہ کس کو کیسے شیشے میں اُتارنا ہے۔'' عارفہ نے تنگ آکر غالیہ کی کلاس لے ڈالی۔

''اچھا ناں..... ڈانٹو تو مت..... میری نیت تو نیک ہی تھی ناں۔'' غالیہ اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔

❁.....❁.....❁

''بیگم..... حجاب بھابی کے بھائی وجاہت کو جانتی ہوناں؟''

''جی..... کسی زمانے میں آپ کی بڑی دوستی تھی اُن سے۔''

''ہاں بس پھر ہم کینیڈا چلے گئے تو نانو سب سے رابطہ بہت ہی کم ہوگیا۔'' خرم ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئے۔

''جی آخری بار اُن سے کوئی دو سال پہلے ملے تھے۔ جب ہم پاکستان واپس آئے تھے۔'' نسرین نے آواز دے کر خانساماں کو چائے لانے کا کہا۔

''پچھلے ہفتے حجاب بھابی کے گھر ملاقات ہوئی تھی تو اپنے گھر آنے پر بہت اصرار کررہے تھے۔ آج اُن کی کال آئی تھی ہفتے کو ڈنر پر انوائٹ کیا ہے اُنہوں نے۔''

''ٹھیک ہے چلیں گے۔''

''نسرین..... عائشہ اور غالیہ سے بھی کہنا تیار رہیں پرسوں..... وجاہت نے دونوں کو ساتھ لانے کی بہت تاکید کی ہے۔''

❁.....❁.....❁

''آیئے آیئے..... واہ بھئی ہماری بیٹیاں بھی آئی



Digitized by Google

ہیں۔'' وہ سب جاہت کے گھر پہنچے تو مسٹر اور مسز وجاہت نے ان کا پُر جوش استقبال کیا اور دونوں بچیوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

''دانیال یہ خرم صاحب ہیں۔ تمہاری حجاب پھوپو کے دیور ہیں...... یہ نسرین ہیں ان کی مسز اور یہ ان کی بیٹیاں عائشہ اور غالیہ۔'' وجاہت نے کھانے کی میز پر دانیال کا سب سے فرداً فرداً تعارف کروایا۔

''جی پاپا...... مجھے یاد پڑتا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے حجاب پھوپو کے گھر ان سے ملاقات ہوئی تھی۔'' دانیال نے عائشہ کو مسکراتی نظروں سے دیکھا۔

''وہ عمار کہاں ہے؟'' وجاہت نے دانیال سے اپنے چھوٹے بیٹے کے بارے میں پوچھا۔

''پاپا اُس کی کال آئی تھی...... وہ لیٹ آئے گا۔''

......❀❀❀......

ڈنر کے کوئی ایک مہینے بعد کی بات تھی کہ مسٹر اور مسز وجاہت حجاب بھابی کے ساتھ خرم کے ہاں آئے اور دانیال کے لیے عائشہ کا رشتہ مانگا۔ دانیال پڑھا لکھا، قابل اور شریف لڑکا تھا۔ سب سے بڑھ کر حجاب بھابی کے بھائی کا بیٹا تھا۔ سارا خاندان دیکھا بھالا تھا۔ عائشہ سے رضا مندی لے کر ان لوگوں کو ہاں کردی گئی۔

''یار بھائی، خود تو منگنی کی تیاری کر کے بیٹھ گئے ہیں میرے بارے میں بھی تو سوچیں...... میرا کیا ہوگا؟''

''تمہیں کس نے کہا تھا کہ سڑک چھاپ عاشقوں والا طریقہ اختیار کرو۔''

''توبہ کریں بھائی سڑک چھاپ عاشق اور میں...... اس کے گھر کا پتہ وغیرہ حاصل کرلیا ہے میں نے...... اب سیدھا رشتہ بھجواؤں گا......''

''اچھا اچھا...... اب چلنے کی تیاری کرو، تمہاری بات واپس آکر سنوں گا۔'' دانیال کف لنکس ٹھیک کرتا ہوا کمرے سے نکل گیا تو عمار منہ بنا کر رہ گیا۔


aanchalpk.com

مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ

ماہنامہ
نئے اُفق
کراچی

لفظ لفظ مہکاتی سطر سطر تجسس سے بھرپور تحریریں
ایسی کہانیاں جو اس سے قبل آپ نے نہیں پڑھی ہوں گی

مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زریں قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی
صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242





Digitized by Google

منگنی کی تقریب خرم کے گھر کے لان میں رکھی گئی تھی۔ صرف قریبی عزیز ہی شامل تھے۔ منگنی کی رسم کے لیے عائشہ کو دانیال کے برابر بٹھایا گیا۔ عمار خرم کے ساتھ کوئی بات کر رہا تھا جب اچانک وہاں غالیہ آئی۔

''پاپا..... وہ ماما کہہ رہی ہیں کہ.....'' عمار پر نظر پڑتے ہی وہ خاموش ہوگئی۔

''محسن رضا..... یہاں؟'' وہ زیرلب بڑبڑائی۔

''بیٹا! ان سے ملو یہ دانیال کے چھوٹے بھائی عمار ہیں۔''

''عمار.....؟'' غالیہ نے ناسمجھی سے عمار کو دیکھا۔ اس کے یوں دیکھنے پر وہ بوکھلا گیا۔

''انکل آپ ان کی بات سن لیں..... ہم بعد میں بات کرلیں گے۔'' عمار وہاں سے ہٹ گیا۔

منگنی کی رسم ہوگئی تو عائشہ اندر آ گئی تھی۔ جب عمار دانیال کے ساتھ بیٹھ کر اس کے کان میں کھسر پھسر کرنے لگا۔

''بھائی..... وہ لڑکی عائشہ کی بہن ہے۔'' عمار

''کون سی لڑکی؟'' دانیال نے ناسمجھی سے پوچھا۔

''وہی جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''تو.....؟''

''تو وہ یہ کہ..... وہ مجھے محسن رضا کے نام سے جانتی ہے۔''

''ہاں تو جاؤ بتا دو اُسے ساری حقیقت..... اب اس تک پہنچنا مشکل نہیں ہے۔'' دانیال نے زیرلب مسکرا کر کہا۔ عمار نے اُسے مصنوعی غصّے سے گھورا۔

''بھئی اب میں اس گھر کا بڑا داماد ہوں اور بڑے داماد کا گھر میں بڑا اثر ورسوخ ہوتا ہے۔ میرے سارے ووٹ تمہارے حق میں ہیں۔'' دانیال نے شرارت سے کہا تو عمار جل ہی گیا اور دانیال کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ عمار تپ کر اس کے برابر سے اُٹھ گیا۔

''مس غالیہ..... ایک منٹ میری بات سنیے پلیز۔'' عمار نے غالیہ کو گھر کے اندر جاتے دیکھا تو اس کے پیچھے آیا اور لاؤنج کے عین وسط میں اسے جالیا۔ غالیہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''جی..... مسٹر محسن رضا۔''

''محسن رضا نہیں..... عمار وجاہت ہوں.....''

''مگر مجھ سے تو آپ محسن رضا بن کر ہی ملے تھے ناں..... کیا ضرورت تھی جھوٹ بولنے کی اور معصوم بننے کی؟'' غالیہ کو جب سے عمار کے بارے میں معلوم ہوا تھا اُسے رہ رہ کر یہ خیال آ رہا تھا کہ وہ کتنی آسانی سے بے وقوف بن گئی تھی۔ سو اب کسی رعایت کے موڈ میں نہیں تھی۔ ایک غصیلی نظر اس پر ڈال کر وہ آگے بڑھ گئی۔

''پلیز ایک منٹ۔'' وہ پھر اس کے سامنے یوں جا کھڑا ہوا کہ اس کا راستہ رک گیا۔

''راستہ چھوڑیں میں جھوٹے اور دھوکے باز لوگوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔''

''بلکہ اللہ گواہ ہے کہ میں نے جو کچھ بھی کیا اس میں میری نیت غلط نہیں تھی۔''

''نیت کون دیکھتا ہے..... انسان اپنے عمل سے پہچانا جاتا ہے۔''

''اللہ دیکھتا ہے نیت..... میں نیک نیتی سے آپ کو اپنانا چاہتا ہوں..... شادی کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔'' عمار یک دم کہہ گیا۔

''جی.....!'' غالیہ کے منہ سے مارے حیرت کے بس یہی لفظ نکلا۔

''جی..... پچھلے دنوں ہمارے ایک سیلز ایگزیکٹو کی امی شدید بیمار تھیں۔ جس کی وجہ سے وہ کئی دن بینک نہیں آسکا۔ اس کا ٹارگٹ پورا نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ میں نے اُسے کہا کہ وہ اپنی ماں کی دیکھ بھال کرے..... ٹارگٹ کی فکر نہ کرے..... اس کا ٹارگٹ پورا کرنے کی ذمہ داری میں نے اپنے سر



Digitized by Google

لے لی....."

"اور آپ نے مجھے بے وقوف بنایا۔" غالیہ نے فوراً اس کی بات کاٹ دی۔

"بے وقوف نہیں بلکہ..... چلیں رہنے دیجیے....." عمار نے اسے مسکراتی نظروں سے دیکھا۔

"میں نے اسی سلسلے میں چند ایک کو کال کی اور آپ کی آواز سن کر میں نجانے کیوں سحر میں جکڑا گیا..... میں آپ سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈنے لگا..... اپنے دکھڑے رونے لگا تاکہ آپ سے زیادہ سے زیادہ بات کرسکوں..... ہے تو عجیب سی بات مگر آپ کی آواز اور باتیں سن کر میرے دل نے آپ کے ساتھ رشتہ جوڑ لیا۔ پھر میں نے آپ کو کارڈ بنوانے پر راضی کرلیا اور آپ کا فارم فل کرنے خود آپ کے پاس آیا تاکہ آپ کو دیکھ سکوں اور آپ کا پتہ نوٹ کرکے آپ کے گھر والوں تک رسائی حاصل کرسکوں۔"

"حد ہے جھوٹ کی..... بھلا آواز سن کر بھی کسی کے بارے میں رائے قائم کی جاسکتی ہے۔" غالیہ کو ذرا بھی یقین نہ آیا۔

"یقین کرلیں..... میں آپ کا پتہ نوٹ کرکے اپنے بھائی دانیال سے بضد تھا کہ وہ اس سلسلے میں میری مدد کریں۔ ان کی منگنی کے بعد ہمیں آپ کے گھر آنا تھا..... مگر مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کو ڈھونڈنے کی ضرورت ہی نہیں رہے گی بلکہ قدرت خود بخود مجھے آپ سے ملوادے گی۔" اس کی باتوں پر یقین نہ کرتے غالیہ نے سر جھٹکا۔

"پلیز میم..... آپ تو بہت اچھی ہیں..... کسی کی نوکری جانے کا سن کر پریشان ہوجاتی ہیں..... یہاں تو میری زندگی کا معاملہ ہے، اُمید ہے آپ یہاں بھی تعاون کریں گی۔" عمار نے اسی طرح کہا جس طرح وہ فون پر محسن رضا بن کر بات کرتا تھا۔ غالیہ اس کے انداز پر مسکرادی۔

"شکر ہے آپ کو میری بات پر یقین تو آیا۔"

"یہ کس نے کہا؟"

"آپ کی مسکراہٹ نے۔" غالیہ نے مسکراتے لب یک دم سکیڑے اور آگے بڑھ گئی۔

"میں اس یقین کے ساتھ ابھی اپنے والدین کو آپ کے والدین کے پاس بھیج دوں کہ آپ محسن رضا والا قصہ صرف خود تک رکھیں گی۔" اس نے ایک دفعہ پھر اس کا راستہ روکا۔ غالیہ نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا اور عمار "یاہو" کا نعرہ لگا کر باہر بھاگا تاکہ دانیال کو خوش خبری سنا سکے۔

پھر دانیال نے اپنے والدین سے محتاط الفاظ میں بات کرکے عمار کی پسندیدگی اُن تک پہنچادی۔ مسٹر اینڈ مسز وجاہت نے اُسی وقت خرم اور لسرین سے بات کی۔ اُنھیں بھلا کیا اعتراض ہوتا۔ وہ تو خوش تھے کہ ان کی دوسری بیٹی بھی اچھے اور قدر دان لوگوں میں جارہی تھی۔ سب سے بڑھ کر دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گی..... پھر دانیال کی جگہ عمار کو بٹھایا گیا اور غالیہ کو اس کے برابر بٹھادیا گیا۔

"ابھی تو ایمرجنسی میں یہی کرسکتی ہوں۔ یہ عمار ہے ہی ایسا ہر کام میں جلدی مچا دیتا ہے۔" مسز وجاہت نے اپنی انگلی سے انگوٹھی اُتار کر غالیہ کو پہنائی۔

"شکریہ میم..... آپ نے میری زندگی بچالی۔" عمار نے غالیہ کے کان میں سرگوشی کی تو اس کے لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ کیمرے کا فلیش چمکا، دانیال نے عمار اور غالیہ کے خوشی سے چمکتے چہروں کو تصویر کی صورت محفوظ کرلیا تھا۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT



Digitized by Google

# مسیحا زندہ ہے

شازیہ فاروق

ملک حیدر ایک سرکاری محکمے میں بطور چپڑاسی کام کرتے تھے' دمہ اور ٹی بی جیسی مہلک بیماریوں نے عین بڑھاپے کے وقت ایسا حملہ کیا کہ وہ ریٹائر ہو کر بستر نشین ہو گئے' ان کی ریٹائرمنٹ کے وقت ملنے والی رقم ان کے علاج و معالجے کی نذر ہو گئی تھی' ان کا بیٹا ملک زید حیدر جو ابھی میٹرک میں ہی تھا' اس نے گھر کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لے لی.....

ملک حیدر کا بیٹے کو کسی اعلیٰ عہدے پر فائز دیکھنے کا خواب ریزہ ریزہ ہو گیا' زید ایک مقامی اخبار کے دفتر سے اخباروں کے بنڈل اپنے والد کی سائیکل پر لادتا اور مختلف گھروں میں دے آتا۔ بعد میں وہ ایک فیکٹری میں کام کرنے چلا جاتا جہاں ماہانہ آٹھ ہزار روپے اسے دیے جاتے۔ زندگی نے اتنے جتن کے باوجود کسی بھی طریقے سے لفظ سہل کو جگہ نہ دی تو اس نے ایک بڑے ہوٹل میں برتن دھونے کا کام شروع کر دیا اس ڈیوٹی کو وہ رات کے وقت انجام دیتا۔ سحرش حیدر' زید حیدر کی چھوٹی بہن نے مڈل تک تعلیم حاصل کر کے سلائی کا کام سیکھا اور یہی کام کرنے لگی۔

چند سال پہلے ملک حیدر کے بڑے بھائی اور بھابی کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تھا' ان کی اکلوتی بیٹی ثمن کا نکاح زید حیدر سے ہو گیا' ثمن تین عدد بیٹیوں کی والدہ محترمہ کے عہدے پر فائز تھیں۔

نسیم حیدر اپنے بچوں کی خوشیوں کے لیے ہر دم دعا گو رہتی تھیں' وہ گھٹنوں کے درد میں مبتلا ہونے کے باوجود اپنی بیماری کسی پر آشکار نہیں کرتیں کیونکہ زید حیدر پہلے ہی اپنے بابا کی دوائیوں پر اپنی رقم خرچ کر رہا تھا۔

''ثمن..... کچھ چاہیے تمہیں؟'' زید حیدر نے اچانک اپنی شریک حیات سے پوچھا تو کپڑے استری کرتے ثمن کے ہاتھ چند پل کے لیے لرزے' وہ انجان بن کر پھر کپڑے استری کرنے لگی تو زید حیدر مسکرا کر رہ گیا۔

''تم سے پوچھ رہا ہوں.....'' زید حیدر نے ثمن کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت پاش نظروں سے دیکھا تو ثمن نفی میں سر ہلا گئی۔

''ایسے کیسے..... تم بتاؤ تو سہی۔'' زید حیدر کچھ ضدی لہجہ اپنا کر بولا تو ثمن دھیرے سے مسکرائی۔

''سحرش کو دیکھنے اگلے ماہ کچھ لوگ آ رہے ہیں تو..... ہو سکے تو ایک ڈنر سیٹ لے لیجیے گا۔ برتن خاصے پرانے ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ ایسی چھوٹی سی بات پر سحرش کو کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑے۔'' ثمن بولتے ہوئے جیسے کل میں پہنچ گئی جہاں شادی کے بعد اکثر لڑکیوں کو ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر طعنے دیے جاتے ہیں۔ زید حیدر نے وارفتگی سے ثمن کی چہرے کو دیکھا تھا۔

❁.....❁.....❁

''بیٹا..... ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی؟'' آج اتوار تھا اور زید حیدر اخبار گھر گھر پہنچا کر واپس آ چکا تھا۔ اسے بابا کی طبیعت پچھلے کچھ دنوں سے زیادہ بگڑی ہوئی لگ رہی تھی مگر..... پیٹ نے کبھی اجازت نہیں دی کہ ایک چھٹی ہی کر لے۔

''آپ غفلت کیسے برت سکتے ہیں؟ آپ کو معلوم ہے کہ انہیں ہر ہفتے چیک اپ کے لیے اسپتال لانا ضروری ہے' آپ نے انہیں نہ لا کر جو غلطی کی ہے اس کے نتیجے میں انہیں اسپتال میں ایڈمٹ کرنا پڑے گا۔'' ڈاکٹر حامد نے زید حیدر کو اپنے کمرے میں بلا کر بتایا تو زید حیدر سکتے میں آ گیا۔

ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ اس کی اماں انہیں ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق اسپتال نہیں لائی ہوں اگر اس کے پاس پیسے نہیں ہوتے تو سحرش دے دیتی مگر اب..... اس غفلت کے پیچھے کیا سبب تھا یہ تو زید حیدر کو بھی معلوم نہ تھا۔

''آپ کو میں چند روز کی مہلت دے سکتا ہوں' اس کے بعد..... میں ذمہ دار نہیں ہوں۔'' ڈاکٹر حامد کے جواب میں زید حیدر نے انہیں تشکر سے دیکھا تھا۔

❁.....❁.....❁

''بیٹا سحرش' پرانی طرز کے کپڑے سیتی ہے اور جدید دور کے کپڑوں نے اس کی سلائی کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ پچھلے دو ماہ سے تو کپڑے آئے ہی نہیں' میں نے بہت بار سوچا کہ سحرش کو سلائی کا کورس کر لینا چاہیے' بات پھر پیسے پر آ کر ختم ہوتی ہے کہ کورس کے لیے پیسے کہاں سے آئیں؟ میں جانتی ہوں سحرش کے جہیز کی لگ بھگ ساری تیاری ہو چکی ہے پھر بھی



Digitized by Google

''پیٹ بھرنے کے لیے تو محنت کرنی چاہیے ناں.....'' نسیم حیدر نے بیٹے کے سوال کے جواب میں جس حقیقت سے پردہ اٹھایا تھا اس کے بعد زید حیدر کے پاس اور کسی سوال کی گنجائش ہی نہ رہی تھی۔

اب ایسا بھی نہ تھا کہ سحرش بالکل پرانی طرز کے کپڑے سیتی تھی' فرق صرف اتنا تھا کہ اس کے پاس کسی ڈیزائنر کا لقب نہیں تھا اور آج کی جہاندیدہ خواتین کو ڈیزائنر سے کپڑے لینے کا چسکا بھی تو لگ چکا ہے جس نے نجانے کتنی مجبور درزنوں کے چولہوں کو ٹھنڈا کرا دیا ہے۔

ان کے پاس بیٹھ کر وہ مزید شرمندہ نہیں ہونا چاہتا تھا اس لیے جیسے ہی اس کی دونوں بڑی بیٹیاں' ندا اور فضہ دادا' دادی کے پاس آئیں تو وہ وہاں سے اٹھ کر صحن میں چلا آیا۔ چارپائی پر ٹانگیں پھیلائیں ہی تھیں کہ سوچوں کا لامتناہی سلسلہ پھر سے جڑ گیا۔

''آ گئے آپ.....؟'' زید حیدر کی سوچوں کی ڈور ٹوٹی تو اپنے سامنے مسکراتی ہوئی ثمن کو پایا' ایک زخمی سی مسکراہٹ زید حیدر کے وجیہہ چہرے پر پھیل گئی۔ زید حیدر نے اٹھ کر ثمن کے ہاتھوں سے اپنی چھوٹی بیٹی ہنزہ کو لیا اور اس کے ماتھے پر شفقت سے بوسہ دیا۔

''کیسی طبیعت ہے میری پیاری راج دلاری کی؟'' ہنزہ کو پچھلے چند دنوں سے بخار تھا۔

''اب بہتر ہے..... سنیے پچھلے دنوں آپ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ مجھے کیا چاہیے؟'' ثمن' زید حیدر کی اندرونی پریشانی کو جانے بنا پوچھنے لگی تو زید حیدر کو یک دم کئی خیالوں نے آن گھیرا۔

''کیا ثمن مجھ سے کچھ مانگنے والی ہے؟ کیا میں اس کو بتادوں کہ اب میں اس کی کسی خواہش کو پورا نہیں کرسکتا۔''

''سنیے.....''

''ہوں.....'' ایک بوجھل سانس زید حیدر نے فضا میں خارج کی۔

''بابا کو نئی شال کی ضرورت ہے۔'' زید حیدر کے ہاتھ میں ہنزہ کا نرم ہاتھ تھا' ثمن کی بات سن کر زید حیدر نے بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑا کر ثمن کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''بابا کی شال.....؟''

''ہاں..... مگر ابھی وہ قابل استعمال ہے۔'' ثمن کے دوہرانے پر زید حیدر نے الجھتے ہوئے جواب دیا' ثمن خفگی بھری نظروں سے گھورنے لگی۔

''میں نے بابا کی شال دیکھی ہے' ابھی وہ درست حالت میں ہے اور چند سال مزید چل.....''

''وہاں دیکھیے..... کیا لگتا ہے کتنے سال چلے گی؟'' ثمن کو اپنی بات کے جواب میں زید حیدر کا یوں اپنی ذمہ داریوں سے دامن چھڑانا اچھا نہ لگا اس لیے اس کی بات کاٹ کر خاصے طنزیہ انداز میں جواب دیتی اس کی توجہ اس جانب کرگئی جہاں سحرش تار پر ملک حیدر کی شال کو پھیلا چکی تھی۔ زید حیدر تاسف بھرے انداز میں شال کو تکنے لگا۔

''وہ آپ پر مزید بوجھ ڈالنا نہیں چاہتے اور آپ نے بھی کوشش ہی نہیں کی کہ گھر کے ابتر حالات جاننے کی۔'' ثمن نے شکوہ کیا۔

''میں..... اتنا بے خبر کیوں رہا؟'' زید حیدر کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں..... رہ رہ کر اپنی بے خبری پر ندامت ہو رہی تھی۔

زید حیدر نے آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے بابا کو



Digitized by Google

دیکھا‘ آج ان کے نحیف سے ہاتھوں میں گول ہرے موتیوں والی تسبیح نہ تھی مگران کے لب آج بھی رب کے حضور حمد وثناء میں مصروف تھے۔ اس نے ان کی دعائیں حسب معمول سمیٹ کرصبح کا آغاز کیا تھا۔

❁......❁......❁

”مسٹر زید...... آپ کو پتہ بھی ہے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“ زید حیدر ٹھٹھرتی ہوئی سردی میں گھر گھر اخبار ڈال کر اس وقت اخبار والوں کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی بات پر منیجر صاحب کے چہرے پر کئی رنگ آئے اور گزر گئے۔

”جی سر......“ مختصر جواب دے کر زید حیدر نے جھکے سر کو مزید جھکایا‘ مبادہ اس کی آنکھوں میں لکھی بے بسی کی تحریر کو نہ پڑھ لیا جائے‘ جس نے اسے آج اس موڑ پر لا کھڑا کیا تھا کہ بونس کے طور پر ملنے والی رقم اس کی ضرورت بن گئی تھی۔

”مسٹر زید...... آپ سالانہ بونس لیتے رہے ہیں لیکن اس سال نہ ملنے کی کئی وجوہات ہیں‘ ای میل اور انٹرنیٹ نے جہاں ہمارے کاروبار کو ٹھپ کیا وہیں اخبارات کی شہ سرخیاں بھی پیچھے نہ رہیں‘ مار دھاڑ‘ ڈکیتیاں‘ قتل اور بنت حوا کی مظلوم بیٹی کی داستانیں صبح صبح پڑھ کر آج کے لوگ اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتے‘ مہنگائی نے بھی تو کمر توڑ رکھی ہے لوگ اضافی خرچہ اخبار کی نذر کرنے سے کتراتے ہیں۔ صرف مطالعے کے شوقین لوگوں تک اخبار محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔“ منیجر صاحب کی باتیں سن کر زید حیدر کو واقعی شرمندگی کا احساس ہوا‘ اس کا سر ہنوز جھکا ہوا تھا۔

”خیر ان باتوں کو لے کر میں اپنا اور آپ کا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا‘ چاہیں تو باہر میرے سیکرٹری سے بات کر کے استعفیٰ دے جائیں‘ مجبوروں کی کمی کم از کم اس ملک میں تو نہیں۔“ جھکے سر کے ساتھ ساری باتیں سن کر زید حیدر خاموشی سے باہر نکل گیا تھا۔

”سچ ہی تو کہہ رہے تھے منیجر صاحب‘ مہینے کا تین ہزار کچھ کم بھی تو نہیں۔“ سڑک پر سائیکل کو تیزی سے چلاتے زید حیدر سے ہمکلام ہوا۔

”زید تیرے بابا کی طبیعت کیسی ہے اب؟“ سلیم نے فیکٹری کا کام کرتے ہوئے زید حیدر سے استفسار کیا۔

”دعا کرو سلیم میری دنیا و آخرت سنور جائے۔“ زید حیدر بھرائی ہوئی آواز میں بولا تو سلیم کو اس کی آواز میں شکستگی محسوس ہوئی۔

”اللہ رحیم ہے‘ وہ ضرور کوئی سبب پیدا کرے گا۔“ سلیم بھی زید حیدر کی طرح مجبوریوں کا مارا انسان تھا‘ دونوں کے گھریلو حالات کافی حد تک ایک جیسے تھے اور دونوں کو اللہ کی کریم ذات پر کامل بھروسہ تھا۔

❁......❁......❁

”بھوان کی طبیعت بگڑتی جارہی ہے‘ انہیں اسپتال کیسے لے جائیں میرے پاس تو پیسے بھی نہیں ہیں۔“ نسیم حیدر نے ثمن کو خاصے گھبرائے ہوئے لہجے میں بتایا‘ جو کافی دیر سے اپنی بیٹیوں کے کپڑے دھو رہی تھی۔

”اماں اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھیں‘ زید آنے والے ہیں۔“ ثمن نے دلاسہ دینے کے ساتھ گھڑی پر نظر ڈالی‘ شام کے آٹھ بجنے والے تھے‘ زید حیدر کے آنے میں ابھی وقت تھا مگر پھر بھی انہیں تسلی دی اور انہیں لیے کمرے میں آگئی تھی۔

❁......❁......❁

”سر یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟“ آج کا سورج تو زید حیدر کے لیے کچھ زیادہ ہی پریشانیاں لے کر طلوع ہوا تھا۔ فیکٹری مالکان نے بجلی کا رونا رو کر ہاتھ جھاڑ لیے تھے صرف تنخواہ دے کر ٹرخا دیا گیا تو زید حیدر نے دھیمے لہجے میں سپروائزر سے پوچھا۔

”دیکھیے زید حیدر‘ اگر ہم دو ماہ فیکٹری بند کر دیتے تو آپ کہاں جاتے‘ کام ہو یا نہ ہو‘ بجلی آئے یا جائے آپ لوگ ماہانہ لیتے رہے ہیں‘ دوسری فیکٹریز بند کر دی جاتی ہیں جب کام نہ ہو وہاں لوگ بونس اور اضافی رقم کے طور پر ہر سال تنخواہ میں اضافے بھی نہیں کرتے۔ بات وہیں کی وہیں آجاتی ہے کہ وہ لوگ اپنے ورکرز کو دو تین ماہ سڑک پر لاکر چھوڑ دیتے ہیں‘ ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کر سکتے ہیں لیکن غریب عوام کے رزق کو ہم چھیننا نہیں چاہتے...... سو...... آپ جیسے لوگ ہی ہمارا سرمایہ کہلائے جاتے ہیں۔“ سپروائزر صاحب نے خاصے تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے مزدوروں کے کام کو بھی سراہا تو زید حیدر نادم سا ہو گیا۔

”سوری سر......“ زید حیدر محض یہی الفاظ ادا کر پایا تھا۔

زید حیدر نے آٹھ ہزار کو جیب میں احتیاط سے رکھے اور فیکٹری سے باہر نکل گیا۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com



Digitized by Google

آج اسے ہوٹل کے منیجر سے بھی خاص توقع نہیں تھی کہ وہ اضافی رقم بطور بونس دیں گے کیونکہ صبح سے اب تک کئی مسائل اس کے ذہن و دل میں جگہ بنا چکے تھے۔

''مسٹر زید..... یہ رقم بطور بونس اور..... یہ تنخواہ اگلے ماہ سے آپ کو پانچ سو مزید دیا جائے گا۔'' زید حیدر نے مشکور نظروں سے منیجر صاحب کو دیکھا' اسے امید نہیں تھی کہ ہوٹل سے اسے تین ہزار تنخواہ کے ساتھ ساتھ تین ہزار اور بھی دیئے جائیں گے' اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

''شکریہ سر..... آپ کا..... بے حد شکریہ۔'' پہلی مسکراہٹ سال کے جاتے لمحوں پر اس کے لبوں پر سجی تھی۔

''کوئی بات نہیں۔'' منیجر صاحب نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے اپنائیت سے جواب دیا۔ زید حیدر کو لگا ساری تھکن اڑ چھو ہوگئی۔

گھر میں قدم رکھتے ہی سحرش اور سمن نے ملک حیدر اور نسیم حیدر کی اسپتال روانگی کا بتایا تو الٹے قدموں وہ اسپتال چلا آیا۔ نسیم حیدر نے پیسوں کا انتظام بڑی مشکل سے کیا تھا۔ درد سے دہرے ہوتے ملک حیدر کی حالت زید حیدر کی نظروں میں گھوم رہی تھی۔ کمرے تک پہنچنے تک کئی بار وہ اپنے آنسو پونچھ چکا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ تیز ی سے ابا کی طرف بڑھا۔ نسیم حیدر کی آنکھیں بھی برس رہی تھیں۔ بائیں جانب بیڈ پر سیدھے لیٹے ملک حیدر کی آنکھیں بھی اشک بار تھیں۔ ڈاکٹر حامد دروازے پر ساکت سے وجود کے ساتھ کھڑے تھے۔

''ایک پل کو مجھے لگا کہ میں نے بابا کو..... کھو..... دیا۔'' چند منٹ بعد زید حیدر کی خوف زدہ سی آواز کمرے میں گونجی۔

ڈاکٹر حامد ایک بیٹے کی اپنے والدین سے اس قدر محبت دیکھ کر مبہوت رہ گئے' وہ ڈاکٹر تھے کئی بیٹوں کو اپنے والدین کے ساتھ اسپتال کے انہی کمروں میں دیکھ چکے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ کچھ والدین قریب المرگ ہوتے تو کچھ بیٹے چہرے پر بیزاری سجائے ان کی تیمار داری کرتے' کچھ بیٹے اپنے والدین کے ساتھ نیم رضامندی کے ساتھ پیش آتے' بہت کم اولادیں ڈاکٹر حامد کی نظروں میں ایسی آئی تھیں جو حقیقتاً اپنے والدین کے لیے متفکر تھیں' ان کے لیے پریشان تھیں۔ زید حیدر بھی انہی چند خوش نصیب اولادوں میں سے ایک تھا جو والدین کے بچھڑنے کے خیال سے ہی خوف زدہ تھا۔

''جس انسان کی تجھ جیسی سعادت مند اولاد ہو وہ بھلا اپنی اولاد کو خدمت کا موقع دیئے بغیر مر سکتا ہے؟'' نسیم حیدر نے اپنے بیٹے کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

نسیم حیدر نے زید حیدر سے آج کے دن کے متعلق سوال کیا تو زید حیدر نے اخبار کے دفتر سے لے کر ہوٹل منیجر تک ساری کہانی انہیں سنا ڈالی' ڈاکٹر حامد اب بھی کسی سنگی مجسمے کی مانند دروازے کی چوکھٹ پر ایستادہ تھے۔

''اماں کتنی خواہشیں تھیں جو ایک ہی ضرب سے ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گئیں۔ چند دن پہلے میں نے سوچا تھا ایک ڈنر سیٹ لوں گا تاکہ سحرش کو دیکھنے آنے والے لوگ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں' سمن کے بتانے پر پتا چلا بابا کی شال پھٹ چکی ہے' مجھے آپ دونوں سے گلہ ہے' آپ مجھ سے ہر بات چھپاتے رہے۔ اماں..... انسان دوسروں سے امیدیں کیوں وابستہ کر لیتا ہے؟'' نسیم حیدر کی آنکھیں بیٹے کی مجبوریوں پر پھر سے جل تھل ہوگئیں۔ ڈاکٹر حامد خاموشی سے چلے گئے تھے۔

❁.....❁.....❁

''مسٹر زید یہ..... بابا کے لیے' یہ اماں کے لیے اور یہ آپ کے لیے۔'' نئے سال کی صبح خاصی چمک دار' روشن اور خوشیوں بھری تھی۔ ڈاکٹر حامد نے زید حیدر کے والدین کو اپنے اماں بابا کی جگہ دے دی اور ان کے لیے ہی نہیں بلکہ زید حیدر کے لیے بھی ایک عدد شال لائے تھے۔

ڈاکٹر حامد نے فیس کی رقم لوٹاتے وقت دس ہزار روپے الگ سے دیئے جنہیں کافی ہچکچاہٹ اور اماں ابا کی رضا مندی کے بعد قبول کر لیا گیا' ملک حیدر کا علاج ڈاکٹر حامد نے اپنے ذمہ لیتے ہوئے زید حیدر کو اس ذمہ داری سے بھی آزاد کر دیا تھا۔ زید حیدر کی پلکوں پر ٹھہرے آنسو بے پناہ تشکر سمیٹے ہوئے تھے۔

''ابھی اس دنیا میں مسیحا زندہ ہیں۔'' زید حیدر نے محبت پاش نظروں سے ڈاکٹر حامد کو دیکھ کر دل ہی دل میں سوچا تھا۔



URDU TUBE
A WORLD OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com
Digitized by Google

قسط نمبر 2

# عشق نگر کے مسافر

ندا حسنین

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ارسل ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خوبرو نوجوان ہوتا ہے جس نے حال ہی میں اسپین کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ وہ کامیٹکس کے ایک معروف برانڈ کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔ ہسپانیہ آنے کے بعد ابتدائی دنوں میں ہی اسے بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ ماضی کے بھیانک چہرے اور خوفناک خوابوں کے سلسلوں نے اس کا پیچھا یہاں بھی نہیں چھوڑا تھا۔ اُن تلخ یادوں کو نظر انداز کرنے کے لیے وہ اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں خود کو بے حد مصروف کرلیتا ہے۔ مرینہ ایک خوب صورت اور دلکش شخصیت کی حامل لڑکی ہوتی ہے جو تنویری عمل کی تعلیم حاصل کررہی ہوتی ہے۔ اپنے باپ، کیپٹن خاور کی حادثاتی موت کے بعد وہ اپنی گرینی کے ساتھ سان سباستیان میں مقیم ہوتی ہے۔ اُس کی زندگی میں خوشیوں رشتوں کی دُوری کا خلاء موجود ہوتا ہے۔ اُس کی بہترین پرورش و تربیت میں گرینی کا ہاتھ ہوتا ہے۔ میا، مرینہ کی سب سے بہترین سہیلی ہوتی ہے جو اس کے ساتھ مائنڈ ٹیکنالوجی میں تنویری عمل کی تعلیم حاصل کررہی ہوتی ہے۔ یاور بخت اور صبیحہ کی شادی مکمل طور پر ارینج میرج تھی، مگر وہ دونوں ہی محبت والفت کی مضبوط ڈور سے بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ شادی کے سات سال گزر جانے کے بعد اولاد کی محرومی نے ان کی محبت کی مضبوط ڈور کو اب کمزور کرنا شروع کردیا تھا۔ یاور بخت سات سال کے انتظار کے بعد دوسری شادی کا ارادہ کرتے ہیں۔ محمود بیگ صنعت کاری کے میدان میں داخل ہوتے ہی مشہور و معروف صنعت کار یاور بخت کو کاروبار میں شراکت داری کی پیشکش کرتا ہے جسے یاور بخت ٹھکرا دیتا ہے۔ پیشکش کے ٹھکرائے جانے پر محمود بیگ یاور بخت کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتا ہے۔ ارسل، ساحل سمندر "کونچا" پر مشہور اداکارہ اینا پاول سے ملاقات کی غرض سے جاتا ہے، وہاں سے واپسی پر مرینہ کو بچاتے ہوئے کچھ غنڈوں سے اس کی مڈبھیڑ ہوجاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

"مرینہ میرے ساتھ چلو....." وہ گمبھیر لہجے میں اس سے مخاطب ہوا۔

مرینہ کے لیے یہ صورت حال غیر متوقع تھی۔ اس کے نیلے نین کٹوروں میں حیرانی ہلکورے لے رہی تھی۔ وہ شش و پنج میں مبتلا تھی۔ ارسل اس کے روبرو کھڑا اس کے جواب کا منتظر تھا۔ اس کی بڑی بڑی، گہری سیاہ آنکھوں میں وحشت نمایاں تھی۔ مرینہ کشمکش میں مبتلا تھی کہ اس اجنبی کے ساتھ جائے یا نہ جائے۔ وہ بھلے اس کے سامنے ایک مہربان کی صورت آیا تھا مگر وہ اس کی نیت اور ارادوں سے انجان تھی۔ اتنا بھروسہ نہیں کرسکتی تھی کہ اس کے کہنے پر منہ اُٹھا کر اس کے ساتھ چل دے۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ فیصلہ کرپاتی اور اسے جواب دیتی، ارسل نے پیش قدمی کی۔

"میرے ساتھ چلو۔" وہ اس کے نازک ہاتھوں کو سختی سے اپنے ہاتھوں میں لے کر تیز تیز قدموں سے اپنی گاڑی کی جانب بڑھنے لگا۔

"رکو..... سنو تم جو کوئی بھی ہو، میرا ہاتھ چھوڑو....." بے شک اس نے اسے ان آوارہ لڑکوں سے بچایا تھا، مگر تھا تو وہ بھی



Digitized by Google

بالکل اجنبی اور اس کا اس طرح کا غیر مہذبانہ برتاؤ مرینہ کو بالکل بھی نہیں بھایا تھا۔

وہ اس کے مضبوط ہاتھوں سے اپنا ہاتھ چھڑاتی غصے سے بول رہی تھی مگر..... گرفت مضبوط تھی اور مرینہ ہزار کوششوں و غصے کے باوجود اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑا نہ سکی۔ یہاں تک کہ وہ اس کی گاڑی تک پہنچ گئی۔

"جلدی بیٹھو۔" ارسل فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے تحکم بھرے لہجے میں گرجا۔

مرینہ سلگ کر رہ گئی۔ ایک احسان کے بدلے مسلسل حاوی ہونے والے لوگ اسے سخت برے لگتے تھے۔ اس نے ایک مرتبہ پھر جھٹکے سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔ اس بار کوشش کامیاب ہوگئی تھی۔

"دیکھو مسٹر..... تم نے بے شک مجھے ان اوباش لڑکوں سے بچایا اس کے لیے میں تمہاری بے حد ممنون ہوں۔ مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تم مجھے مفت کا مال سمجھ بیٹھو۔" وہ طیش میں بھڑک اٹھی۔

"اگر عزت پیاری ہے تو اندر گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔" وہ اگر بھڑکی تھی تو وہ بھی دانت پیس کر غرایا تو مرینہ اس کا یہ رنگ دیکھ کر دنگ رہ گئی تھی۔

دشتِ تنہائی میں..... اے جانِ جہاں لرزاں ہیں
تیری آواز کے سائے..... تیرے ہونٹوں کے سراب

اقبال بانو کی طرح وہ بھی تنہائی کے دشت میں مخو گشت تھے۔ کچھ دن قبل ہی وہ کچھ اہم کاموں کے سلسلے میں اسلام آباد آئے تھے اور اس وقت وہ ایک اہم ملاقات کے بعد واپس جا رہے تھے۔ ان کی گاڑی سنسان سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔

دشتِ تنہائی میں دُوری کے خس و خاک تلے
کھل رہے ہیں تیرے پہلو کے سمن اور گلاب

گزشتہ کئی دنوں سے وہ ایک عذاب میں مبتلا تھے۔ ان کا ذہن بے تحاشا اُلجھنوں کا شکار رہا اور ان ذہنی اُلجھنوں نے انہیں رفتہ رفتہ صبیحہ سے بھی دُور کر دیا تھا۔ ایک عجب دوراہے پر جا کھڑا ہوا تھا اُن کا گزشتہ اور قصور خود اُن کا ہی تھا۔ ان کی خود ساختہ طاری کی گئی دُوری اور کھنچے ہوئے رویے نے صبیحہ کو بھی دُکھ پہنچایا تھا۔ وہ ان سے ناراض تھیں اور گزشتہ ایک ہفتے سے ان سے دُور رہ کر صبیحہ کی یادوں نے آج انہیں بری طرح ستایا تھا۔

اس قدر پیار سے اے جانِ جہاں رکھا ہے
دل کے رخسار پہ اس وقت تیری یاد نے ہاتھ
یوں گماں ہوتا ہے گرچہ ہے ابھی صبح فراق
ڈھل گیا ہجر کا دن آ بھی گئی وصل کی رات.....

صبیحہ نے ان سات سالوں کے عرصے میں انہیں اتنی محبت عزت احترام اور اعتبار دیا تھا کہ وہ کبھی صبیحہ کے علاوہ کسی کے متعلق سوچ بھی نہ سکتے تھے مگر یہ اولاد کی محرومی..... اس اولاد کی محرومی نے انہیں لاشعوری طور پر صبیحہ سے دُور کرنا شروع کر دیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ دوسری شادی کے متعلق سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے اور یہ سب کچھ اس محمود بیگ کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہی تھا اپنی زہریلی سوچ ان کے اندر انڈیلنے والا..... اس محمود بیگ کو تو وہ کسی قیمت پر نہیں چھوڑیں گے۔ کسی قیمت پر بھی نہیں۔ منتشر سوچیں ان کی ذہنی رُو کو بھی اُلجھائے دے رہی تھیں۔

دوسری شادی کا فیصلہ کرنے کے بعد بھی وہ مطمئن نہیں تھے۔ صبیحہ ان کے حواسوں پر بری طرح سوار تھیں۔ اسلام آباد سے گھر پہنچتے ہی وہ تمام مصروفیات پس پشت ڈال کر صبیحہ سے بات کریں گے انہیں اعتماد میں لیں گے انہیں سمجھائیں گے کہ



Digitized by Google

دوسری شادی ہمارے لیے کتنی ضروری ہے۔ دوسری شادی دوسری بیوی صرف ایک ضرورت ہوگی جبکہ صبیحہ...... صبیحہ تو محبت ہیں ان کی وہ صبیحہ کو ضرور قائل کرلیں گے۔ ان ہی سوچوں میں غرق وہ فاسٹ ٹریک پر تیزی سے گاڑی ڈرائیو کررہے تھے کہ اچانک سامنے سڑک پر ایک نسوانی وجود کو عین سامنے بل کھا کر گرتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے فوراً سے پیشتر بریک لگائے۔ گاڑی ٹھیک اس نسوانی وجود کے نزدیک جاکر رُکی تھی۔

❁......❁......❁

''جلدی بیٹھو۔'' وہ مرینہ کے مزید نزدیک آ کر پھر سے غرایا۔

شش و پنج میں مبتلا' خوف زدہ مرینہ اس کے جارحانہ تیور سے گھبرا کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی اس نے دھڑام سے دروازہ بند کیا اور کچھ ثانیے تک سامنے کھڑا شیشے کے اس پار سے اسے گھورتا رہا' جیسے اس کے باہر نہ نکلنے کا یقین کررہا ہو۔ مرینہ نے اس پل اس کے چہرے پر رقم تحریر کو پڑھنا چاہا' اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی اور بری طرح چونک گئی۔ اگلے ہی پل وہ خاموشی سے ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ گاڑی کونجا بیچ کے مخالف سمت چل پڑی۔ مرینہ نے دزدیدہ نگاہوں سے ارسل کی جانب دیکھا' وہ سپاٹ چہرہ لیے نگاہیں راستے پر جمائے گاڑی ڈرائیو کررہا تھا۔

کون تھا یہ شخص' کہاں سے آیا تھا؟ وہ نہیں جانتی تھی۔ مگر مسلسل یہ شخص اس پر حاکمیت جتا رہا تھا۔ آج تک کسی نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی جرأت نہ کی تھی اور یہ شخص بلاوجہ اس پر مسلط ہورہا تھا۔ طیش کی ایک شدید لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔

''دیکھو' تم جو کوئی بھی ہو تمہارے ارادے جو بھی ہیں' ان سے باز رہو ورنہ میں گارڈیا سول (پولیس) کو بلالوں گی۔'' وہ اُنگلی اُٹھا کر اسے دھمکا رہی تھی۔ ساتھ ہی کھڑکی سے باہر نگاہ دوڑاتی گارڈیا سول کو تلاش کررہی تھی۔

''اپنے گھر کا راستہ سمجھاؤ۔'' اس پر مرینہ کی دھمکی کا چنداں اثر نہ ہوا۔ وہی سپاٹ چہرہ' پتھرائی نگاہیں' سرد لہجہ۔

عجیب اجنبی تھا۔ زبردستی مہربان بننے کی کوشش میں مبتلا۔ وہ حیرانی کی کیفیت میں اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی طرف سے مسلسل خاموشی پا کر اس نے ونڈ اسکرین سے نظریں ہٹا کر مرینہ کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ مرینہ سٹپٹا گئی۔ کچھ دیر قبل گارڈیا سول کی دھمکی دینے والی مرینہ اب اس اجنبی کو اپنے رہائشی علاقے کے متعلق بتارہی تھی۔

''میں اس دیس میں نیا ہوں' مجھے راستوں کا علم نہیں' آپ کو راستہ سمجھانا پڑے گا۔'' اس بار اس کا لہجہ نرم ہوا۔ مرینہ کو کچھ تقویت ہوئی۔ وہ اسے راستہ سمجھانے لگی۔ اسی اثناء میں اس کا موبائل بج اُٹھا۔

وہ آج صبح سے شہر بھر کی خاک چھانتی' شام میں کونجا بیچ پہنچی تھی۔ کتنی یادیں اس کی ان لہروں کے ساتھ وابستہ تھیں۔ وہ گھنٹوں ان لہروں کو نرم ریت پر بیٹھی تکتی رہی۔ پرانی یادوں کو تازہ کرتی رہی' یہاں تک کہ رات کے اندھیروں نے سان سباستیان کو اپنی آغوش میں بھرلیا تھا۔ ان پھیلتے اندھیروں سے جب وہ ماضی سے حال میں آئی' تب اسے ہوش آیا۔ کونجا سے واپسی پر ہی ان اوباش لڑکوں نے اسے آ گھیرا تھا اور اس سے چھیڑ خانی شروع کردی تھی اور اس کے بعد سے اب تک اسے اس چونکا دینے والی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

کال گرینی کی تھی۔ وہ اس کے اب تک گھر نہ لوٹنے پر پریشان تھیں۔ اس نے گرینی کو جلد لوٹنے کا عندیہ دے کر کال منقطع کردی۔ اس کی ساری توجہ اس وقت اس اجنبی اور راستے پر تھی اور اسی بوکھلاہٹ میں موبائل پرس میں رکھتے ہوئے اس کا پرس گاڑی میں گر پڑا تھا۔ وہ بے اختیار جھک کر سیٹ سے نیچے ہاتھ ڈال کر پرس ڈھونڈنے لگی۔ اچانک گاڑی میں روشنی کا جھماکا ہوا۔ مرینہ نے چونک کر سر اُٹھا کر ارسل کی جانب دیکھا' اس کے سپاٹ تاثرات کی جگہ ایک دھیمی سی مسکان اس کے لبوں پر بھی تھی اور وہ اتنی دلفریب تھی کہ چاہتے ہوئے بھی مرینہ اس کے چہرے سے نگاہ نہ ہٹا پائی۔

''پرس ملا......؟'' ایک سرسری نگاہ اس پر ڈال کر اس نے استفسار کیا۔ یوں جیسے اس کی حالت سے مزہ لے رہا ہو۔ البتہ



Digitized by Google

دلفریب سی مسکان اس کے چہرے سے غائب ہوچکی تھی۔

"نہیں......" مرینہ جھینپ گئی۔ نگاہ نیچے کی تو ایک کونے میں پڑا ہوا پرس اسے نظر آ گیا۔ اس نے جھٹ سے اُٹھالیا۔ موبائل پرس میں ڈالا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ ارسل نے گاڑی میں جلنے والی بتی بجھادی۔

اسے کچھ دیر لگی گھر پہنچنے میں۔ ارسل نے اسے گھر پہنچادیا تھا۔

"گراسیا...... سینور۔" اس نے شکریہ ادا کیا مگر چہرے پر مسکراہٹ کا دُور دُور تک شائبہ نہ تھا۔ بڑا ہی رسمی سا شکریہ تھا۔ جواب میں بھی بڑی رسمی سی مسکان اُچھالی گئی اور اگلے ہی لمحے وہ سیاہ گاڑی فراٹے بھرتی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تھی۔ وہ کچھ دیر تک تو اوجھل ہوتی گاڑی کو دیکھتی رہی' پھر کندھے اُچکاتی' پلٹ کر ڈور بیل بجانے لگی۔ گرینی نے فوراً ہی دروازہ کھول دیا تھا۔

"مرینہ...... کہاں غائب تھیں صبح سے؟ کچھ بتاتی بھی نہیں ہو گرینی کو بہت پریشان کرتی ہو تم۔" گرینی سخت خفا تھیں' اسی لیے چھوٹتے ہی اسے ڈپٹنے لگیں۔

"گرینی......" وہ دروازہ بند کر کے اُن سے لپٹ گئی۔

وہ جب خفا ہوتیں تو وہ ان سے یونہی لپٹ کر کبھی ان کے رخسار' کبھی ماتھے تو کبھی ہاتھوں کو چوم کر منا لیتی تھی اور اس والہانہ اندازِ محبت پر بھلا گرینی کب تک خفا رہ سکتی تھیں۔ ابھی بھی اس کے اس اظہارِ محبت پر بالآخر انہیں اپنی خفگی دُور کرنا پڑی تھی۔

"میں کھانا لگارہی ہوں مرینہ' جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آؤ۔" گرینی نے کچن میں جاتے ہوئے صدا لگائی۔ کچن سے آتی اشتہاء انگیز خوشبوؤں نے پورے گھر کو مہکایا ہوا تھا۔ اسے ایک دم ہی احساس ہوا کہ مارے بھوک سے اس کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔

"بس ابھی آئی۔" کا نعرہ بلند کرتے ہی وہ سیڑھیاں چڑھتی اپنے کمرے میں آ ئی۔

واپس آئی تو میز لذیذ پکوانوں سے میز سجی ہوئی تھی۔ بریانی' سلاد' رائتہ' چٹنیاں۔ وہ حیرانی سے یہ لوازمات دیکھنے لگی آج دسترخوان معمول سے ہٹ کر سجا ہوا تھا۔ وہ اور گرینی روزمرہ میں اس طرز کے دیسی کھانوں کے عادی نہیں تھے۔

"خیریت گرینی...... ٹیپیکل پاکستانی پکوان......؟" اس نے سوالیہ نگاہیں گرینی کے چہرے پر گاڑتے ہوئے پوچھا۔ اتنا تو وہ جان گئی تھی کہ آج کا دن کچھ خاص ہے' مگر کیا...... اس سے وہ انجان تھی۔ تب ہی سامنے کرسی پر بیٹھی' مسکراتی ہوئی گرینی سے اس نے استفسار کیا۔

"آج میری اور تمہارے دادا کی میرج اینی ورسری ہے۔ تمہارے دادا ہر اینیورسری پر مجھ سے اس طرح کا اہتمام کرواتے تھے۔ بہت پسند تھے انہیں پاکستانی کھانے۔" گرینی نے مسکرا کر جواب دیا۔ ان کے پُروقار چہرے پر یادوں کا عکس تھا۔ اس نے گرینی کو بغور دیکھا اور مسکرا دی۔

اس نے اپنے ہوش وحواس میں دادا کو نہیں دیکھا تھا۔ اس کی پیدائش کے پہلے سال ہی وہ ایک حادثے میں جاں بحق ہو گئے تھے مگر گرینی ہر سال انہیں یونہی یاد کیا کرتی تھیں اور آج کے دن خاص اہتمام کرتیں۔ اس سے اپنی اور دادا کی کئی یادیں' کئی باتیں شیئر کیا کرتیں۔ وہ بے شک بوڑھی ہوگئیں تھیں' مگر دادا سے ان کی محبت آج بھی جوان تھی اور وہ اپنی محبت کا اظہار اکثر اس کے ساتھ کیا کرتی تھیں۔ گرینی ابھی بھی اپنی نوعمری کی' ازدواجی زندگی کے قصے اسے سنا رہی تھیں اور وہ بریانی کے نوالوں کے ساتھ ساتھ ان کی یادوں کو بھی انجوائے کررہی تھی۔

"مرینہ...... یہ یادیں میرے لیے ایک قیمتی خزانے کی طرح ہیں اور تم میرے لیے ایک نعمت کی طرح ہو۔ ایک بہترین ساتھی' جسے میں اپنے یہ قیمتی خزانے دکھا سکتی ہوں' سنا سکتی ہوں' شکریہ میری پیاری بیٹی۔" وہ کھانے کے اختتام کے بعد اس کے



URDU TUBE
Digitized by Google

ماتھے کو چوم کر شکریہ ادا کر رہی تھیں۔ یہ شکریہ اس نے مسکرا کر قبول کیا مگر ذہن اُلجھ گیا تھا۔
یادوں کے قیمتی خزانے تو اس کی مما کے پاس بھی ہوں گے مگر شاید اُن خزانوں کو دیکھنے والا کوئی ساتھی نہ ہوگا۔ اس پل اسے اپنی مما بڑی شدت سے یاد آئی تھیں۔ باپ سے دُوری تو قسمت نے لکھی تھی..... مگر ماں سے دُوری..... اس ظالم سماج نے..... وہ خاموش نظروں سے گرینی کو میز سے برتن اُٹھاتا دیکھ رہی تھی۔ وہ بظاہر وہاں موجود ہو کر بھی وہاں موجود نہ تھی۔ خیالوں کے گھوڑے پر سوار ہو کر وہ اپنی مما کو کھوجنے نکل گئی تھی۔
''تم نے بتایا نہیں مرینہ! اتنی دیر کیوں کی؟'' کچن سے آتی گرینی کی بلند آواز اسے ایک بار پھر ماضی سے حال میں لے آئی۔
یہ سفر بھی کتنا دلچسپ ہوتا ہے۔ ماضی سے حال، حال سے ماضی۔ انسان کبھی بھی، کہیں بھی، کسی بھی وقت، بیٹھے بیٹھے اس سفر پر جا نکلتا ہے اور واپسی بھی کتنی غیر متوقع اور اچانک ہوتی ہے۔ وہ بھی ایک گہری سانس لے کر حال میں واپس لوٹ آئی۔ گرینی دیر سے آنے کی وجہ جاننا چاہ رہی تھیں۔ سارے دن کا احوال بتاتے ہوئے جب اس اجنبی سے چونکا دینے والی ملاقات یاد آئی تو وہ چونک اُٹھی۔ گرینی اس سے اس کا نام پوچھ رہی تھیں۔
''نام اس نے بتایا تو تھا..... لیکن میں بھول گئی۔'' اس نے افسوس سے کہا۔
''مرینہ! کتنی بھلکو ہوتی جا رہی ہو تم، جس نے تمہیں اُن لفظوں سے بچایا، باحفاظت گھر پہنچایا، اپنے اُس محسن کا نام تک بھول گئیں تم۔'' گرینی نے ہنستے ہوئے اسے چھیڑا۔ اچھی طرح سے واقف تھیں کہ مرینہ کو ہر ضروری بات بھولنے کی عادت ہے۔
محسن..... ہاں محسن ہی تو ہے وہ..... اسے باحفاظت گھر چھوڑ کر گیا تھا۔ وہ اب اسے مہربان یا محسن تو کہہ سکتی ہے۔ ہاں ذرا سا کھڑوس تھا، مگر وہ اجنبی اس پر مہربان بھی تو تھا۔ اس کی ذہنی رُو بھٹکتی چلی گئی۔ نگاہوں کے سامنے اس اجنبی کا سپاٹ چہرہ گھوم گیا اور پھر وہ دلفریب مسکان..... یوں تو ہم اس دُنیا میں آئے دن نت نئی ملاقاتوں سے دوچار ہوتے رہتے ہیں مگر زندگی بھر کی ملاقاتوں میں شاید چند ایک ملاقات ہی ایسی ہوتی ہیں، جو چونکا کر رکھ دیتی ہیں یا شاید ہر ایک کے نصیب میں یہ چونکا دینے والی ملاقات چند ایک بار بھی نہ ہوتی ہو، مگر مرینہ کے نصیب میں یہ چونکا دینے والی ملاقات تھی۔ ہمیشہ کے لیے یاد رہ جانے والی ملاقات۔

یاور بخت گاڑی سے اُتر کر ارد گرد نگاہیں دوڑاتے ہوئے جائزہ لینے لگے۔ وہ دور ویہ سڑک تھی، جس کے دونوں اطراف جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ چودھویں شب تھی، چاندنی بکھری ہوئی تھی۔ سڑکوں کے کنارے کوئی باڑ نصب نہ تھی۔ وہ دائیں طرف کی جھاڑیوں کا بغور جائزہ لیتے رہے۔ اچانک انہیں جھاڑیوں میں ہلچل محسوس ہوئی اور پھر بھاگتے ہوئے قدموں کی تیز چاپ سنائی دی۔ اس سے قبل کہ وہ اس چاپ کی جانب بڑھتے، اوندھے پڑے ہوئے نسوانی وجود کے کراہنے کی آواز فضا میں اُبھری۔ وہ چونک کر پلٹے۔
وہ ہوش میں تھی۔ تیز تیز چلتی سانسوں کا زیر و بم اس کی زندگی کا پتا دے رہا تھا۔ وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھے۔ اس کے بال اَدھ کھلے تھے اور اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی سسکتی ہوئی مدھم آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔ شاید وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر اس میں سکت نہ تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کی ٹوٹی پھوٹی بات سمجھنے کے لیے ذرا سا جھکے۔
''بچالو..... خدارا مجھے بچالو.....'' وہ سسک رہی تھی۔ اس کی فریاد سن کر انہوں نے ایک بار پھر گرد و نواح میں نظر دوڑائی۔ چہار سو خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ پھر سے سسک اُٹھی۔



Digitized by Google

یاور بخت شش و پنج میں پڑ گئے۔ کیا کریں' کیا نہ کریں..... انسانیت کے ناطے اس مجبور و بے سہارا عورت کی مدد کرنا اُن کا اخلاقی فریضہ تھا۔ انہوں نے دونوں کاندھوں سے پکڑ کر اسے سیدھا کیا اور پھر بُت بن کر رہ گئے۔ چودھویں کی رات تھی' چاند اپنے جوبن پر تھا اور انہیں یوں گمان ہو رہا تھا کہ ان کے بازوؤں میں موجود وجود جیسے چاندنی میں نہایا ہوا ہو۔ وہ حسین تھی' بے انتہا حسین۔ کئی ثانیے تک وہ قدرت کی اس حسین صناعی کو یک ٹک دیکھتے رہے۔ نسوانی وجود نے ایک جھرجھری لی تو وہ گھبرا گئے۔ وہ مہ جبین جو کوئی بھی تھی' بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی تھی۔ انہوں نے کپکپاتے ہاتھوں سے اس کے چہرے سے بالوں کی لٹ ہٹائی۔ اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں موتیوں کی صورت جگمگا رہی تھیں۔ اس کی گھنیری پلکیں' گلابی ہونٹ اور ہونٹوں کے نیچے کا تل..... قاتل تھا..... انہیں اعتراف کرتے ہی بنی۔

وہ زیادہ دیر تک یہاں رُک نہیں سکتے تھے۔ اُن کے لیے بہر حال یہ مناسب نہیں تھا۔ وہ فیصلہ کر چکے تھے کہ انہیں کیا کرنا تھا۔ اس بے بس وجود کو اس سنسان راستے پر تن تنہا چھوڑ کر جانے کا ظلم تو وہ ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے اسے اپنی بانہوں میں بھرا اور گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔ ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور تیزی سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس اچانک پیدا ہونے والی صورت حال نے یاور بخت کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ سیدھا گیسٹ ہاؤس پہنچے۔ اسلام آباد میں وہ یہیں مقیم تھے۔ گیسٹ ہاؤس ان کے بے حد قریبی دوست کا تھا۔ انہوں نے فوراً سے پیشتر اپنے دوست کو کال کر کے تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔

"دیکھو یاور..... اس جھنجھٹ میں نہ پڑو' جتنا جلد ہو سکے اس لڑکی کو فارغ کرو۔" عزیز نے چھوٹتے ہی انہیں مشورہ دیا۔

"وہ تو میں سمجھ رہا ہوں کہ یہ سب ٹھیک نہیں مگر اس کی حالت ٹھیک نہیں عزیز۔" وہ بے بسی سے بولے۔

"اچھا ٹھیک ہے' میں اپنے جاننے والے ایک ڈاکٹر کو بھیجتا ہوں' اس سے چیک اپ کراؤ اور ہوش میں آتے ہی اس لڑکی سے جان چھڑاؤ۔" عزیز نے ان کی مشکل حل کرتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر بعد ہی ڈاکٹر وہاں پہنچ گیا تھا۔ لڑکی کا معائنہ کرنے کے بعد وہ ان سے مخاطب ہوا۔

"مسٹر یاور' فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ محترمہ کمزوری اور نقاہت کا شکار ہیں۔ مزید یہ کہ بلڈ پریشر بھی کافی لو ہے۔ میں نے ڈرپ لگا دی ہے' کچھ دیر بعد ہوش میں آ جائیں گی۔" ڈاکٹر ان کا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ یاور بخت نے ایک نگاہ اس سوئی ہوئی لڑکی پر ڈالی اور کمرے سے نکل گئے۔

اپنے کمرے میں آ کر وہ صورت حال کا باریک بینی سے جائزہ لینے لگے۔ پچھلے دنوں محمود بیگ کی آمد نے انہیں بری طرح چونکا دیا تھا۔ محمود بیگ کے تعلقات کی کڑی کہاں جا ملتی تھی' وہ یہ بخوبی جانتے تھے۔ کچھ اسی طرح کے معاملات و مقاصد کی غرض سے وہ اسلام آباد آئے تھے' جہاں کافی اہم معاملات زیر بحث رہے' جن میں سے ایک معاملہ ان کی ایک بڑی سیاسی جماعت میں شمولیت بھی تھا۔ اگلے سال ہونے والے الیکشن میں وہ اُمیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہونے والے تھے۔ اس صورت حال میں ان کی نیک نامی کو ذرا بھی ٹھیس نہیں پہنچنی چاہیے تھی۔ ہوش میں آتے ہی انہیں اس لڑکی سے جان چھڑانی ہوگی۔ فیصلہ وہ کر چکے تھے اور اس افراتفری میں وہ آج بھی میسجز کو کال کرنا' ان سے بات کرنا بھول چکے تھے۔

❁.....❁.....❁

ارسل شاور لے کر ابھی باتھ روم سے نکلا تھا۔ موبائل کی میسج ٹپ نے فوراً ہی اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ وہ ایک ایک کرتا تمام میسجز پڑھنے لگا۔ پھر ایک میسج پڑھتے ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پیارے بیٹے..... زندگی کا نیا سال نئے دیس میں مبارک ہو' میری دعا ہے کہ جن خواہش کے حصول کے لیے تم دیس بدیس بھٹکتے ہو' وہ خواہش' وہ سکون' وہ خوشی تمہیں اس سال مل جائے۔ سالگرہ مبارک۔ تمہارے لیے دعا گو..... تمہارا بابا جانی۔"

اس کے بعد اگلا پیغام اس کے بھائی کا تھا۔ ان دونوں نے اسے کال بھی کی مگر رابطہ نہ ہو سکا تھا۔ وہ بابا جانی کو کال ملانے لگا۔



Digitized by Google

کافی دیر تک وہ بابا جانی اور بھائی سے باتیں کرتا رہا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ بھی پھیلی ہوئی تھی اور وہ کبھی کبھی ہنس بھی دیتا۔

"اچھا..... شبنم خود کیسی ہے؟" بابا جانی نے شبنم کی طرف سے بھی وش کیا تھا' تب ہی اس نے اس کے متعلق پوچھا اور پھر اس کی بات شبنم سے ہونے لگی۔ آج اس نے ایک طویل عرصے بعد اپنی فیملی سے اتنی طویل گفتگو کی تھی۔ آج اس کی سالگرہ تھی اور وہ سب اسے صبح سے وش کرنا چاہ رہے تھے۔ اسے اچھا لگا تھا۔ بات ہو جانے کے بعد وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوا اور خود کو بغور دیکھنے لگا۔ ماتھے پر بکھرے ہوئے بال' ہونٹوں پر مسکان' چہرے پر اطمینان..... اس نے اپنا یہ روپ کافی دنوں کے بعد دیکھا تھا۔ بابا جانی کہہ رہے تھے کہ ان کی دعا ہے کہ جو اس کی خواہش ہے' اس کی خوشی ہے' وہ اسے اس سال مل جائے۔

کیا ہے اس کی خوشی' اس کی خواہش' وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔ اب تو وہ یہ بھی بھول چکا تھا کہ خوش کیسے ہوا جاتا ہے۔ وہ ہنس لیتا تھا' مسکرا لیتا تھا' مگر خوش..... خوش پتا نہیں کیسے ہوا جاتا تھا۔ وہ تو بھول چکا تھا۔ بہت دیر تک وہ خود کو آئینے میں دیکھتا رہا۔

آج اس کی سالگرہ ہے اور ہر سال کی طرح وہ یہ سالگرہ بھی تنہائی کی نذر کر دے گا۔ وہ اپنے حالاتِ زندگی پر خود ہی مسکرا اُٹھا۔ پلٹ کر کمرے سے منسلک گیلری میں جا کھڑا ہوا۔ ٹھنڈی ہوا نے ہمیشہ کی طرح اس سے لپٹ کر استقبال کیا۔ وہ کچھ دیر تک آنکھیں بند کیے خاموشی سے ہوا کو اپنے اندر سموتا رہا۔ پھر دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔

سامنے' مگر دُور..... کونجا بیچ' سانتا کلارا کا جزیرہ نقطوں کی صورت دکھائی دے رہا تھا۔ کونجا بیچ سے اسے وہ نیلی آنکھیں یاد آ گئیں۔ مسکراتی ہوئیں' حیران' پریشان' گھبرائی ہوئیں۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور گہری ہوتی چلی گئی۔

"اور اگر میں اسے باحفاظت گھر نہ پہنچاتا تو.....؟" اچانک اس کے ذہن میں خیال کوندا۔ مسکراہٹ سمٹتی چلی گئی۔

مگر وہ کتنی پاگل تھی۔ میں اس کی حفاظت کر رہا تھا اور وہ مجھ سے گھبرا رہی تھی' خوف زدہ ہو رہی تھی۔ کیا اسے میں کوئی بدمعاش نظر آ رہا تھا۔ پاگل لڑکی تھی بالکل۔ وہ بے اختیار ہنس دیا..... پل پل بدلتے خیالات' پل پل بدلتے تاثرات۔ ایک زمانے بعد آج اس نے کسی کو سوچا تھا..... اور سوچ کر مسکرایا تھا اور اس تبدیلی سے وہ خود بھی انجان تھا۔

URDU TUBE
A HOME OF URDU
www.urdutube.com

کتنے دنوں بعد آج ان کی اس سے بات ہوئی تھی۔ نہ جانے وہ کب ماضی کے گرداب سے باہر نکلے گا۔ ہمیشہ کی طرح آج پھر انہوں نے خود سے سوال کیا اور جواب میں ہنوز خاموشی' سناٹا..... سناٹا وہ جو ایک زمانے سے ان کے اندر کنڈلی مارے بیٹھا تھا' انہیں اندر ہی اندر ڈستا ہوا۔ وہ خود اس اذیت میں مبتلا تھے' تو پھر وہ..... وہ کیسے ہولناک رات کا خوف اپنے اندر سے نکال سکتا تھا۔ وہ تو اس رات کی ہولناکیوں کا سب سے بڑا گواہ تھا۔ اسے جانتے تھے وہ۔ ان کے دل کا ٹکڑا تھا وہ۔ بے حد عزیز تھا انہیں وہ..... مگر ہزار کوششوں کے باوجود وہ اس کے وجود سے' اس درد' تکلیف' خوف کو نکال نہیں سکتے تھے۔ جو شخص خود اس اذیت میں مبتلا ہو' وہ بھلا کیسے کسی دوسرے کے درد کی دوا کر سکتا تھا۔ وہ خود بے بسی کی انتہا پر تھا۔ وہ رات اور اس کا خوف آج بھی ان کی زندگی پر مسلط تھا۔

اپنی عینک اُتار کر آنکھوں کے نرم گوشے صاف کرتے ہوئے وہ گیلری سے واپس اپنی دُنیا میں آ گئے' جہاں حماد اور شبنم شطرنج کی بازی جمائے بیٹھے تھے۔

"بات ہو گئی بھیا جانی سے بابا جانی.....؟" حماد نے ایک شریر سی نگاہ اُن پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ اس کی توجہ اس وقت شبنم پر مرکوز تھی' جو بہت سوچ سمجھ کر بازی چل رہی تھی۔

انہوں نے فقط مسکرا کر سر ہلانے پر اکتفا کیا اور دیوار پر نصب اسکرین کی جانب متوجہ ہو گئے' جہاں فٹ بال کے کھیل کا میدان اور اس کے اطراف ہجوم دکھایا جا رہا تھا۔ کھیل بس شروع ہو جانا تھا۔

"بابا جانی' میں نے محسوس کیا ہے' بھیا جانی میں ایک بڑی تبدیلی آ چکی ہے۔ وہ زیادہ دیر تک کسی ملک میں ٹک کر نہیں رہ



Digitized by Google

سکتے۔ اُن کے پیروں میں چکر ہے۔ دیس دیس' نگری نگری گھومتے مسافر کا روپ دھار چکے ہیں وہ۔ گھر اور گھر والوں سے علیحدہ رہنے کے عادی ہو چکے ہیں۔'' حماد اپنی دُھن میں کہہ رہا تھا۔ اُن کی توجہ میچ سے ہٹ گئی۔ انہوں نے حماد کی بات بغور سنی اور اس کے چہرے کو گہری نگاہوں سے دیکھا' جہاں ابھی بھی لاابالی پن موجود تھا مگر اس کے باوجود اس نے اپنے بڑے بھائی میں رونما ہوتی تبدیلی کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ مسکرا اُٹھے۔

''اچھی بات ہے نا برخوردار..... نگری نگری گھومنے والے کو مسافر کہتے ہیں اور مسافر جلد یا بدیر اپنے ٹھکانوں کو لوٹ آتے ہیں۔ وہ بھی ایک دن لوٹ آئے گا۔'' ہمیشہ کی طرح انہوں نے ارسل میں نمایاں ہونے والی اس تبدیلی کا مثبت پہلو دیکھا۔

''بابا جانی..... آپ تو بڑی سے بڑی بات میں بھی مثبت پہلو نکال لیتے ہیں۔ اب یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہوئی۔ اپنے دیس اور اپنوں کو چھوڑ کر نگری نگری انجان لوگوں میں بھٹکتے رہنا۔'' شبنم بھی اس بحث میں شامل ہوئی اس نے ابھی ابھی حماد کا مہرہ گرایا تھا اور اب بڑے اطمینان سے کہنی میز پر جمائے' دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ ٹکائے انہیں دیکھتے ہوئے بولی تو وہ ہنس دیئے۔

''معاف کیجیے گا محترمہ..... اور یہ بھی کوئی اچھی بات نہیں کہ غلط چال چل کر میرے مہروں کو پیٹ ڈالیں۔'' حماد نے اس کے کان پکڑ کر بروقت کھنچائی کی۔

''جی نہیں حماد بھائی..... آپ سچ مچ مجھ سے ہار رہے ہیں۔'' ہمیشہ کی بڑبولی شبنم نے دوبدو جواب دیا۔ وہ ان دونوں کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہونے لگے۔

''ایسے بات کرتے ہیں بڑے بھائی سے۔ بس قد نکال لیا ہے مگر عقل نہ جانے کب آئے گی اس لڑکی کو۔ صحیح کہا ہے پُرکھوں نے کہ لمبوں کی عقل گھٹنوں میں ہوتی ہے۔'' رضیہ بی بی شام کی چائے کے ساتھ دیگر لوازمات سے سجی ٹرے اُٹھائے لاؤنج میں داخل ہوئیں۔ شبنم کی پٹر پٹر چلتی زبان دیکھی تو گھرک ڈالا۔

''اماں بی آپ کی لاجک کا بھی جواب نہیں اگر لمبوں کی عقل گھٹنوں میں ہونے کی وجہ سے میری عقل گھٹنے میں ہے تو پھر تو حماد بھائی مجھ سے بھی زیادہ لمبے ہیں۔ یقیناً ان کی عقل ٹخنوں میں ہوگی۔'' اس کی ٹرین پھر پٹڑی سے اُتر گئی۔ حماد کو بھی بلاوجہ بیچ میں گھسیٹ لیا۔ اس نے آنکھیں نکال کر گھورا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''دیکھا..... دیکھا آپ نے صاحب' کتنی زبان چلنے لگی ہے اس لڑکی کی۔'' رضیہ بی بی نے کھانے کے لوازمات میز پر سجاتے ہوئے ان سے شکایت کی۔

''ارے رضیہ بی بی..... اپنے بھائی سے ہی چھیڑ خانی کر رہی ہے ناں..... کیوں جھڑک رہی ہیں بچی کو۔'' وہ پلیٹ سے بسکٹ اُٹھاتے ہوئے خوشگوار انداز میں رضیہ بی بی سے مخاطب ہوئے۔

''صاحب' آپ کی ایماء پر ہی یہ اتنی شیر بنی پھرتی ہے۔ لڑکی ذات ہے اس کے لیے اتنی آزادی مناسب بات نہیں۔'' رضیہ بی بی نے جھجکتے ہوئے دبے ہوئے لفظوں میں بہت کچھ کہنا چاہا۔ سامنے حماد کے ساتھ شطرنج کی بازی جمائے بیٹھی شبنم کے عادت واطوار نے انہیں اب پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔

''آپ سے بڑھ کر ہمیں اپنی بچی کی فکر ہے رضیہ بی بی' بے کار کے وہم نہ پالیں۔ شبنم ہماری ذمہ داری ہے آپ پریشان نہ ہوں۔'' وہ رضیہ بی بی کے ذہن میں پلتے خدشات بھانپ چکے تھے۔ ان خدشات کو دُور کرنے کے لیے رضیہ بی بی کو مطمئن کرنے لگے۔

''صاحب' اللہ کے بعد تو آپ ہی سب سے بڑا سہارا ہیں۔ بس رحمٰن کی ذات آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔'' رضیہ بی بی جانتی تھیں کہ وہ اب مزید شبنم کے حوالے سے کوئی بات نہیں کریں گے اس لیے خاموشی سے چائے کا کپ



Digitized by Google

اُٹھائے حماد کی جانب بڑھ گئیں۔

"اماں بی ہمیشہ حماد بھائی کو چائے کا کپ ہاتھ میں پکڑاتی ہیں اور مجھے خود اُٹھالانے کا کہتی ہیں۔ بڑا فرق کرتی ہیں آپ ہم دونوں بھائی بہن میں۔" اس نے منہ بسورتے ہوئے شکایت کی اور رضیہ بی بی کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لیں۔ نہ جانے یہ لڑکی بنتی ہے یا واقعی نادان ہے جو ساری حقیقت جان کر بھی انجان بنی رہتی ہے۔

"دیکھو چھوٹی بات فرق کی نہیں تہذیب کی ہے میں اماں بی کا خیال رکھتا ہوں تو اماں بی میرا خیال رکھتی ہیں اور تم نے آج تک اماں بی کو پانی تک تو پلایا نہیں مگر شکایتیں تمہیں ہزاروں ہوتی ہیں۔" اس بار حماد نے جم کر شبنم کی کھنچائی کی۔ رضیہ بی بی جی جان سے مسکرا اُٹھیں۔ حماد ایسا ہی پیارا تھا۔ ہر مشکل سے انہیں نکال لینے والا۔ انہوں نے جھٹ سے اس کا ماتھا چوما۔

"دیکھا..... دیکھا بابا جان..... کس طرح لاڈ ہو رہا ہے حماد بھائی سے اور میری تو کوئی قدر ہی نہیں۔" وہ نروٹھے پن سے کہتی اُن کے پاس جا بیٹھی۔ جانتی تھی اب وہ اس کا بھرپور ساتھ دیں گے۔

"ایکسکیوزمی..... میری ایک ضروری کال ہے۔" حماد کا موبائل بجا تو وہ معذرت کرتا ہوا وہاں سے اُٹھ گیا۔

شبنم کی شکایتوں کا سلسلہ جاری تھا۔ وہ بڑے غور سے اس کی لایعنی باتیں سن رہے تھے اور رضیہ بی بی بے بس نگاہوں سے اسے گھور رہی تھیں۔

"نہ جانے کب بڑی ہوگی یہ لڑکی؟" وہ زیرلب بڑبڑائیں۔

"بڑی تو ہو چکی ہے اب اور کیسی بڑی ہوگی؟ ذرا اس کے سراپے پر نگاہ تو ڈالو پھر بتاؤ کون سی کسر رہ گئی ہے بڑے ہونے کی۔" دل نے جواب دیا۔ رضیہ بی بی نے گھبرا کر شبنم کا سرتاپیر جائزہ لیا۔ وہ جوانی کی حدود کو چھو رہی تھی۔ دودھیا رنگت، ریشمی دراز بال، ہرنی جیسی آنکھیں، ستواں ناک، اُونچی اُٹھان..... وہ نہایت عام سے حلیے میں بھی قیامت ڈھانے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ وہ اب تک اسے بیٹی کی نگاہ سے دیکھتی آ رہی تھیں، سو اب تک اس کی حرکتیں بچپنا معلوم ہوتی تھیں، مگر آج جو تنقیدی نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی تو اندر تک لرز کر رہ گئیں۔ وہ اپنا اور اس کا ماضی جانتی تھیں، حال بھلے اطمینان بخش تھا مگر مستقبل انہیں ہولانے لگا تھا۔

URDU TUBE
www.urdutubes.com

کمرے میں آتے ہی اس نے اپنا لیپ ٹاپ آن کیا، اسکائپ پر سائن اِن ہوا، جہاں فاریہ پہلے سے ہی اس کی منتظر تھی۔

"ہوگئی تشریف آوری جناب کی.....؟" فاریہ نے نخوت سے ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔

"سوری یار، میں تھوڑا لیٹ ہوگیا۔" وہ جانتا تھا کہ تھوڑا لیٹ نہیں بلکہ اچھا خاصا لیٹ ہے، اسی لیے جھٹ سے خوشامدانہ انداز اختیار کیا۔

"تھوڑا لیٹ..... تم پورے بیس منٹ لیٹ ہو۔" فاریہ کا پارہ آسمان پر جا پہنچا تھا۔ اس کی ہنسی نکل گئی۔ سامنے اسکرین میں غصے کی شدت سے گلابی پڑتی فاریہ نے گھور کر اسے دیکھا۔

"تم ہنس رہے ہو؟" وہ ہنس رہا تھا، اسے صاف دکھائی دے رہا تھا مگر پھر بھی فاریہ کو اپنی خوب صورت، سیاہ آنکھوں پر اعتبار نہ تھا شاید۔ تب ہی ماتھے پر بل ڈالے اس نے استفسار کیا۔

"نہیں یار، میں ہنس نہیں رہا۔ میں تو بس ہنسنے کی اداکاری کر رہا ہوں۔" وہ چڑ گئی۔ حماد جان چکا تھا، تب ہی اسے مزید چڑایا۔ اسے چھیڑنے میں نہ جانے کیوں اسے بہت مزہ آتا تھا، شاید اس لیے کہ غصے میں تیکھا تیکھا بولتی وہ بے حد اچھی لگتی تھی اسے۔

"جھوٹ مت بولو..... مجھے صاف نظر آ رہا ہے کہ تم ہنس رہے ہو، تم مجھ پر ہنس رہے ہو حماد، ایک تو تم تاخیر سے آئے ہو اور



Digitized by Google

اس پر بجائے شرمندہ ہونے کے تم مجھ پر ہنس رہے ہو۔" اس نے بے یقین سی کہا۔ چہرے کے تنے ہوئے اعصاب افسردگی میں ڈھل گئے اور لہجے میں ناراضی نمایاں ہوئی۔

"نہیں نہیں..... فاریہ میں تم پر بالکل نہیں ہنس رہا دیکھو..... میں شرمندہ ہوں بہت زیادہ شرمندہ۔" وہ بوکھلا گیا۔ جانتا تھا کہ فاریہ کا لہجہ اور تاثرات محکمہ موسمیات کی طرح بن بادل کی برسات کی پیش گوئی کر رہے ہیں۔ اس نے جھٹ سے اپنے چہرے پر کھینچ تان کر اداسی بکھیری۔ زبردستی آنکھوں میں نمی بھری اور لہجے میں زمانے بھر کی شرمندگی سموئے منہ بسورے گویا ہوا۔

"یہ..... یہ تم شرمندہ ہو..... صاف نظر آرہا ہے اداکاری کر رہے ہو۔" حماد پکڑا گیا۔

"اور کہاں تھے تم اتنی دیر سے؟ ذرا بتاؤ تو....." اب وہ اس سے جرح کر رہی تھی۔

"یار شطرنج کی بازی چل رہی تھی۔" اس نے بالآخر حقیقت بتائی۔

"کس کے ساتھ؟" تیور مزید جارحانہ کر کے پوچھا۔

"شبنم کے ساتھ۔" عالم بے چارگی میں جواب دیا۔

"یعنی تمہارے لیے مجھ سے بات کرنے سے زیادہ اہم شبنم کے ساتھ شطرنج کی بازی کھیلنا ہے۔" وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ وہ انتہائی شکی نگاہوں کے حصار میں تھا حالانکہ وہ نگاہیں بے حد حسین تھیں۔ کاجل کی باریک دھار کھنچی ہوئی کمان کی طرح اٹھے ہوئے ابرو گھنیری پلکیں..... مگر فی الوقت اسے ان آنکھوں سے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

"فاریہ تم بھی ناں بات کو کہاں لے جاتی ہو اچھی طرح جانتی ہو شبنم میری بہن ہے پھر بھی....." اس بار حماد برا مان گیا۔

"جی بہن ہے مگر منہ بولی..... اور کل رات ہی میں نے ایک کلاسیکل انگریزی مووی دیکھی ہے جس میں ہیرو کو اپنی منہ بولی بہن سے دھواں دھار قسم کا عشق ہو جاتا ہے۔" وہ مشرق سے مغرب جا پہنچی اور حماد سر پیٹ کر رہ گیا۔ یہ صنف نازک کو مطمئن کرنا بھی ناں جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

"یو نو فاریہ..... کل رات میں نے بھی ایک مووی دیکھی تھی جس میں ہیروئن کی ہر وقت کی مشکوک نگاہوں نے ہیرو کو اس سے دور کر دیا تھا۔" حماد بری طرح چڑ کر بولا۔

"دیکھا پکڑ لیا..... دل میں چور ہے ناں زبان پر آ ہی گیا۔" فاریہ اس قدر خوشی سے چہکی جیسے کوئی بہت بڑا مجرم پکڑا گیا ہو۔

"تمہیں جو سمجھنا ہے سمجھو..... مجھے اب تمہیں کچھ نہیں سمجھانا۔" حماد نے روٹھے پن سے منہ پھیر کر کہا۔

"اچھا بابا..... سوری..... میں مذاق کر رہی تھی تمہیں پتا تو ہے کہ تمہیں تنگ کرنے میں مجھے کتنا مزا آتا ہے۔" وہ اس کے خفا چہرے کو دیکھ کر بے ساختہ ہنستے ہوئے بولی۔ وہ خاموش رہا۔

"مجھے پتا ہے حماد تم شبنم کو صرف بہن ہی نہیں ایک اچھا دوست بھی سمجھتے ہو میں بس ایسے ہی تمہیں ستا رہی تھی۔ اب معاف بھی کر دو ناں بابا۔" فاریہ حماد کی سنجیدگی دیکھ کر سنجیدہ ہو گئی۔

"اور جس دن میں نے تمہیں ستایا ناں تو روتی رہ جاؤ گی اور میں مناؤں گا بھی نہیں۔" اس کا موڈ ہنوز خراب تھا تب ہی اتنی بڑی بات کہہ گیا۔

"حماد پلیز..... اس طرح تو نہ کہو تم جانتے ہو تمہارے علاوہ میری دنیا میں اور ہے ہی کون میری تنہائیوں کے ساتھی صرف ایک تم ہی تو ہو۔" وہ اس کی "اس" دھمکی پر حد سے زیادہ سنجیدہ ہو گئی۔ سیاہ آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"اوکے..... نہیں کہتا کچھ بھی اور یہ تنہائی کا دورہ آج اچانک کیوں پڑ گیا تمہیں؟" حماد کو جلد ہی اپنی کہی گئی بات کی



Digitized by Google

کڑواہٹ کا احساس ہوگیا۔ سو فوراً ہی موضوع بدل دیا۔

"پاپا اور قمر جہاں آسٹریا گئے ہوئے ہیں' میں اور دادی ہیں گھر میں بس۔ دادی کی اپنی دُنیا ہے اور میری اپنی اور میری دُنیا میں اس وقت تمہارے علاوہ دُور دُور تک کسی کا نام و نشان نہیں ہے حماد۔" اس نے ایک جذب کے عالم میں کہا۔

"جانتا ہوں میں۔" حماد مسکرا اُٹھا تھا۔

❁.....❁.....❁

آج شام کو اسے میڈم فرنانڈس کے گھر جانا تھا۔ انہوں نے اسپیشل بچوں کے اسکول میں بطور کونسلنگ ٹیچر اس کی جاب لگوائی تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے آج اسے اپنے گھر مدعو کیا تھا۔ وہ اپنا سامان سمیٹ کر موبائل اُٹھا کر کونسلنگ روم سے باہر نکل گئی۔ آج جیسا بھی نہیں آئی تھی۔ اسے اکیلے ہی گھر جانا تھا۔ مین گیٹ سے باہر نکلتے ہی اس نے سواری کے لیے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی مگر نگاہ سامنے پڑتے ہی ٹھٹک گئی۔

وہ اپنی سیاہ کار سے پشت ٹکائے دونوں ہاتھ باندھے' سرمئی کوٹ پینٹ میں ملبوس کھڑا تھا۔ اس نے آنکھوں پر سیاہ گلاسز چڑھائے ہوئے تھے لہٰذا وہ یہ جاننے میں ناکام رہی کہ وہ کس جانب متوجہ ہے۔ یکا یک اس نے گلاسز آنکھوں سے ہٹائے اور سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ یوں جیسے اسی کا منتظر ہو۔

مرینہ کو خوشگوار حیرت نے آگھیرا۔ کیا وہ یہاں اسی کے لیے آیا تھا مگر کیوں اور اسے کیسے علم ہوا کہ وہ اسے یہاں ملے گی۔ ذہن میں طرح طرح کے سوال کلبلانے لگے تھے۔ مگر وہ اس کا مہربان تھا۔ اجنبی مہربان..... اس کے دل نے کہا اور وہ بے اختیار اس کی جانب بڑھی۔

"ہولا....." مرینہ نے مسکرا کر اسے مخاطب کیا۔ وہ ارسل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"ہولا..... مرینہ خاور۔" وہ بھی مسکرا لیا۔

"آپ میرا نام کیسے جانتے ہیں؟" وہ حیران ہوئی۔

"آپ کے لائبریری کارڈ کی وجہ سے۔" اس نے جیب سے والٹ نکال کر لائبریری کارڈ اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ.....! میرا لائبریری کارڈ..... شاید کل رات یہ پرس سے نکل کر گاڑی میں گر گیا تھا۔" وہ زیرلب بڑبڑاتے ہوئے کارڈ کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ وہ دلچسپی سے اسے مسکراتے ہوئے دیکھنے لگا۔

"آپ کی امانت آپ تک پہنچا دی..... اجازت اب میں چلتا ہوں۔" وہ اجازت طلب کرتے ہوئے واپس جانے کے لیے مڑا۔

"کیا میں آپ کا نام جان سکتی ہوں؟" اس کے اجازت طلب کرنے پر مرینہ نے چونک کر بے اختیار پوچھا۔

"ارسل۔" اس نے مسکرا کر اپنا نام اسے ایک بار پھر بتایا۔

"کیا بطور شکریہ آپ میرے ساتھ کافی پینا پسند کریں گے ارسل؟" وہ اپنے مہربان کا نام جان گئی تھی اور اس کی احسان مند بھی تھی۔

"یقیناً۔" ارسل نے اس کی آفر قبول کرتے ہوئے گاڑی کے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ وہ پُراعتماد انداز میں سیٹ پر براجمان ہوئی۔

کچھ دیر بعد ہی ان کی گاڑی "کیساڈی کیفے" کے سامنے جا رُکی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا کیفے ہاؤس تھا' جو مستطیل شکل میں بنا ہوا تھا۔ کیفے ہاؤس کا دروازہ سرمئی رنگ کا تھا اور اس کے بغل میں ہی ایک درمیانے سائز کی کھڑکی نصب تھی۔ کھڑکی کی سلائیڈ

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTA...
www.urdutubes.com



Digitized by Google

پر صاف شفاف، جگمگاتا ہوا شیشہ باہر کے منظر کا عکس دکھلاتا تھا۔ سرسبز ہرے بھرے درخت کھڑکی کے شیشے میں اپنا لہلہاتا عکس دیکھ کر خوشی کے مارے مزید جھوم رہے تھے۔ سرمئی دروازے کے دونوں اطراف ہر قسم کے خوش رنگ پھول پودوں کی کیاریاں قطار در قطار سجی ہوئی تھیں۔

وہ پہلی نظر میں ہی اس کیفے ہاؤس سے متاثر ہوا۔ سادہ، حسین، منفرد۔ اس نے دل ہی دل میں اس کیفے ہاؤس کو ان خطابات سے نوازا تھا۔

"کافی پینے کے لیے یہ میری سب سے پسندیدہ جگہ ہے۔" مرینہ نے مسکرا کر اسے اس جگہ کے حوالے سے اپنی پسندیدگی سے آگاہ کیا اور سرمئی دروازے سے کیفے کے اندر داخل ہوئی۔ ارسل بھی کیفے کے چاروں اطراف نظریں دوڑاتا مرینہ کی تقلید میں اندر داخل ہوا۔

کیفے کے اندر سکون و طمانیت کا احساس پھیلا ہوا تھا۔ میز اور کرسیاں دائرے کی صورت میں ایک دوسرے سے کچھ فاصلوں پر لگی ہوئی تھیں اور ان پر براجمان خوش لباس مرد اور عورتیں، خوش گپیوں کے ساتھ ساتھ کافی کی چسکیاں بھرنے میں مشغول تھے۔

"لاکو میرا سینیور....." مرینہ نے کاؤنٹر پر جا کر کیفے ہاؤس کے مالک کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"سی سینیورا.....!" کیفے کے مالک نے مسکرا کر خیر مقدمی انداز میں بائیں جانب اشارہ کیا جہاں لکڑی کی ہی صاف ستھری سیڑھیاں بالائی منزل کی طرف جا رہی تھیں۔

"ہمیں بالائی منزل پر جانا ہوگا۔" مرینہ نے اس کے نزدیک آ کر اسے آگاہ کیا۔

"تو پھر چلتے ہیں۔" آج کے دن وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔

"آپ کو یقیناً یہ جگہ پسند آئی ہوگی، مگر یہ کچھ بھی نہیں۔ آپ بالائی منزل کی رونق دیکھیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔" وہ خوش خوش سی اسے تجسس میں ڈال رہی تھی۔ ارسل نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر دوڑائی، گھڑی کے دائرے کا نصف حصہ بیت چکا تھا۔ پیڈرو نے انٹرویو سیشن کا اہتمام آج کر رکھا تھا، جس کا آغاز کچھ دیر میں ہی ہونے والا تھا۔ اس کا جلد پہنچنا ضروری تھا۔ وہ اسی فکر میں اُلجھا ہوا تھا، تب ہی مرینہ کی بات پر دھیان نہ دے پایا۔ مرینہ نے اپنی بات کا جواب نہ پا کر پلٹ کر اسے دیکھا تو اسے موبائل میں مصروف پا کر وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

بالائی منزل، نچلی منزل سے یکسر مختلف تھی۔ یہ ایک لمبی چوڑی بالکونی تھی، جس میں جا بجا میز اور کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ یہ بالکونی ایک چھوٹے سے پُر رونق چوک پر کھلتی تھی۔ کیفے کی بالکونی کے سامنے ہلکے گلابی اور کھلتے ہوئے زرد رنگ کی دکانیں تھیں۔ شاید یہ علاقے کا چھوٹا سا بازار تھا، جہاں خوب رونق لگی ہوئی تھی۔ سڑکوں کے کنارے کھجور کے درخت تھے۔ چوک کے عین وسط میں قدیم وضع کے ایک کھمبے میں لالٹین نما قندیل نصب تھی۔ سڑکوں کے کناروں پر بھی میز اور کرسیاں سجی ہوئی تھیں، جن پر براجمان بے شمار لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وہ دونوں بھی بالکونی کے گرل سے قریب میز اور کرسی پر جا بیٹھے۔ کچھ ہی دیر میں ایک نوجوان لڑکا مینو کارڈ اُٹھائے چلا آیا۔

"آدھا دن گزر چکا ہے، میں نے سوچا کافی سے پہلے یہاں دن کا کھانا بھی کھا لیا جائے۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے اپنے خیال کے حوالے سے سامنے بیٹھے محویت سے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیتے شخص کو آگاہ کیا۔

"خیال تو اچھا ہے..... مگر میری وجہ سے آپ کو گھر جانے میں دیر نہ ہو جائے۔" وہ چونکا اور چاہتے ہوئے بھی سامنے بیٹھی لڑکی کو انکار نہ کر پایا۔ نہ جانے کیوں۔

"نہیں..... دراصل میں کافی شرمندہ ہوں، کل رات آپ میری مدد کرنا چاہ رہے تھے، تب میں نے آپ کو غلط سمجھتے ہوئے



Digitized by Google

کافی غلط رویہ اپنایا' میرے اتنے غلط رویے کے باوجود آپ نے کل میری نہ صرف مدد کی بلکہ آج بھی آپ میرا لائبریری کارڈ لوٹانے یہاں تک آئے۔ آپ کے لیے ایک اچھا سا لنچ میری طرف سے تو بنتا ہے ناں۔ مجھے خوشی ہوگی اگر آپ لنچ کی دعوت قبول کریں گے تو۔"

"مجھے خوشی ہوگی آپ کے ساتھ لنچ کرنے میں۔" ارسل نے مختصر سے اس ایک جملے میں ساری بات نمٹائی۔ اس پشیماں سی لڑکی نے کچھ اس سادگی سے احساسِ شرمندگی کو بیان کیا کہ اس کے پاس انکار کا کوئی راستہ نہ بچا تھا۔

مرینہ یہ تو جان چکی تھی کہ اس کا مہمان کم گو ہے اور اس کے اتنے اصرار پر وہ مروتاً راضی ہوا ہے' اس لیے اس کی کم گوئی کا اس نے ذرا بھی برا نہ منایا۔ اسی وقت ان کی میز کو چھری کانٹوں اور چینی کے پیالوں سے سجایا گیا تھا۔ سب سے پہلے "گازپاچو" پیش کیا گیا تھا۔ (کچے ٹماٹروں اور کالی مرچوں سے تیار کردہ سوپ) گو کہ مرینہ آداب میزبانی کا ایک اصول سرے سے نبھا بیٹھی تھی' تمام کھانے اس نے اپنی پسند کے منگوائے تھے۔ اتنا تو اسے خیال ہی نہ رہا کہ بیچارے مہمان کی بھی کوئی پسند' ناپسند ہوگی۔ بہرکیف گازپاچو کے پیالے اُن دونوں کے آگے رکھے تھے اور ارسل کو پس و پیش میں مبتلا کر رہا تھا۔ آیا کہ وہ پیے کہ نہ پیے۔

"یہ گازپاچو ہے' بہت بہترین سوپ..... آپ نے پہلے کبھی پیا نہیں؟" مرینہ نے سوپ سے لطف اندوز ہوتے یونہی سر اُٹھا کر دیکھا تو ارسل نشش و پنج میں مبتلا تھا۔

"نہیں..... اس گازپاچو سے یہ میری پہلی ملاقات ہے۔" ارسل نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"لو سنتو..... (معذرت) مجھے لگا شاید آپ گازپاچو شوق سے پیتے ہوں گے۔" وہ معصومیت سے کہتی پھر سے شرمندگی کے ساگر میں ڈوبنے لگی۔

"ارے نہیں' کوئی بات نہیں..... میں پینے کی کوشش کرتا ہوں۔" اس لمبی سی لڑکی کو پھر سے شرمندہ کرنے کا ارادہ اس کا بالکل بھی نہ تھا۔ ارسل نے سوپ کا پہلا چمچ منہ میں بھرا' ذائقہ گزارے لائق تھا۔ مرینہ کی بے قرار منتظر نگاہیں اس کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔

"اچھا ہے۔" ارسل نے گازپاچو کو گھونٹ گھونٹ حلق سے اُتارتے ہوئے سامنے بیٹھی مرینہ کے چہرے کو دیکھا۔ اس کے فکر انگیز تاثرات کو بھانپا اور مسکرا کر کہا۔

"اچھا لگا ناں.....؟ مجھے پتا تھا آپ کو ضرور پسند آئے گا۔" وہ خوش ہوئی اور اسے یوں خوش ہوتا دیکھ کر وہ یک دم ہنس دیا۔

"اچھے لگتے ہیں آپ ہنستے ہوئے' شاید اسی لیے کم ہنستے ہیں۔" مرینہ نے مسکرا کر ارسل کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا اور اگلے ہی پل ارسل کے لبوں پر تھرکتی ہنسی تھم گئی۔

ایک نوعمر لڑکے نے ٹراؤٹ مچھلی کی دو پلیٹیں لا کر ان دونوں کے سامنے رکھ دیں۔ سالم ٹراؤٹ مچھلی پلیٹ پر بچھی ارسل کا منہ چڑا رہی تھی۔ اسے مچھلیاں کھانا کچھ خاص پسند نہ تھا۔

"مجھے یقین ہے آپ مچھلی شوق سے کھاتے ہوں گے' تب ہی میں نے خاص طور پر ٹراؤٹ مچھلی منگوائی ہے۔ اس کا مزہ کونجا کی بستی والا تو نہیں مگر ذائقے دار بہت ہے۔" مرینہ نے پھر سے اپنی رائے دی اور وہ اس کی بات پر مسکرا بھی نہ سکا۔

"عجب مشکل میں پھنس گیا ہوں۔" وہ دل ہی دل میں بڑبڑایا۔ مشکل یہ تھی کہ وہ چاہتے ہوئے بھی سامنے بیٹھی لڑکی کو انکار نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ جب بھی اپنی نیلی آنکھیں اس کے چہرے پر جماتی' لفظ اس کے اندر ہی اندر منجمد ہو کر رہ جاتے۔ ابھی بھی وہ گومگو کیفیت میں بیٹھا سامنے مرینہ کو مزے سے مچھلی کھاتا دیکھ رہا تھا۔

"آپ کھا کیوں نہیں رہے؟ میرا یقین کریں' مچھلی واقعی ذائقے دار ہے۔" وہ اسے گم صم سا بیٹھا دیکھ کر پھر چہکی۔ ارسل کو اب



Digitized by Google

بہر حال کچھ تو کرنا تھا۔ یا تو انکار یا پھر مچھلی پر ہاتھ صاف اور انکار وہ کر نہیں پا رہا تھا۔ وہ اپنی اس کیفیت پر اندر ہی اندر جھنجلاتا ہوا پریشان ہوا۔ اس نے اسی کیفیت کے زیر اثر کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر دوڑائی۔ دائرہ مکمل ہو کر بھی آگے بڑھ چکا تھا۔ انٹرویو سیشن کا خیال اس کے ذہن میں جھماکے کی صورت وارد ہوا۔ اسے یہاں سے جلدی نکلنا ہوگا۔ اس کے لیے آج یہ مچھلی کھانا پڑے گی۔ یہ سوچتے ہوئے بالآخر اس نے سالم ٹراؤٹ پر کانٹا چبھو ہی دیا اور کانٹا چبھتے ہی سالم ٹراؤٹ خستہ ٹکڑوں میں بکھر گئی۔ اس نے کانٹے کے سہارے اس خستہ ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھا۔ ٹکڑا منہ میں جاتے ہی گھل گیا۔ مچھلی واقعی ذائقے دار تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے مچھلی کھانا اچھا لگ رہا تھا۔ ٹراؤٹ کے بعد کافی کا دور چلا۔ وہ کافی کی چسکیاں بھرتے اپنے کیفے کے حوالے سے آگاہ کر رہی تھی۔

"میرے خیال سے اب ہمیں بھی چلنا چاہیے۔" ارسل نے کافی کا خالی مگ میز پر رکھتے ہوئے مرینہ سے کہا۔ مرینہ اس سے متفق ہوتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ دونوں ایک ساتھ ہی کیفے سے باہر نکلے۔

مرینہ نے شکریہ کے ساتھ ساتھ ارسل کو اللہ حافظ کہا۔ اس سے قبل کہ وہ دونوں اپنے اپنے راستوں کی جانب بڑھتے سیاہ لباس میں ملبوس ایک بوڑھی عورت سر پر سیاہ رومال باندھے یاسمین کے کنگنوں کا ٹوکرا اٹھائے تیزی سے ان کی جانب لپکی اور لجاجت کے ساتھ کنگن لینے پر اصرار کرنے لگی۔ ارسل معذرت کر کے گاڑی کی جانب بڑھنے لگا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے ایک سرسری سی نگاہ مرینہ پر ڈالی اور ٹھٹک گیا۔ مرینہ اس بوڑھی عورت کے ہاتھ میں اچھی خاصی رقم رکھ رہی تھی۔ دفعتاً اسی وقت موبائل پر پیڈرو کی کال آگئی۔ اس کی غیر موجودگی کے باعث پیڈرو نے کچھ انٹرویوز کے بعد باقی تمام اُمیدواروں کا انٹرویو کل پر رکھ دیا تھا۔ پیڈرو سے بات ہونے کے بعد اس نے نگاہ دوبارہ مرینہ کی جانب کی وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ مرینہ اس بڑھیا کے ساتھ ساتھ اُن یاسمین کے کنگنوں کو بیچنے میں مدد کر رہی تھی۔

"کتنی مختلف ہے یہ لڑکی..... نہ جانے پھر کبھی اس سے ملاقات ہو نہ ہو۔" خود سے ہمکلام ہوتا وہ مرینہ کو سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ ایک میٹھی سی مسکان نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا۔ آج تو وہ اَن گنت بار وجہ بے وجہ مسکرایا تھا۔ گاڑی ریورس کر کے اس نے ایک آخری نگاہ دُور ہوتی مرینہ پر ڈالی اور اپنی منزل کی جانب بڑھ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

وہ کتنے دنوں سے ایسے خوددار انسان کی تلاش میں تھی جسے وہ اس کی امانت سونپ سکے۔ وہ امانت جو وہ کتنے دنوں سے اپنے بیگ میں لیے پھر رہی تھی۔ آج اس کنگن بیچتی بڑھیا کی آنکھوں کی نمی میں کھلی مجبوری و بے کسی اس کی نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکی۔ اس نے وہ رقم بہلا پھسلا کر بڑھیا کے حوالے کرنے کی کوشش کی مگر بڑھیا خوددار تھی، وہ نہ مانی تب ماریانہ نے دوسرا راستہ اپنایا۔ یہ تو طے تھا کہ مدد اسی بڑھیا کی کرے گی لہٰذا اس نے بڑھیا کے گہنے بیچنے میں اس کی مدد کرنا شروع کر دی اور اس بہانے اس نے وہ رقم آہستہ آہستہ بڑھیا کو پہنچا دی، ضعیف ہونے کے باعث بڑھیا کا ذہن اور نظر دونوں کمزور تھے۔ وہ ماریانہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کے دیے گئے پیسوں کو رکھتی چلی گئی، بڑھیا کی مدد کر کے وہ بے حد خوش تھی اور اب گرینی سے کال پر بات کرتے ہوئے وہ گھر کی راہ لے چکی تھی۔

"گرینی..... آپ میرے لیے پریشان ہونا چھوڑ دیں۔ میں اب کوئی بچی تھوڑی ہوں۔" اس نے گرینی کے سوالوں کا کھلکھلاتے ہوئے جواب دیا۔

"ماریانہ..... کتنی ہی بڑی ہو جاؤ میری بیٹی، میری فکریں تمہارا پیچھا چھوڑنے والی نہیں۔" گرینی غالباً مسکرائی تھیں۔ وہ گرینی کی اس محبت پر مسرور ہوئی قبل اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتی اس کی نگاہ کچھ فاصلے پر رکتی گاڑی پر پڑی اور وہ وہیں ساکت ہو کر رہ گئی۔



Digitized by Google

گاڑی میں موجود فیملی اتر کر شاپنگ مال کے اندر داخل ہوئی تھی اور وہ خاموشی سے ان لوگوں کو اندر جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

"ماریانہ خاموش کیوں ہو..... سب ٹھیک تو ہے ناں؟" گرینی نے اس کی مسلسل خاموشی سے پریشان ہو کر پوچھا۔

"میں گھر آ کر بات کرتی ہوں گرینی۔" اتنا کہہ کر وہ کال منقطع کر کے بے چین قدموں سے شاپنگ مال کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

❁.....❁.....❁

سوچتے ہوئے کب ان کی آنکھ لگی تھی، انہیں خود خبر نہ ہوئی۔ صبح جب آنکھ کھلی تو حواس بحال ہوتے ہی رات کا منظر کسی فلم کی مانند نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا تھا۔

"اجنبی دوشیزہ۔" ان کے لب ہولے سے پھڑپھڑائے اور وہ ہڑبڑاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ کمرہ خالی تھا۔ بستر شکن آلود تھا۔ اس کے علاوہ کمرہ جوں کا توں ویسا ہی تھا جیسے رات میں وہ چھوڑ گئے تھے۔

"وہ کہاں گئی، کہیں چلی تو نہیں گئی؟" یاور بخت کو خدشے نے ستایا۔ وہ آن کی آن میں کمرے سے نکلے اور متلاشی نگاہوں سے اسے تلاش کرتے ہوئے راہداری کی طرف بڑھے ہی تھے کہ کچن سے آتی کھڑپٹر کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ وہ کچن کی جانب بڑھے اور دروازے سے جھانک کر دیکھا۔ وہ وہیں کیبنٹ کھولے کھڑی کچھ تلاش کر رہی تھی۔ اس کی پشت ان کے سامنے اور پشت پر بال بکھرے تھے۔ یاور بخت ان سیاہ زلفوں کو تکتے رہے، کسی مقناطیسی قوت کے زیر اثر ان کے قدم خود بخود ہی اس جیتی جاگتی قیامت کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ عین اس کے عقب میں جا کھڑے ہوئے۔ اس کی زلفوں سے اٹھتی بھینی بھینی خوشبو ان کے حواسوں پہ چھانے لگی۔ وہ بے خبر تھی اور بے خبری میں پلٹی اور اس کے یوں عالم بے خبری میں پلٹنے سے دل دھڑک اٹھا تھا۔

URDU TUBE
www.urdutube.com

وہ یاور بخت کو اتنا نزدیک پا کر دھڑکتے دل کے ساتھ دیوار سے جا لگی۔ اس کے مرگ نین سے ساگر جھلکتے تھے۔ یاور بخت از خود رفتگی کے عالم میں مزید اس کے قریب ہوئے یہاں تک کہ اس کی سانسوں کی حرارت انہیں اپنے چہرے پر محسوس ہونے لگی۔ ایک انجانی سی کیفیت یاور بخت کو اپنے اندر محسوس ہونے لگی ان کی نگاہیں اس مرمریں وجود کا بے قراری سے طواف کرنے لگیں۔

"صاحب....." ان کی سانسوں میں جلتے انگاروں کی آنچ سے اس کا چہرہ جب جھلسنے لگا تو اس کے ترش گداز لب ہولے سے پھڑپھڑائے۔ یاور بخت چونکے، بے قراری کی چادر ان کے وجود سے ذرا سی سرکی اور وہ پشیمانی سے اِدھر اُدھر دیکھتے کچھ قدم پیچھے ہٹے۔

"نام کیا ہے تمہارا؟" اپنی بے قراریوں کی لگام موڑنے کی غرض سے وہ پاٹ دار آواز میں مخاطب ہوئے۔

"سجل نام ہے صاحب۔" وہ متوحش سی بولی۔

"سجل....." وہ سرگوشی کے سے انداز میں زیر لب گویا ہوئے، سجل نے متوحش نگاہوں سے اپنے سامنے کھڑے بے قرار انسان کو دیکھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی تھیں؟" یاور بخت اب خود پر قابو پا چکے تھے۔ کچن کا جائزہ لیتے ہوئے اس سے استفسار کیا۔

"وہ بھوک لگی تھی صاحب۔" اس کے کپکپاتے ہوئے لبوں نے اپنی مجبوری کو الفاظ میں ڈھالا۔

"اوہ ہاں..... تم ایسا کرو کمرے میں جاؤ، میں کھانے پینے کا کچھ انتظام کرتا ہوں۔" انہوں نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ سجل کے کچن سے باہر نکلتے ہی وہ سر تھام کر رہ گئے۔



Digitized by Google

وہ بے چاری مظلوم لڑکی اپنے پیٹ کی بھوک مٹانے کی غرض سے کچن میں آئی تھی اور ان کے نفس کی بھوک جاگ اٹھی تھی وہ خود پر لعن طعن کرتے ہوئے چائے بنانے لگے۔کل رات ملازموں کو انہوں نے خود ہی چھٹی دے دی تھی۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی غیر لڑکی کی ان کے گھر میں قیام کی خبر جنگل کی آگ کی طرح مخالف حلقوں میں پھیل جائے سلائس پہ جیم لگا کر ٹرے میں چائے کے دو کپ سجا کر یاور بخت نے اس کمرے کا رخ کیا جہاں سجل ان کی منتظر تھی۔

”ہاں اب بتاؤ ماجرا کیا ہے؟“ سجل کے پیٹ کی آگ بھرتے ہی انہوں نے وہ سوال پوچھا جو کب سے ان کے دماغ میں کلبلا رہا تھا۔سجل کچھ پل کی خاموشی کے بعد اپنی بپتا یاور بخت کو سنانے لگی۔

سجل شہر سے قریبی گاؤں کی رہائشی تھی۔اس گاؤں کے چودھری کی بری نگاہ سجل کے حسین سراپے پر تھی ایک دن چودھری کے سر چڑھے بیٹے کا سجل کے بھائی سے جھگڑا ہو گیا اس جھگڑے میں چودھری کا نوعمر بیٹا بری طرح زخمی ہو گیا چودھری نے سجل کے بھائی کو سزا کے طور پر جیل میں ڈلوادیا۔سجل کے والدین کی بڑی منت سماجت کرنے پر چودھری نے سجل کے بھائی کو معاف کرنے کی شرط ان کے سامنے رکھ دی۔چودھری نے سجل کو حویلی کی کل وقتی ملازمہ کے طور پر رکھنے کا حکم دیا تھا۔بات صرف یہاں تک ہوتی تو بھی ان غریبوں پر کرم ہوتا مگر حویلی میں رکھنے کے بعد سجل سے اس کے والدین کو ہمیشہ کے لیے تعلق ختم کرنے کا کہا گیا تھا۔

وہ جو بھی تھی چہرہ چادر سے چھپائے ہوئے تھی۔اس کچے پکے گھر کے کواڑ پر نصب زنگ آلود کنڈے کو دستک کے سے انداز میں دھیرے سے ہلا ڈالا اس ویران سناٹے میں دستک کی آواز ابھری اور پھر مدھم ہوتی چلی گئی کچھ ثانیے کے بعد اس عورت نے یہی عمل دہرایا۔

”کون ہے بھئی اس پل رات کے؟“ جھنجلاہٹ و فکر سے لبریز ایک مردانہ آواز تاریکی میں گونجی اور اگلے ہی پل دروازے کا گھر اینلا کواڑ ایک چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا درمیانے عمر کا خوش شکل مرد آنکھیں ملتا دروازے پر کھڑا حیران و پریشان سا ادھر ادھر تک رہا تھا باہر کوئی بھی نہ تھا، دفعتاً اس کی نگاہ اپنے قدموں پر پڑی چند ماہ کا ننھا وجود گدڑے کی آغوش میں قید اس کے نگاہ کرم کا منتظر تھا۔اس شخص نے بے ساختہ لاوارث وجود کو گود میں اٹھالیا۔ادھر ادھر گھبرائی ہوئی نگاہ دوڑائی اور جھٹ سے دروازہ بند کر کے اندر چلا آیا۔وہ قریبی چھتنار کے گھنے درخت کی اوٹ سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔

”اری نیک بخت......دیکھو تو ذرا کون اس معصوم کو ہمارے گھر کے دروازے پر چھوڑ گیا ہے۔“ مکان کے چھوٹے سے کچے صحن سے آتی سرگوشی نما آواز نے اس کی سماعت پر ہولے سے دستک دی ایک دلخراش سی مسکراہٹ اس کے زخمی لبوں پر آ ٹھہری۔

”دکھاؤ مجھے......گود میں دو اسے۔“ نیک بخت کی ہڑبڑائی ہوئی سرگوشی سناٹے میں سرسرائی، درخت کی اوٹ میں چھپی عورت کا رواں رواں سماعت بن گیا تھا۔

”اس کے گلے میں ایک لاکٹ ہے کھول کر دیکھو ذرا اسے۔“ نیک بخت نے غالباً سنہری لاکٹ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

اس کے شوہر نے مستعدی کے ساتھ لاکٹ کھولنا شروع کر دیا۔

لاکٹ کھل گیا تھا۔اس دل کی شکل کے لاکٹ کے اندر دو چھوٹی چھوٹی تصویریں چسپاں تھیں۔ان تصاویر کو دیکھ کر ان دونوں میاں بیوی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

”اس کے گدڑے میں ایک رقعہ بھی چھپا ہوا ہے۔“ مرد کی سنسناتی آواز نے اس عورت کو مزید چونکایا۔

نیک بخت نے وہ رقعہ جھٹ سے کھول کر بے قراری سے پڑھنا شروع کیا۔جوں جوں وہ پڑھتی گئی اس کے چہرے کی



URDU TUBE
www.urdutubes.com
Digitized by Google

رنگت ماند پڑتی گئی۔

"وہی ہے...... وہی ہے خان...... وہی ہے...... اسی نے ہمارے لیے یہ رقعہ لکھا ہے۔ تم دروازہ کھولو۔ وہ باہر ہی کھڑی ہوگی خان۔" نیک بخت کے لہجے میں حزن کی آمیزش تھی۔

"نہیں، باہر کوئی بھی نہیں ہے۔ تم بتاؤ کیا لکھا ہے اس رقعے میں۔" خان اضطرابی کیفیت کا شکار ہوا تھا۔

"وہ اس زنجیر سے خود کو آزاد کرنے جارہی ہے خان جسے زندگی کہتے ہیں۔" ایک سرد آہ نیک بخت کے لبوں سے خارج ہوئی اور وہ دونوں شکست خوردہ سے انداز میں چارپائی پر کسمسائے اور اس بدنصیب وجود کو تکنے لگے۔

نیک بخت اور خان جان چکے تھے کہ ان کی آنگن میں سانس لیتی اولاد کس کی تھی، وہ مطمئن ہو چلی۔ چھتنار کے درخت کی اوٹ سے نکلتی واپسی کے سفر پر قدم بڑھادیے۔ عجب شکست خوردگی تھی اس کے انداز میں، خود سے بے پرواہ بے نیازی چال، سیاہ شال اس کے جسم سے ڈھلکتی چلی گئی۔ جوڑے کی شکل میں لپٹے دراز سیاہ بال کسی ناگن کی صورت کمر پر رینگنے لگے۔ رات کی تاریکی میں مزید اضافہ ہو چلا تھا۔ جھینگروں نے بھی جیسے آہ و زاری کا راگ تیزی سے الاپنا شروع کردیا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ نگاہوں سے دور ہوتی چلی گئی۔ اس کا غم ویاس میں ڈوبا وجود ایک نقطہ بن کر رہ گیا تھا، ایک بے وزن نقطہ۔

عشق کی ایک روح فرسا داستان کے ایک باب کا اختتام ہونے جارہا تھا۔

چارہ گر ہار گیا ہو جیسے
اب تو مرنا ہی دوا ہو جیسے

انتہائی خوب صورت اور جدید تراش خراش کے ملبوسات اس کے بستر پر بکھرے ہوئے تھے اور وہ حیرت زدہ سی ان دیدہ زیب ملبوسات کو تک رہی تھی۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT

"یہ......! یہ سارے کپڑے میرے لیے ہیں؟" وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے کبھی ان قیمتی کپڑوں کو دیکھتی تو کبھی سینے پر ہاتھ باندھے کھڑے یاور بخت کو۔

یاور بخت نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"یہ سب بڑے اچھے ہیں، بڑے پیارے ہیں۔" اس نے خوش ہو کر ان ملبوسات پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ان میں سے جو تمہیں مناسب لگے وہ جاکر پہن لو، تمہارا پہنا ہوا یہ لباس کچھ مناسب نہیں۔" یاور بخت نے اس کے شہد آگیں وجود سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ نجل نے سیاہ و سرخ رنگ کے امتزاج کا لباس اٹھایا اور جھٹ سے باتھ روم میں گھس گئی۔

یاور بخت ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اس کے کمرے سے باہر آگئے۔ دفعتاً ان کا موبائل بج اٹھا۔ کال عزیز کی تھی۔ یاور بخت نے کال ریسیو کر کے موبائل کان سے لگایا۔

"یہ بتاؤ یاور...... اس لڑکی کا تم نے کیا کیا؟ گھر سے باہر کیا یا نہیں۔" ابتدائی کلمات کے بعد عزیز نے فکر مندی سے پوچھا۔

"نہیں...... وہ اب تک یہیں ہے یار...... وہ مشکل میں گرفتار لڑکی ہے، میں گھر سے نکال دوں گا تو وہ پھر سے اسی دلدل میں جا پھنسے گی۔" یاور بخت نے جھجکتے ہوئے عزیز کو اپنے خدشے سے آگاہ کیا۔

"کیسی بے وقوفی کی باتیں کرتے ہو یاور بخت...... تم نے کب سے مظلوم عورتوں کا ٹھیکہ لینا شروع کردیا' جانتے بھی ہو اس طرح کے معاملات تمہارے لیے کتنے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں' پارٹی تمہیں الیکشن میں کھڑا کرنے کی تیاری کررہی ہے اور تم بخوبی جانتے ہو کہ مخالف پارٹی نے محمود بیگ کو کسی شکاری کتے کی طرح تمہارے پیچھے لگا رکھا ہے اور تم نجانے کن چکروں


Digitized by Google

میں پڑ گئے ہو۔" عزیز یاور بخت کی بات پر شدید خفا ہوا، خفا ہونے والی بات بھی تھی۔ ڈاکٹر نے اس لڑکی کے حسن وخوب صورتی کا جو نقشہ کھینچا تھا اس نے عزیز کو بھی پریشانی میں مبتلا کرڈالا تھا۔

"تم فکر نہ کرو عزیز میں جلد ہی اس مصیبت کا کچھ انتظام کرتا ہوں۔ دراصل عورت ذات ہے ناں یار ایسے ہی گھر سے نکال باہر نہیں کرسکتا۔" وہ عزیز کی فکر کو سمجھتے ہوئے نرمی سے سمجھانے لگے۔

"مذاق نہ کرو یاور بخت...... مسئلہ عورت کا نہیں اس کے حسن کا ہے اور کیا میں ان باتوں کو سمجھتا نہیں ہوں۔ یاور میرے بھائی، یہ وقت نہیں ہے اس کے حسن سے اپنی پیاس سیراب کرنے کا، اس کا ذکر ہی تمہارے لیے ان دنوں زہر ثابت ہوسکتا ہے سو جتنا جلد ہوسکے اس آفت کو فارغ کرو۔" عزیز برس ہی پڑا حقیقت اس نے یاور بخت کے منہ پر طمانچے کی صورت ماری تھی یاور بخت بھنا کررہ گیا۔ اگر عزیز ان کا جگری دوست نہ ہوتا تو وہ تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے اسے اس کی اوقات یاد دلادیتے مگر عزیز نہ صرف ان کا جگری دوست تھا بلکہ پارٹی سے رابطے کا سہولت کار بھی تھا۔

بہرحال عزیز کی تلخ باتوں نے انہیں اندر تک سلگا کر رکھ دیا تھا۔ وہ تسلیم کریں یا نہ کریں خیر سے یہ حقیقت ہی تھی کہ وہ سجل کے منہ زور بے لگام حسن سے مرعوب ہوچلے تھے۔

"صاحب......" یاور بخت بھنائے ہوئے کھڑے تھے جب عقب سے آتی صدا نے انہیں پلٹنے پر مجبور کردیا۔

"کیا مصیبت ہے یار؟" وہ غصے سے بڑبڑاتے ہوئے پلٹے اور ٹھٹک کررہ گئے۔ سامنے مصیبت شعلہ جوالہ بنی کھڑی تھی۔ سرخ وسیاہ رنگ اس کی سنہری رنگت پر غضب ڈھا رہا تھا۔ کچھ دیر قبل امڈ کرآنے والا غصہ موم کی طرح پگھل گیا تھا۔

"جچ رہا ہے ناں صاحب؟" وہ خوش ہوتی ان سے پوچھ رہی تھی۔

"ہونہہ خوب جچ رہا ہے۔" یاور بخت بہ مشکل خود کو سنبھالتے ہوئے کہہ پائے۔ سجل خوش تھی۔ گھوم گھوم کر فراک کے گھیر کو دیکھ کر مسرت کا اظہار کررہی تھی۔ وہ الہڑ تھی، اس کی اداؤں میں ندرت تھی اداتھی، جو کہ یاور بخت کے لیے آتش افروز ثابت ہورہی تھی۔ وہ بہ مشکل خود پر ضبط کرتے ہوئے اندر کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

شام کو انہیں ایک ضروری میٹنگ میں جانا تھا۔ انہوں نے کھانے پینے کا کافی سامان کچن میں لاکر رکھ دیا تھا۔ سجل کو کھانے پینے کے حوالے سے ضرور تاکید کرکے وہ چلے گئے تھے۔

میٹنگ میں مخالفین کے حوالے سے کچھ منفی پروپیگنڈے کی بابت اطلاعات تھیں الیکشن کے حوالے سے مختلف لائحہ عمل کو ترتیب دینا تھا اور ان تیاریوں کا خاکہ بنانے کے لیے کچھ دن مزید انہیں اسلام آباد ٹھہرنا تھا۔ اس دوران کراچی کے معاملات وہ علوی صاحب کے سپرد کرآئے تھے۔ علوی صاحب ان کے ماتحتوں میں سب سے قابل اعتماد ساتھی تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں تمام کاروباری معاملات انہی کے سپرد ہوتے تھے اور یہ ان کی ذمہ داری تھی کہ کاروبار کے تمام معاملات سے وہ صبیحہ کو بھی بخوبی آگاہ رکھیں۔ وہ میٹنگ سے گھر واپسی پر مستقل صبیحہ کو کال ملا رہے تھے مگر صبیحہ ان کی کال وصول نہیں کررہی تھیں۔

"نجانے صبیحہ کہاں مصروف ہے؟" انہوں نے بڑبڑاتے ہوئے موبائل برابر والی فرنٹ سیٹ پر پٹختے ہوئے جھنجلا کر کہا اور گاڑی اسٹارٹ کردی، انہیں کچھ اہم کاروباری امور کے حوالے سے صبیحہ کو کچھ تاکید کرنی تھی نیز انہیں معلوم ہوا تھا کہ محمود بیگ نے کاروبار کے ساتھ ساتھ ان کے گھر پر بھی نظر رکھنا شروع کردی۔ وہ بہت سی باتوں سے صبیحہ کو خبردار کرنا چاہتے تھے۔ ان کی اسلام آباد میں موجودگی کے بنا پر صبیحہ گھر میں اکیلی بھی تھیں اور بہت سی باتوں سے بے خبر بھی۔ انہی خیالوں میں گم گیراج میں گاڑی پارک کرکے جب وہ اپنے کمرے کی جانب رخ کرنے لگے تو پراٹھوں کی اشتہا انگیز خوشبوؤں نے ان کے قدموں کا رخ غیر ارادی طور پر کچن کی جانب موڑ دیا۔

سجل سامنے کھڑی، دوپٹے سے بے نیاز، سبک روی سے پراٹھے بیلنے میں مصروف تھی۔ وہ کھنکھارے۔ سجل بے اختیار ان



Digitized by Google

کی جانب پلٹی۔

''صاحب..... آپ آگئے۔'' وہ آستین سے چہرے اور گردن پر بہتے پسینے کو صاف کرتی گویا ہوئی اور اگلے ہی پل روانی سے کولر سے پانی کا گلاس بھر کرانہیں پیش کرنے کی غرض سے آگے بڑھی۔

''شکریہ۔'' یاور بخت نے مسکرا کر اس کے ہاتھوں سے پانی کا گلاس تھاما اور تحمل سے گھونٹ گھونٹ پانی پینے لگے البتہ نظریں ابھی بھی سجل کا طواف کررہی تھیں۔

''یہ سب کیا کررہی ہو تم۔'' دیکھتے ہوئے بھی وہ پوچھ بیٹھے۔

''وہ جی آلو کے پراٹھے بنارہی ہوں۔ پتا ہے صاحب میرے ابو کو میرے ہاتھوں کے بنے آلو کے پراٹھے بے حد پسند تھے۔ اماں بھی کہتی تھی کہ بڑے سواد والے پراٹھے بناتی ہوں آپ آج کھائیں گے تو آپ بھی انگلیاں چاٹتے رہ جائیں گے صاحب۔'' ذرا سی بات کا جواب بھی اگلا پچھلا سب سنا دینے کی عادی تھی۔

''آپ ایسا کریں صاحب..... منہ ہاتھ دھولیں پھر میں گرم گرم پراٹھے لے کر آتی ہوں۔'' وہ یاور بخت کو خاموش پا کر بولی آلوؤں کے پراٹھوں کی خوش بو نے یاور بخت کی بھوک کو بھی چمکا دیا تھا وہ سجل کی بات سن کر فریش ہونے چلے گئے۔

گرما گرم خستہ ذائقہ دار پراٹھے اور کڑک چائے بظاہر تو بے حد سادہ سا اہتمام تھا مگر تھا بے حد ذائقے دار۔ وہ شوق سے کھارہے تھے۔

''سواد آگیا۔'' دل ہی دل میں کتنی بار وہ پراٹھوں کو سراہ چکے تھے۔

''صاحب..... پراٹھا مزے کا لگا ناں؟ میں آپ کے لیے روز کھانا پکایا کروں گی۔'' اس نے ان کے چہرے کے تاثرات کو جانچتے ہوئے پُرجوش انداز میں کہا۔

''ارے نہیں سجل..... تمہیں روز کھانا پکانے کی ضرورت نہیں۔'' وہ آخری لقمہ منہ میں ڈالتے ہوئے بولے۔

''کیوں صاحب.....؟ کیوں ضرورت نہیں آپ نے میری جان بچائی، اتنا بڑا احسان کیا، مجھے اپنے گھر میں جگہ دی اور میں یہاں بیٹھ کر ہڈحراموں کی طرح روٹیاں توڑتی رہوں۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے صاحب۔ میں گھر کے سارے کام کروں گی۔ آپ مجھے نوکری پر رکھ لیں۔ میں گھر کے سارے کام کیا کروں گی۔'' اس نے احسان مندی کے جذبے سے لبریز کہا اور پراٹھوں کے ساتھ انصاف کرتے یاور بخت کے ہاتھ رک گئے۔ انہوں نے چونک کر سجل کو دیکھا معصومیت اس پر ختم تھی۔

''ایسا نہیں ہوسکتا سجل..... میں تو اس شہر میں کچھ دن کا مہمان ہوں پھر تو میں چلا جاؤں یہاں سے تمہیں جلد اپنا کوئی ٹھکانہ کرنا ہوگا۔'' یاور بخت نے کھانے سے ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔ دل ہی دل میں انہوں نے شکر ادا کیا کہ یہ بات سجل نے خود نکال لی۔

''صاحب جی، تو جہاں آپ جائیں، مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔ میں آپ کے سارے کام کروں گی۔ آپ کے گھر آپ کی ملازمہ بن کر رہوں گی۔ آپ کے علاوہ اب میرا اور ہے ہی کون۔'' وہ کچھ زیادہ ہی ان سے مرعوب ہو چلی تھی۔ ان کے قدموں تلے آ بیٹھی اس کے نین کٹوروں سے بھل بھل آنسو گرنے لگے۔ اس کے بھیگے ہاتھوں کا لمس انہیں اپنے ہاتھوں پر محسوس ہوا تو انہوں نے گھبرا کر ہاتھ ہٹانا چاہا مگر وہ ان کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے لجاجت بھرے انداز میں گڑگڑا رہی تھی۔

(ان شاءاللہ کہانی کا بقیہ حصہ آئندہ شمارے میں)

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

# قناعت

تمثیلہ زاہد

وہ مقفل دروازے کے سامنے کھڑی تھیں۔ اندر جانے کی خواہش میں ہاتھ میں پکڑی چابی گھمائی تو دروازہ ہلکا سا وا ہوگیا تھا۔ ننگے پیر دبے قدموں سے وہ اندر داخل ہوئیں۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ کھڑکیوں پر بھاری بیرون پردے پڑے تھے۔ پردے ہٹا کر کھڑکی کھولی تو باہر سورج مغرب کی جانب آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا دکھائی دیا۔ ایک اداس سی شام رات میں ڈھلنے والی تھی۔ ایک طرف کتابوں کا ریک تھا۔ ہلکی سی گرد کتابوں پر جمی ہوئی تھی۔ انگلی کی پور سے انہوں نے وہ گرد محسوس کی اور ایک لمبی سانس لی۔ رائٹنگ ٹیبل پر اپنے دونوں ہاتھ جما کر کھڑی ہونے کی کوشش کرنے لگیں۔ دھیمی سی سرگوشیاں کمرے میں بلند ہو رہی تھیں۔ انہوں نے رائٹنگ ٹیبل کی دراز کھولی اور سرخ مخملی ڈبیہ اپنی ہتھیلی پر رکھ لی۔ کچھ دیر یوں ہی وہ اس سرخ مخملی ڈبیہ کو دیکھتی رہیں۔ ماضی کے پردے پر بہت سے سائے لہرانے لگے تھے۔ انہوں نے وہ واپس دراز میں رکھ دی۔ سرگوشیاں پھر بڑھنے لگیں۔ اچانک کھٹاک کی آواز سے کوئی کمرے میں داخل ہوا اور ان کا تخیل ٹوٹ گیا۔ ماضی میں جھانکتی بھوری آنکھوں نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔

''امی..... آپ کو نیچے ابو بلا رہے ہیں۔'' نادیہ نے کہا تو انہوں نے سر ہلا دیا۔ پھر نادیہ کے پیچھے چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

دروازے کی سنہری ناب پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے ایک بار پھر پلٹ کر کمرے کے خاموش در و دیوار کو دیکھا اور کمرے کا دروازہ مقفل کر دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

کائنات اپنے والدین کی بھی کل کائنات تھی۔ نرم و نازک گلابی رنگت پر بھوری ہرنی جیسی آنکھیں، ستواں ناک اور نازک سے ہونٹ سب کو متاثر کرتے اس کے نازک وجود میں ننھا سا دھڑکتا دل، کسی کی ذرا سی محبت پر پگھل جایا کرتا۔ وہ تھی ہی ایسی۔ مخلص، بے ریا، وفا کے جذبوں سے گندھی لڑکی..... کائنات..... جس کا واحد شوق چوڑیاں تھیں۔ اس کی کلائی رنگ برنگی چوڑیوں سے ہر وقت بھری رہتی تھی۔ اماں ابا کے ٹوکنے پر بھی وہ ہنستی کھلکھلاتی۔ ڈھیروں چوڑیوں سے اپنے باکس کو بھرے بیٹھی رہتی۔ چوڑیوں کی کھنکھناہٹ اس کا پسندیدہ ساز تھی۔

''اماں مجھے سونے کے کنگن کب دلاؤ گی؟'' وہ اپنی کلائی میں پہنی سرخ کانچ کی چوڑیوں کے ساز کو چھیڑتے ہوئے اپنا کئی دفعہ کا دہرایا ہوا جملہ ایک بار پھر دہراتی۔

''دلا دوں..... گی..... دلا دوں گی۔ وقت تو آنے دے۔'' اماں آٹا گوندھتی ہوئی معنی خیز لہجے میں بولیں۔

''کب آئے گا وقت؟'' وہ اپنے ہونٹوں کو سکیڑتے ہوئے بولی تھی۔ اس کی پونی ٹیل سے نکلے چند سنہری بال گالوں کو چھو رہے تھے۔

''آجائے گا، بچے آجائے گا۔ ان شاء اللہ آئے گا۔'' اماں اس کی معصوم ادا پر نثار ہوتے ہوئے بولی تھیں۔

''خوشی کے ہنڈولے میں جھولتے، وقت کب اور کتنا گزر گیا۔ خبر ہی نہ ہوئی۔ کائنات نے بارہ جماعتیں پاس کر لی تھیں۔ کائنات کے لیے پچھلے دو سالوں سے رشتے آرہے تھے۔ اماں اس کی کم عمری کے باعث ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھیں۔ ان کی اکلوتی بہن نے اپنے ایک بیٹے کے لیے تو جیسے دہلیز ہی پکڑ لی تھی۔ وہ اپنی بھانجی کو ہی بہو بنانا چاہتی تھیں۔ اماں بہن کو بیٹی دے تو دیتیں لیکن بی اے پاس وسیم کی کچھ خاص آمدنی نہیں تھی۔ کپڑے کی دکان جس کو پہلے باپ پھر بیٹا سنبھالنے لگا تھا۔ ایک بہن کی سال بھر پہلے ہی خاندان میں شادی ہوگئی تھی۔ گھر اپنا تھا۔

اماں کو خالص محبتوں اور سچی چاہتوں پر ہی یقین تھا۔ دولت تو آنی جانی چیز تھی۔ جو قسمت سے ہی ملا کرتی ہے۔ سچی چاہت اور محبت جب رشتوں میں نہ ہو تو رشتے زندگی بھر بوجھ کی طرح کندھوں پر اٹھائے پھرنا پڑتا ہے۔ اماں نے یہ سوچ کر حامی بھرنے کا فیصلہ کر لیا کہ ان کی بیٹی جو خالص مشرقی انداز میں پلی بڑھی ہے۔ اس کے احساسات و جذبات اتنے کومل ہیں کہ ذرا سی بے توجہی اسے توڑ کر رکھ دے گی۔ اپنے لوگوں میں اسے محبت تو ملے گی۔ روکھی سوکھی کھا کر گزارہ ہو سکتا ہے لیکن جہاں عزت



Digitized by Google

اور قدر نہ ہو وہاں گزارہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر اماں اور ان کی بہن خالہ صفیہ ایک دوسرے پر جان چھڑکتی تھیں۔

اماں جتنی باتونی تھیں خالہ اتنا ہی کم بولتی تھیں۔ وہ ایک نفیس پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ کائنات کو اس کے اچھا ماحول نہیں مل سکتا تھا اور بہت اچھے کا وہ انتظار کرنا بھی نہیں چاہتی تھیں۔ اس لیے بہن کو ہاں کر دی۔ کائنات نے سنا تو بہت ناراض ہوئی۔ وہ پڑھنا چاہتی تھی لیکن اماں نے اپنی محبت سے اسے چپ کروا دیا اور پھر وہ چپ ہو گئی۔ اپنے آپ کو نصیب کے حوالے کر دیا۔ اماں کے چہرے پر آئے خوشی کے رنگوں کو اس نے اپنی اداس آنکھوں سے دیکھا ضرور لیکن اپنے آنچل تلے چھپا کر دل میں اٹھے وسوسوں سے کانپتی رہی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ آنے والا وقت کیسا ہو گا۔

کائنات کی دبی دبی سسکیوں نے وسیم کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔

''کیوں رو رہی ہو، کیا ہوا ہے آخر؟'' وہ زچ ہو کر بیڈ کے کنارے پر آ ٹکا۔ پچھلے آدھے گھنٹے سے اس کی سسکیوں سے اب پریشان ہو گیا تھا۔ اس کے سارے سوالوں کے جواب میں صرف سسکیاں ہی تھیں۔

''کیا تم اس رشتے سے خوش نہیں؟'' اب وسیم کے دل میں شک کا ناگ پھن پھیلائے موجود تھا۔ اس کے لہجے میں عجیب سی سرد مہری تھی۔ اس عجیب صورت حال نے اسے اب وسوسوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ نہ جانے کیا کچھ سوچ کر وہ آیا تھا۔ وہ سارے خوب صورت جملے کہنے کا اسے موقع ہی نہ ملا وہ تو بس ایک سلام کے بعد ہی گھٹنوں میں منہ چھپائے روئے جا رہی تھی اور وہ بے بسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم کہو تو میں ابھی خالہ سے بات کرتا ہوں۔'' وسیم اب ایک جھٹکے کے ساتھ بیڈ کے کنارے سے اٹھا تھا۔ اس کا جارحانہ رویہ دیکھ کر وہ گھبرا گئی۔

''نہیں..... نہیں۔'' اس کے تند و تیز لہجے پر کائنات نے سرعت سے اپنا تر چہرہ گھٹنے سے اٹھایا اور تیزی سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگی۔ اس کی اس معصوم ادا پر وسیم کو بے اختیار پیار آیا وہ اپنی مسکراہٹ گھنی مونچھوں تلے دبائے بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔

''پھر کیوں رو رہی تھیں؟'' وسیم کے لہجے میں اطمینان اتر آیا تھا۔

''وہ بس..... ایسے ہی اماں یاد آ رہی تھیں۔'' وہ جبراً مسکرائی۔

وسیم کا قہقہہ فضا میں بلند ہوا تھا۔ وہ اس کا سرخ آنسو سے بھیگا چہرہ غور سے دیکھ رہا تھا۔ کائنات گھبرانے لگی۔ تو جیسے وسیم کو کچھ خیال آیا۔ وہ اپنی بائیں سمت مڑا اور اس کے قریب آ کر اپنے دونوں ہاتھ آگے کر دیے۔ سرخ مخملی ڈبیہ کھولی اور اس کے ہاتھوں میں دو سونے کے کنگن پہنا دیے۔ وہ حیرت زدہ تھی۔ گھبراہٹ اچانک غائب ہو گئی تھی۔

''ہائے اللہ.....! یہ کتنے خوب صورت ہیں۔'' کائنات سونے کے کنگن دیکھ کر نہال ہو گئی۔ وسیم اس کے دونوں ہاتھ تھامے اب باتیں کر رہا تھا۔ جسے وہ سرشاری سے سنتی رہی۔ کنگن کی کھنکھناہٹ تلے وہ دل ہی دل میں اپنے رب کا شکر ادا کرتی رہی کہ جس نے اس کی ہر خواہش



Digitized by Google

یوں پوری کردی جس کا اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ نہ اس نے یہ سوچا تھا کہ وہ اپنی خواہش یوں پالے گی نہ اسے یہ خبر تھی کہ وہ اپنی خواہش یوں کھودے گی۔ وہ تو بس ان ساعتوں میں مسکرا رہی تھی۔ دل سے رنجشوں کے سارے داغ دھل گئے تھے۔ اس کے ہمراہ ایک محبت کرنے والا ساتھی جو تھا جو اس کے سنگ مستقبل کے خواب بن رہا تھا۔

❁.....❁.....❁

''ناشتہ تیار ہے۔'' گرم گرم پراٹھے، آملیٹ، مکھن، جام توس چائے رکھے وہ اب آواز دے رہی تھیں۔ جو کمرے سے باہر آتی کائنات نے سنی تھی۔

''اس کی کیا ضرورت تھی خالہ آپ مجھے کہتیں میں بنا لیتی۔'' وہ خالہ سے بولی۔

''ناشتہ تو میں نے بنایا ہے بھابی۔ جب تک میں یہاں ہوں آپ میرے ہاتھ کا ناشتہ کریں۔'' اس کی نند محبت سے بجن سے چائے ٹرے میں سجا کر لاتے ہوئے بولی۔ تو وہ مسکرا اٹھی اور اپنی نند کے ہاتھوں سے چائے کی پیالی تھام لی۔ وہ اب مزے سے اس سے باتیں کررہی تھی۔ اس کی خالہ بھی ان کے ساتھ ناشتہ کرنے بیٹھ گئیں۔ سب نے مسرت سے ناشتہ کیا تھا۔

وسیم محبت کرنے والا شوہر تھا۔ اس کے کانوں میں اب بھی شادی کی پہلی رات کہے جانے والے جملے گونج رہے تھے۔

''سنو..... یہ اب تمہارا گھر ہے یہاں کے مکینوں سے تمہیں محبت جیسی دولت تو ملے گی لیکن قیمتی لباس اور زیور کے حصول کے لیے تمہیں انتظار کرنا ہوگا۔''

کائنات جانتی تھی کہ خالہ ان ہی کی طرح سفید پوش ہیں۔ وہ سر جھکائے وسیم کی ہر بات کے جواب میں اثبات میں سر ہلا دیتی تھی۔ اس نے اپنی کلائی میں پہنے سونے کے کنگن دیکھے اور مسکرادی کہ مادی چیزوں میں اس سے بڑھ کر اس نے کسی اور چیز کی خواہش نہیں کی تھی۔

❁.....❁.....❁

شادی کے اوائل دن اچھے گزرے۔ مہمانوں کی آمد ورفت کا سلسلہ بھی ختم ہوگیا تھا۔ اس کی نند ایک ہفتہ رہ کر جا چکی تھی۔ گھر کے کام اس نے سنبھال لیے تھے۔ وسیم صبح اپنے والد کے ساتھ دکان پر چلا جاتا تھا۔ گھر پر وہ اور ساس ہی ہوتیں۔ گھر کے کام خاص نہ تھے۔ وہ دونوں ہی مل جل کر نبٹا لیتیں۔ پھر وہ خالہ کے کمرے میں بیٹھ کر ان سے ڈھیروں باتیں کرتی۔ خالہ کو کتابوں سے عشق تھا۔ ان کی تعلیم میٹرک تھی لیکن قابلیت کسی پی ایچ ڈی کے مقابل جیسی تھی۔ ان کا مطالعہ بے حد وسیع تھا۔ وہ ان کے کمرے میں موجود کتابوں کا ریک دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ڈھیروں کتابیں جن کا مطالعہ وہ روز سونے سے پہلے کرتی تھیں۔ اس نے دیکھا خالہ کے ہاتھ اور کان خالی رہتے تھے۔ وہ تو زیور کے بغیر خود کو ادھورا تصور کرتی تھی۔

''آپ کو زیور کا شوق نہیں خالہ؟'' ایک دن اس نے یوں ہی پوچھ لیا تھا۔

''میرا زیور میرا علم ہے جو میں ان کتابوں سے حاصل کرتی ہوں۔'' وہ ایک گہری مسکان لبوں پر سجا کر دھیمے لہجے میں بولیں۔

پھر کائنات نے محسوس کیا کہ خالہ کی خوشی ان کتابوں سے وابستہ تھی۔ انہیں اچھے کپڑوں جوتے اور زیور سے زیادہ کتابیں اچھی لگتی تھیں۔ قدرت کے رنگ، پھول، پودے، چرند پرند سے پیار تھا۔ وہ ایک مرعوب کردینے والی شخصیت کی مالک تھیں۔ ان کی شخصیت کو قیمتی لباس اور زیور نے نہیں بلکہ علم نے سنوارا تھا۔

خالہ کو دیکھ کر اسے بھی مطالعے کا شوق ہونے لگا اور وہ گھر کے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد خالہ کے کمرے میں کوئی نہ کوئی کتاب سنبھال کر بیٹھ جاتی۔ خالہ مردم شناس خاتون تھیں۔ اپنی بات دل میں اتار دینے کے فن سے بھی آشنا تھیں۔ وہ ہمیشہ خوش اور اللہ کی رضا میں راضی رہتی تھیں۔ اچھا برا سب طرح کا وقت ان پر گزرا تھا۔ وہ کبھی اپنے حالات وقت اور قسمت کو برا نہیں کہتی تھیں بلکہ ان کے نزدیک ہمت اور مشکلات کا سامنا کرنے سے ہر مشکل اللہ آسان کردیتا۔ محلے کے لوگ بھی ان کا ادب کرتے تھے۔

برابر والی نازیہ آپا تو اپنے گھریلو معاملات میں خالہ سے ہی مشورہ کرتی۔ خالہ کی زبان ہی اتنی میٹھی تھی کہ آگ بگولہ شخص بھی ان کے آگے ٹھنڈا ہوجائے۔ وقت یوں ہی گزرتا رہا اور شادی کے ایک سال بعد اس کی گود میں نادیہ آ گئی۔ نادیہ نے اسے بے حد مصروف کردیا تھا۔ وہ ایسی



Digitized by Google

مصروف ہوئی کہ اسے اپنی ذات کا بھی ہوش نہ رہا۔ زیور کا شوق بھی اب بند ڈبوں کی نذر ہوگیا تھا۔

''بیٹا...... کیا سر جھاڑ منہ پھاڑ بیٹھی رہتی ہو۔ اٹھو شاباش، ہاتھ منہ دھواور صاف ستھرے کپڑے پہن کر تھوڑا خود بھی سنگھار کیا کرو۔ شوہر کے آنے سے پہلے اپنے آپ کو فریش رکھا کرو۔'' وہ اس کے خالی ہاتھ و کان دیکھ کر بولیں۔ اس نے خالہ کی بات مسکرا کر سنی تھی۔ وہ خود سے بے پرواہ ہوگئی تھی۔ خالہ کی محبت کے آگے اس نے جرح نہیں کی اور خاموشی سے اٹھ کر گود سے نادیہ کو خالہ کے پہلو میں لٹا کر اپنے کمرے میں لگے آئینے کے سامنے کھڑی ہوگئی تھی۔

اب وہ صاف ستھرے کپڑے پہن کر لپ اسٹک لگا کر تیار کھڑی تھی اور خود کو تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔ ہاتھوں میں کنگن بھی پہن لیے تھے۔

''سدا سہاگن رہو۔'' وہ باہر آئی تو خالہ نے اسے پیار سے دیکھ کر دعا دی۔

اس نے دل میں سوچا کیا ساس ایسی بھی ہوا کرتی ہے۔ کتنا خوب صورت انداز ہے خالہ کی دعا کا۔ وہ پام کے درختوں کے پاس کھڑی ہوگئی۔ وسیم کے آنے کا وقت تھا کچھ دیر بعد وسیم اپنے والد کے ہمراہ گھر میں داخل ہوا۔ اس نے وسیم کا مسکرا کر استقبال کیا۔ وسیم کچھ لمحے اس کے بدلے حلیے پر ششدر رہ گیا۔ کائنات آج نئے روپ میں سامنے کھڑی تھی۔

وسیم جانتا تھا، آج صبح ناشتے پر سرسری انداز میں ماں کے کہے جانے والے جملے ہی رنگ دکھا رہے ہیں۔ کائنات کو وہ جان چکا تھا کہ وہ شوہر سے زیادہ اپنی خالہ کا مان ضرور رکھتی ہے۔ کائنات نے وسیم کی والہانہ نظروں کی تاب نہ لاکر اپنا سر جھکا لیا تھا۔ سسر اندر جا چکے تھے۔ وہ دونوں اب ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔ وسیم نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ نادیہ نو برس کی ہوچکی تھی۔ اس دوران اللہ نے اسے دو بیٹے سعد اور وقاص سے نوازا تھا۔ تینوں بچے اس وقت اسکول میں تھے اور وہ لان میں خالہ کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی رہی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ ملکی حالات پر تبصرہ بھی کر رہی تھیں کہ اچانک خالہ کا رنگ بدلنے لگا اور وہ کرسی سے ایک طرف لڑھک کر گر گئیں۔ کائنات نے چائے کا کپ پٹخا اور تیزی سے خالہ کی طرف دوڑی۔ وہ بے ہوش تھیں اس نے جلدی سے پہلے ایمبولینس کو کال کی اور پھر وسیم کو فون پر اطلاع دی۔ اس دوران وہ خالہ کی نبض اور دل کی دھڑکن چیک کرتی رہی۔ کچھ دیر میں ایمبولینس کے ساتھ وسیم اور سسر بھی آگئے تھے۔

خالہ کو دل کا دورہ پڑا تھا۔ پل بھر میں گھر میں سوگوار سی فضا چھا گئی تھی۔ ڈاکٹر نے انجیو گرافی کے بعد دل کے تین وال بند ہونے کا بتایا۔ فوراً بائی پاس کا مشورہ دیا گیا تھا۔ فوری طور پر تین لاکھ کی رقم جمع کروانا تھی۔ وسیم بے حد پریشان تھا۔ ابھی سب سے چھوٹے بیٹے کے ایڈمیشن پر ستر ہزار کا خرچا ہوا تھا۔ وہ تو ابھی پچیس ہزار کا مقروض بھی تھا۔ تین لاکھ کی رقم کیسے آئے گی؟

وسیم اندر ہی اندر ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ وہ یونہی بکھرا بیٹھا تھا اور کائنات خاموش تھی۔ اسے احساس تھا کہ اس کا شوہر اتنی جلدی اتنی بڑی رقم کا بندوبست نہیں کرسکے گا۔ وہ وسیم کو اسپتال میں چھوڑ کر ایک ضروری کام کا بہانہ کر کے گھر آ گئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ اسپتال میں موجود تھی۔ اس نے قریب آکر اپنا ہاتھ وسیم کے مضبوط ہاتھوں میں رکھ دیا تھا۔ وسیم کو کسی چیز کا احساس ہوا۔ اس نے سر اٹھا کر اپنی ہتھیلی دیکھی تو دو سونے کے کنگن چمک رہے تھے۔ اس نے حیران نظروں سے کائنات کی طرف دیکھا تھا۔ شدت جذبات سے کائنات کی آنکھیں بھر آئیں۔ کائنات نے اثبات میں سر ہلا کر اپنی خاموش نگاہ سے سب کچھ کہہ ڈالا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے خالہ کا ہنستا مسکراتا شفیق وجود گھر میں داخل ہوگیا ہو اور ان کے گھر میں چھایا سیاہ غبار ڈھل کر صاف ستھرا اور پہلے جیسا روشن ہوگیا ہو۔ وہ جان چکی تھی کہ مادی اشیاء سے کہیں زیادہ قیمت اس جان کی تھی جو اس گھر کی رونق اور اس کے گھر کی جنت تھیں۔

آج اس کے پاس قناعت جیسی دولت بھی آگئی تھی۔

URDU TUBE
www.urdutubes.com



Digitized by Google

# دشتِ سراب

آسیہ مظہر چودھری

''بھائیوں نے کس جنم کا بدلہ لیا تھا مجھ سے جو مجھے سفیر جیسے شخص سے بیاہ دیا خالہ۔'' وہ گلوگیر لہجے میں خالہ سے بولی۔

''کیا ہوا صاحبہ؟'' خالہ کو اس کا لہجہ دہلا گیا۔

''یہ پوچھیں کیا نہیں ہوا؟'' وہ اب کے تیز آواز میں بولی۔

''کیا کہہ دیا تجھے سفیر نے۔'' خالہ نے پوچھا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''صاحبہ کیوں مجھے پریشان کر رہی ہے سیدھی طرح بتا کیا بات ہے؟''

''خالہ میں نے سفیر سے کہا کہ وہ بھی اپنے آفس ورکر کی طرح اونچی پوسٹ پر لگ جائیں تو انہوں نے مجھے جھڑک دیا۔'' وہ دوبارہ سسکیوں کے ساتھ رونے لگی۔

''کیا مطلب.....؟'' خالہ نے ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''خالہ کیا ہے اگر وہ تھوڑی رشوت لے لیں تو۔''

''بس صاحبہ.....'' خالہ نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی ٹوک دیا۔

''تم سفیر کو گناہ کی ترغیب دے رہی ہو' تمہیں ذرا بھی شرم نہ آئی ایسی بات کہتے ہوئے۔'' خالہ تو یہ سب سن کر غصے سے آگ بگولہ ہوگئیں۔

''خالہ دوسرے لوگ بھی تو رشوت لیتے ہیں۔'' اس نے دلیل دی۔

''اگر ایک شخص کنویں میں چھلانگ لگائے گا تو کیا تم بھی اس کے پیچھے لگاؤ گی اور مجھے تو تمہارے منہ سے ایسی بات سن کر حیرت ہو رہی ہے کہ تم جیسی پڑھی لکھی لڑکی ایسی بات کر رہی ہے۔'' خالہ کا لہجہ آخر میں تاسف سے بھرپور ہوا۔

''تو کیا سسک سسک کر زندگی گزارتے رہیں' آپ کو پتہ بھی ہے کہ سفیر کی تنخواہ سے پورے مہینے کا گھر کا سودا سلف بھی نہیں آتا' تو ایسے میں کیا کریں؟'' وہ اب کہ جھنجھلا ہی گئی۔

''تم اپنی خواہشات کم کرو اور شاکر رہو' دیکھو پھر اللہ کیسے برکت ڈالتا ہے۔'' خالہ کا لہجہ اب کے نرم ہوا۔

''اور کتنی خواہشیں کم کروں' سب ٹھاٹ باٹ تو میں بھائیوں کے گھر پر ہی چھوڑ آئی تھی مگر بس اب اور نہیں' میں یوں چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے ترستے ہوئے زندگی نہیں گزارنا چاہتی.....'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو خالہ کو اس کے لہجے سے خوف آیا۔

''صاحبہ رکو۔'' خالہ نے اسے روکنا چاہا لیکن وہ تیزی سے دروازہ پار کر گئی تھی۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

''صاحبہ ایک گلاس پانی پلا دو۔'' سفیر کام سے تھکا ہارا' جس وقت گھر لوٹا شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ صاحبہ جس نے ناراضگی کے باعث اس کے آنے کا کوئی نوٹس نہ لیا تھا اور اپنی تمام تر توجہ ٹی وی پر چلتے ڈرامے پر مرکوز رکھی تھی اس کے پکارنے پر چیخ اٹھی۔

''وہ سامنے کچن ہے خود جا کر پی لو..... میں ملازمہ نہیں ہوں تمہاری۔'' اس نے جواباً تیز لہجے میں کہا اور دوبارہ نگاہیں ٹی وی پر مرکوز کر لیں جبکہ سفیر تو اس کے لب و لہجے پر ساکت رہ گیا تھا۔

''صاحبہ..... یہ تم کس لہجے میں مجھ سے بات

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com



Digitized by Google

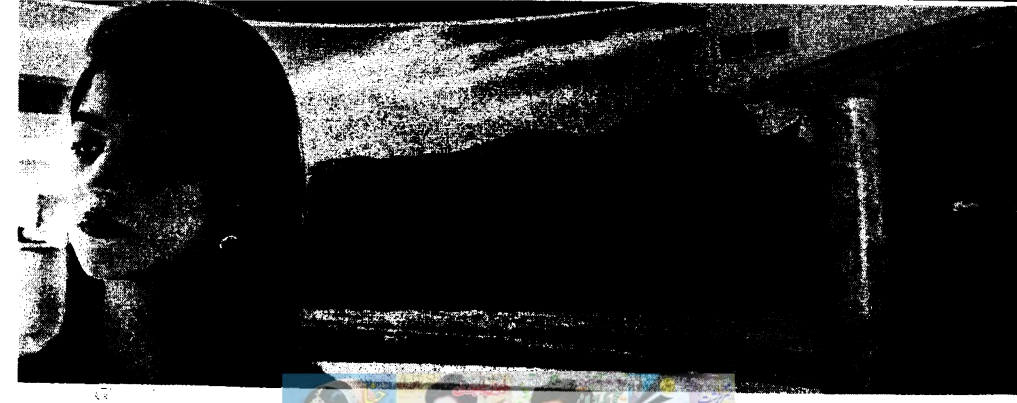

کر رہی ہو۔'' سفیر کو اپنے لیے اس کا ہتک آمیز لہجہ ذرا نہ بھایا۔

''جس لہجے میں تم سے بہت پہلے بات کرنی چاہیے تھی۔'' وہ بھی دوبدو بولی۔

''تم حد سے بڑھ رہی ہو صاحبہ.....'' سفیر کا چہرہ ضبط سے سرخ ہو گیا۔

''حد..... کون سی حد' تم نے مجھے میری حد تک جانے ہی کب دیا ہے' اب تک میرا ضبط ہی آزماتے رہے' مگر اب اور نہیں' مجھے اب تمہارے ساتھ نہیں رہنا' تم میری خواہشوں' آرزوؤں وتمناؤں کو مارنے والے انسان ہو' جس کے پاس بس ایک ہی خزانہ ہے' صبر وشکر کا' میں اب اور تمہارے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔'' یہ کہہ کر وہ رکی نہیں باہر نکل گئی جبکہ سفیر کو اپنے پیچھے پتھر کی مورت کر گئی تھی۔

''میں اب کبھی واپس نہیں جاؤں گی۔'' دوسری شام ہی وہ خالہ کے گھر موجود تھی۔ صاحبہ کی اس بات پر خالہ کا دل دہل اٹھا۔

''صاحبہ..... تو سٹھیا گئی ہے کیا؟'' خالہ نے اپنا سر پیٹا' ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس طرح سمجھائیں۔ پڑھی لکھی اور دین دار گھرانے سے تعلق رکھتی تھی، خود بھی شادی سے پہلے صوم وصلوٰۃ کی پابند تھی اور اب یہ ضد ان کی سمجھ سے باہر تھی۔

''سٹھیائی تو پہلے تھی اب تو عقل آئی ہے۔''

''صاحبہ تو پچھتائے گی۔'' خالہ نے اب کے افسوس سے کہا۔

''ٹھیک ہے پچھتالوں گی۔'' وہ جیسے سب سوچ چکی تھی۔

''دیکھ صاحبہ..... ابھی بھی وقت ہے گھر واپس چلی جا' اچھا دیکھ میں سفیر کو سمجھاؤں گی کہ وہ کسی زیادہ تنخواہ والی جگہ پر نوکری کرے۔'' خالہ نے اسے بہلایا۔

''میں واپس جانے کے لیے نہیں آئی خالہ اور آپ بھی زیادہ پریشان نہ ہوں' آپ کے اوپر بوجھ نہیں بنوں گی۔'' وہ بدلحاظی سے کہتی اٹھ گئی' خالہ نے اسے نم آنکھوں سے جاتا دیکھا تھا۔

❁.....❁.....❁

جب دونوں بھائیوں کو یہ معاملہ پتا چلا تو وہ بھی دوسرے شہر سے صاحبہ کو سمجھانے چلے آئے۔

''صاحبہ..... یہ کیا بیوقوفی ہے؟'' بڑا بھائی آذر بولا۔

''مجھے نہیں جانا وہاں' میں آپی کے پاس فرانس جا رہی ہوں۔'' اس نے یہ کہہ کر دھماکہ ہی کر دیا تھا۔

''کیا.....! تم پاگل تو نہیں ہو گئی؟'' یاسر نے



Digitized by Google

غصے سے اسے جھنجوڑا۔

اور پھر سب کے سمجھانے کے باوجود بھی اس کی ناں ہاں میں نہیں بدلی..... دونوں بھائی اس سے ناراض ہو کر واپس لوٹ گئے تھے۔

❁.....❁.....❁

''ہیلو آپی کیسی ہیں؟'' ان کے جاتے ہی اس نے فون تھاما' فون کی دوسری جانب رمشہ آپی تھیں۔

''ٹھیک ہوں' تم کیسی ہو؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جی ٹھیک ہوں۔''

''خالہ کی طرف آئی ہوئی ہو؟'' رمشہ سب کچھ جانتے بوجھتے انجان بن کر پوچھنے لگی' خالہ نے انہیں سب کچھ بتا دیا تھا۔

''جج..... جی.....'' وہ یک دم گڑبڑائی۔

''سفیر کیسا ہے؟''

''ٹھیک ہے' اسے کیا ہونا ہے؟'' اب کے اس کا لہجہ تلخ ہوا۔

''آپی میں آپ کے پاس فرانس آنا چاہتی ہوں۔'' اس نے جس مقصد کے لیے فون کیا تھا وہ بیان کر دیا۔

''اچھا..... مگر کیوں؟'' رمشہ آپی نے بغیر کوئی رد عمل ظاہر کیے پوچھا۔

''مجھے وہاں آ کر جاب کرنی ہے۔'' اس نے ایسے کہا جیسے فرانس میں جاب پلیٹ میں رکھی ملتی ہو۔

''یہاں ایسے جاب نہیں ملتی صاحبہ اور یوں آنے والوں کو تو قطعی نہیں اور پھر تمہیں کوئی تجربہ بھی تو نہیں ہے۔'' رمشہ نے اسے سمجھانا چاہا پر وہ کچھ سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

''جاب ملنا نہ ملنا' میرا سر درد ہے۔ آپ صرف یہ بتائیں مجھے بلا رہی ہیں یا نہیں؟''

''اچھا میں دیکھتی ہوں۔'' رمشہ نے اسے ٹالا تھا' درحقیقت وہ اس کی باتوں سے خود بھی خائف ہو گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

سفیر اسے منانے کئی بار آیا تھا' مگر وہ اس کے سامنے نہیں آئی' فون پر بھی اس نے کئی بار منایا' معافیاں مانگی' مگر وہ اپنا دل پتھر کر چکی تھی' اس لیے اس پر کسی بھی بات کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا صرف یہی مطالبہ تھا کہ سفیر اسے طلاق دے دے۔

بات اگرچہ کچھ بھی نہ تھی..... پر ایسی ہی معمولی باتیں اکثر ایک گھر کی بنیاد ہلا کر رکھ دیتی ہیں۔

❁.....❁.....❁

صاحبہ کی ضد کے آگے سب نے ہار مان لی اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا' آپی نے اس کا ویزہ اپلائی کر دیا تو وہ یہ خوش خبری سن کر ہواؤں میں اڑنے لگی' کئی سہانے خوابوں نے اس کا احاطہ کر لیا تھا' پر وہ یہ نہیں جانتی تھی خواب تو سراب ہوتے ہیں۔ جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور دوسروں کو دکھ دے کر سجائے جانے والے خواب اکثر ہمارے اپنے ہی منہ پر تلخ حقیقت کا طمانچہ بڑے زور سے مارتے ہیں۔

❁.....❁.....❁

جس دن اس کی فرانس روانگی تھی اس سے ایک دن پہلے سفیر اسے منانے ایک مرتبہ پھر آیا تھا۔

''صاحبہ پلیز مت جاؤ..... دیکھو تم جیسا کہو گی میں ویسا ہی کروں گا۔ تمہارے خواب' تمنائیں پوری کرنے کے لیے میں اور جاب ڈھونڈوں گا، پلیز مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔''

''سفیر تمہاری مہربانی ہوگی کہ تم میری راہ میں روڑے نہ اٹکاؤ' میرے اور تمہارے راستے اب الگ ہیں۔'' وہ سفاکیت سے کہتی اس کا دل چیر گئی



URDU TUBE ENTERTAINMENT www.urdutubes.com
Digitized by Google

تھی۔

کبھی کبھی انسان کو ٹھوکر لگنا بہت ضروری ہوتی ہے کیونکہ یہ انسان کی عقل کے زنگ آلود قفل کھول کر رکھ دیتی ہے۔ پر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ٹھوکر لگنے سے پہلے ہی سنبھل جاتے ہیں اور کچھ ٹھوکر کھا کر سنبھلتے ہیں۔

اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر لوگوں کا ایک ہجوم امڈ آیا تھا۔ بھانت بھانت کے لوگ اپنے سازو سامان کے ساتھ آ جا رہے تھے۔ وہ بھی اپنا ٹرالی بیگ گھسیٹتی ویٹنگ روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔ ابھی اس کی فلائیٹ اناؤنس میں کافی وقت تھا وہ اکیلی ہی ایئرپورٹ آئی تھی۔ کوئی بھی اسے الوداع کہنے نہیں آیا تھا۔ ہر شخص اس سے ناراض تھا۔ وہ قطار میں لگی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ ابھی اسے بیٹھے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اچانک کوئی اس کے ساتھ والی کرسی پر آ کر بیٹھا' اس نے گردن گھما کر دیکھا تو اسے ایک نقاب پوش لڑکی دکھائی دی۔ جس نے اپنی آنکھوں کے سوا اپنا چہرہ نقاب سے ڈھانپا ہوا تھا۔

''آپ نے کہاں جانا ہے؟'' اس لڑکی نے اس سے پوچھا۔

''جی فرانس' اور آپ نے؟''

''میں نیویارک سے آ رہی ہوں۔'' وہ بولی۔

''آپ یہاں رہتی ہیں؟''

''جی یہاں میرا گھر ہے۔''

''تو نیویارک میں کون رہتا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''شاید میرے خواب رہتے تھے۔'' وہ تلخ انداز میں ہنسی تو صاحبہ چونکی۔

aanchalpk.com
مغربی اور مشرقی ادب کی منتخب کہانیوں کا مجموعہ
ماہنامہ نئے اُفق کراچی
لفظ لفظ تحریر سطر سطر جس سے بھرپور تحریریں
ایسی کہانیاں جو اس سے قبل آپ نے نہیں پڑھی ہوں گی
مغربی ادب سے انتخاب
جرم و سزا کے موضوع پر ہر ماہ منتخب ناول
مختلف ممالک میں چلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبہ زرین قمر کے قلم سے مکمل ناول
ہر ماہ خوب صورت تراجم دیس بدیس کی شاہکار کہانیاں
اس کے علاوہ
خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے
اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق
کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242
URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com


Digitized by Google

''کیا مطلب؟'' اس نے ناسمجھی کے عالم میں دوبارہ پوچھا۔

''یہ بہت لمبی کہانی ہے۔''

''آپ اگر برا نہ مانیں تو مجھے بتائیں گی کہ آپ کے ساتھ کیا ہوا؟'' صاحبہ کو اس لڑکی میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ ایک لمبی سانس بھرتے ہوئے اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ در آئی تھی۔

''میرا نام علینہ ہے اور میں لاہور میں رہائش پذیر تھی۔ میرا تعلق مڈل کلاس گھرانے سے تھا لیکن کسی بھی چیز کی تنگی نہ تھی۔ تنگی شاید کسی کو بھی نہیں ہوتی' اللہ ہر انسان کو دو وقت کا رزق دیتا ہے' مگر جب انسان اپنی خواہشوں اور نفس کا دائرہ وسیع کرتا ہے تو تب گڑبڑ پیدا ہوتی ہے۔ سوچے جانے والے محض خیالی خواب حقیقت میں دیکھا جائے تو کچھ برے نہیں ہوتے۔ ان خوابوں کی بھرپائی انسان کو اتنا خوار کرتی ہے کہ انسان شل ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ میں بھی ان خوابوں کا تاوان بھرتے بھرتے شل ہو گئی تھی۔ ان خوابوں نے مجھے کھوکھلا کر دیا ہے۔'' وہ لحظہ بھر رکی۔

''میں بھی اونچی اڑان اڑنا چاہتی تھی' نیویارک جانا میرا اولین خواب تھا۔ پر اس خواب کو پورا کرنے کے لیے میں نے کیا کیا تاوان بھرا' آج سوچتی ہوں تو اپنے آپ پر ہنستی ہوں۔ میں نے بی اے کیا تو نوکری کی تلاش میں سرگرم ہو گئی' میرا خواب تھا کہ مجھے کسی ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب ملے۔ کئی خواریوں اور دھکوں کے بعد میری ملاقات ڈینی سے ہوئی' وہ نیویارک میں فوٹو گرافر تھا' ایک بات تو میں بتانا بھول ہی گئی کہ میں شکل وصورت کے لحاظ سے کافی اچھی تھی اور ڈینی نے میری خوب صورتی سے متاثر ہو کر مجھے ماڈلنگ کی آفر کی کہ وہ مجھے نیویارک لے جائے گا پھر مجھے اس کے میگزین کے لیے ماڈلنگ کرنا ہوگی۔ نیویارک جانے کی لگن میں' میں نے اس کی بات مان لی اور ایک رات چپکے سے گھر سے بھاگ آئی۔ عزت کا دوپٹا تو اسی دن سر سے ڈھلک گیا تھا جس دن گھر سے پہلا قدم نکالا تھا۔ عورت کی اصل اور محفوظ پناہ گاہ اس کا میکہ یا شوہر کا گھر ہوتا ہے' پر میں نے عزت کی قدر نہ کی' عورت کو عزت کی قدر تب آتی ہے جب عزت اس سے چھن جاتی ہے۔'' صاحبہ کو اس کی باتوں نے مراقبے میں پہنچا دیا۔ وہ بنا پلک جھپکائے اسے توجہ سے سن رہی تھی' مگر اس کی آنکھوں میں ابھرتی بے چینی واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی۔

''نیویارک آنے کے بعد وہ تلخ زندگی شروع ہوئی جس کا تصور میں بھی نہ سوچا تھا۔ پہلا ایک ہفتہ تو میں نیویارک کی رنگینوں میں مگن رہی' پر وہ دن..... ہاں وہ دن میری زندگی کا سیاہ ترین دن تھا جس نے مجھے عرش سے فرش پر لا پٹخا تھا۔''

❁.....❁.....❁

''میں ڈینی کے فلیٹ میں رہتی تھی۔ اس کا فلیٹ نیویارک سٹی میں تھا۔ تین کمروں کا یہ فلیٹ کافی خوب صورت اور مہنگا تھا۔ میں اس دن گھر پہ تھی' یہ میری خوش قسمتی تھی یا بدقسمتی میں نہیں جان پائی' اس دن اچانک میری طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ ڈینی معمول کی طرح صبح صبح ہی آفس جا چکا تھا۔ ابھی ڈینی کو گئے چند گھنٹے ہی گزرے تھے کہ مجھے اچانک ڈینی کے بولنے کی آواز آئی جیسے تین چار لوگ اس کے ساتھ ہوں۔ ڈینی کو معلوم نہیں تھا کہ میں گھر پہ تھی' میں نے ذرا سا دروازے کے باہر جھانک کر دیکھا تو بلاشبہ وہ تین مرد تھے اور ڈینی ان کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ میں دروازہ بند کر کے واپس مڑنے ہی


Digitized by Google

لگی تھی کہ اچانک اپنے نام کی پکار پر ٹھٹک کر رک گئی۔ ''وہ ڈینی کی آواز تھی۔

''نیا شکار پھانسا ہے اور ہمیں آج رات ہی اسے جلد از جلد یہاں سے اسمگل کرنا ہے' کیونکہ پولیس کسی بھی وقت یہاں ریڈ کر سکتی ہے۔'' یہ سب سن کر میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔ درحقیقت ڈینی کا کوئی بزنس تھا ہی نہیں وہ گرل اسمگلر تھا۔

''اور اگر یہ لڑکی بھاگ گئی تو؟'' دوسرا آدمی بولا تھا۔

''اتنا آسان نہیں ہے یہاں سے بھاگنا اور اگر یہاں سے بھاگ بھی گئی تو ایئرپورٹ پر پکڑی جائے گی' کیونکہ میں اسے جعلی پاسپورٹ کے ذریعے لایا ہوں۔'' وہ مکار ہنسی ہنس رہے تھے۔

''میرے لیے آگے کنواں پیچھے کھائی والی مثال تھی..... میرے خوابوں' خواہشوں نے مجھے بہت بڑا خسارہ عطا کیا اور یہ خسارہ میں نے خود اپنے لیے خریدا تھا' اس وقت میرا دماغ بالکل ماؤف ہو چکا تھا' مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں کیا کروں' ہر جائے فرار میرے لیے بند ہو چکی تھی۔ اور پھر اچانک ہی میرے دماغ میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا' میں دوڑ کر واش روم کی جانب گئی اور اگلے ہی لمحے میری ہاتھوں میں تیزاب کی بوتل تھی..... اور پھر میں نے تیزاب اپنے چہرے پر انڈیل لیا' وقار تو میں وہ اپنا کیس کا گنوا چکی تھی۔ اب بچی کھچی عزت نہیں گنوانا چاہتی تھی۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے چہرے کا نقاب ہٹایا۔ صاحبہ اس کا ادھ جلا چہرہ دیکھ کر یک دم پیچھے ہوئی۔

''دیکھو..... یہ ہے میری خواہشوں' خوابوں کا تاوان.....'' وہ مسکرائی پر صاحبہ کی مسکراہٹ اب کھو چکی تھی۔

❁.....❁.....❁

''تم وہاں سے کیسے نکلیں؟'' صاحبہ نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے پوچھا۔ زندگی کا اصل رنگ اب اس کے سامنے آیا تھا۔

''مجھے ایسی حالت میں دیکھ کر وہ بھاگ گئے تھے۔ کیونکہ میں اب ان کے لیے ناکارہ ہو چکی تھی اور ان کے بھاگنے کے چند لمحوں بعد ہی وہاں پولیس آ گئی تھی اور مجھے تڑپتا ہوا اٹھا کر ہسپتال لے آئے' ابتدائی علاج کے بعد مجھے ہوش آ گیا تھا۔ تمام پوچھ گچھ کے بعد انہوں نے مجھے فلاحی ادارے میں بھیج دیا کیونکہ ابھی میرے چہرے کی سرجری ہونا باقی تھی۔ پر میں وہاں سے نکل آئی' میں سرجری نہیں کرانا چاہتی تھی۔ کیونکہ جب' جب میں اپنا چہرہ دیکھوں گی مجھے میرا گناہ یاد رہے گا۔'' صاحبہ چپ چاپ ساکت بیٹھی تھی' فلائیٹ کا ٹائم بھی ہونے والا تھا۔

''انسان کو خواب دیکھنے چاہئیں' خواہش کرنی چاہیے' مگر انتظار بھی کرنا چاہیے اگر اللہ نے ہمارے حق میں بہتر سمجھا تو وہ ہمیں ضرور ملے گا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ کی فلائیٹ کا ٹائم ہونے والا ہے۔'' اس نے کہا تو صاحبہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھے بھی اپنی محفوظ پناہ گاہ جانا ہے اور میں وہیں جا رہی ہوں۔'' صاحبہ کے قدم ایئرپورٹ کے بیرونی راستے پر تھے' کیونکہ اسے واپس اپنوں میں جانا تھا' سفیر کے پاس' حالانکہ کافی وقت گزر چکا تھا' مگر تلافی کا دروازہ ابھی تک بند نہیں ہوا تھا۔

❁



Digitized by Google

# کس موڑ پہ ملے ہو

## روحی فرخ

"عنبر۔" عالیہ کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے دیوار کے پیچھے سے' ذرا سا سر نکال کر اندر جھانکا ہو۔ یہ زرد رو' دبلی' اجڑی ہوئی سی ہستی عنبر کی تھی۔

ڈرائنگ روم میں اس کا انتظار کرتی عالیہ کتنی خوش تھی۔ کتنا ڈھونڈا تھا اس نے عنبر کو پچھلے کئی سالوں میں۔ اپنی مشترکہ سہیلیوں سے اتا پتا تو کبھی نہ مل سکا مگر سنی سنائی' عجیب وغریب سی باتیں سننے کو ضرور ملی تھیں اس کی طلاق کے بارے میں' اس کے کسی سے نہ ملنے کے بارے میں' اس کے کسی کو نہ پہچاننے کے متعلق۔

لیکن اس مرتبہ قسمت اس پر مہربان ہو ہی گئی جب کسی نے اسے بتایا کہ عنبر کو کراچی کے ایک اسکول میں ٹیچر کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ نہ جانے کب سے پڑھا رہی تھی وہ وہاں۔

عالیہ نے جب اسکول فون کیا تو اس وقت بھی اسے یقین نہیں تھا کہ وہ واقعی اپنی عزیز از جان سہیلی کو ڈھونڈ نکالنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ اسکول کے آفس سے عنبر سے بات کرنے کے بارے میں پوچھنے پر جب یہ جواب ملا کہ مس عنبر اس وقت اسٹاف روم میں ہیں' اس نے ایک اطمینان بھری طویل سانس لی۔

"دیکھیں مجھے ان سے صرف ایک منٹ' بہت ضروری بات کرنی ہے' آپ کی بہت مہربانی ہوگی اگر آپ انہیں بلا دیں۔"

"ہیلو......" چند لمحے بعد ایک ٹھنڈے' اجنبی لہجے نے اسے پکارا۔

"عنبر احسان؟"

"جی...... جی کہیے۔" تو یہ اجنبی لب ولہجہ والی' اس کی پیاری سہیلی عنبر ہی تھی۔

"میں عالیہ بات کر رہی ہوں عنبر۔" دوسری طرف جیسے سکوت طاری ہو گیا تھا۔

"عالیہ......؟" اس نے ٹھہر کر سوال کیا۔

"عالیہ افتخار' میں تمہارے ساتھ کراچی یونیورسٹی میں......"

"عالیہ افتخار تم......! تم بول رہی ہو کہاں ہو...... کیسی ہو......؟ اتنی دیر سے بتایا کیوں نہیں احمق۔" ایک سانس میں ڈھیروں سوال کرتی' وہی پرانی عنبر جیسے واپس لوٹ آئی تھی۔

اور اب وہ اس کی ماں کے گھر کے ڈرائنگ روم میں کھلنے والے دروازے پر نگاہیں جمائے بیٹھی تھی۔ دیوار پہ سایہ سا لرزا۔ جھجکتے ہوئے آہستہ آہستہ کمرے میں داخل ہونے والی عنبر آ کر بے اختیار اس کے گلے لگ گئی تھی۔

اس کا اندازہ صحیح تھا۔ وہ دروازے سے جھانکتی زرد رو' دبلی' کمزور ہستی عنبر ہی تھی۔ اس کے آس پاس دو اس کے جیسے ہی زرد کمزور بچے پیرا ڈالے کھڑے تھے۔

پھر نہ جانے کتنا وقت بیت گیا۔ گلے شکوے' خیر خیریت اور کچھ دوسری خبریں نہ جانے کتنا کچھ تھا کہنے اور سننے کو۔ اس کی امی اور چھوٹی بہن بینا سارا وقت ان کے ساتھ لگی بیٹھی رہیں۔ امی نے کچھ سوال جواب بھی کیے لیکن زیادہ تر خاموش بیٹھی ان کی باتیں سنتی رہی تھیں۔ اس طرح عنبر سے کوئی بات نہ ہو سکی اور اس کے دل میں مچلتے سوال ان کہے ہی رہ گئے۔

"عالیہ باجی...... آپ کے شوہر آئے ہیں آپ کو لینے۔" عنبر کے چھوٹے بھائی بہزاد نے اندر آ کر اطلاع دی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور سب کو اللہ حافظ کہہ کر جب وہ گاڑی میں آ کر بیٹھی تو اس کا دل عجیب سا ہو رہا تھا۔

❀......❀......❀

"بتا ہے کیا ہوا؟" عالیہ نے اس کے پاس زمین پر تقریباً گرنے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ عنبر نے چاروں طرف پھیلی سنہری دھوپ سے اپنی آنکھوں کو' ہاتھ کا چھجا بنا کر بچاتے ہوئے اس پہ نگاہ ڈالی اور مسکرا کر پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

"گرین پوٹیٹو نے باقاعدہ افزا سے اظہار محبت کر دیا سر کفیل کی لیب کے پاس۔"

"کیا...... کہا؟" عنبر کی حیرت دیدنی تھی۔

"سچ کہہ رہی ہوں یار...... ہم سب لیب کی طرف جا رہے تھے جب ان کا ٹولہ سیڑھیوں سے نیچے آتے ہوئے ہمیں ملا۔" اور "ٹولے" سے اس کی مراد پرویس کے عدنان'

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

فیصل اور عدیل سے تھی۔

"پھر......" عنبر کی ایک ایک حس بیدار ہو چکی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے کی چھائی بیزاری جس کی وجہ سے ان کے ساتھ جانے کے بجائے اس نے اکیلے لان میں بیٹھ کر کتاب پڑھنے کو ترجیح دی تھی' جیسے بھاپ بن کر اڑ چکی تھی۔

"تو......!" عالیہ نے اس کی حالت کا خوب مزا لیتے ہوئے کہا۔

"عدنان نے افزأ کو دیکھ کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور سینے پر ہاتھ رکھ کر دوہرے ہوتے ہوئے کہا...... مس افزأ آئی لو یو۔"

"نہیں یار......! سچ......" اس کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ کتابی کیڑا عدنان' جس کا پچھلا ایک سال صرف افزأ کو تکتے گزر گیا تھا' آج اتنی ہمت دکھا گیا اور اس نادر موقع پر وہ وہاں موجود نہیں تھی۔

"لیکن......!" اور عالیہ کی طرف دیکھتے ہی وہ سب سمجھ گئی۔ جس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"عالیہ کی بچی۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب گھما کر اس کی پیٹھ پر دے ماری جو ہنس ہنس کے بے حال ہوئی جارہی تھی۔

"میں بھی کہوں گرین پوٹیٹو کی یہ جرأت......!" ان کی کھل کھل کرتی ہنسی پورے ڈیپارٹمنٹ میں گونج رہی تھی۔

اور اس بے چارے کا یہ نام بھی ان لوگوں نے خوب رکھا تھا۔ یونیورسٹی کی کسی سائنسی نمائش میں' اپنے ڈیپارٹمنٹ کی جانب سے اس نے جو اسٹال لگایا تھا وہ آلوؤں کی تحقیق سے متعلق تھا۔ اس کی میز کے اردگرد جان بوجھ کر ڈیرہ ڈالے قسم قسم کے سوالوں سے گھبرا گھبرا کر پسینہ پوچھتا' اپنی عینک کو بار بار صاف کرتا عدنان' آلوؤں کی اگلی پچھلی ساری روداد بیان کرتا رہا تھا۔ اس روداد کے دوران جب اس نے ایک بد رنگے ہرے سے آلو کو ہاتھ میں لے کر افزأ کی جانب نگاہ خاص کرتے ہوئے' اس کے مضر صحت ہونے کی وجہ سے ان کو کھانے سے گریز کرنے کی ہدایت کی تو سب کو ایسی ہنسی آئی کہ اس غریب کی عینک کے شیشے مزید دھندلا گئے تھے۔ اس کے بعد سے وہ گرین پوٹیٹو اور افزأ کو اس کا نام لے کر چھیڑا جاتا تھا۔

"تم لوگ پاگل ہو۔" اکثر وہ چڑ کے کہتی لیکن زیادہ تر وہ بھی اس مذاق سے لطف اٹھاتی تھی۔

✿......✿......✿

اچانک ہونے والی عنبر کی منگنی کی خبر جہاں ان دونوں کے لیے خوشی کی بات تھی' وہاں اس گلہ کی بنیاد بھی کہ اس نے انہیں اس اہم معاملے کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔ عنبر صفائی دیتے دیتے تھک گئی تھی کہ سب اچانک دو دن میں ہی ہوا ہے' مگر اس پر یقین کرنا افزأ اور عالیہ کے لیے مشکل تھا۔ ایک تو اس نے شکل دو دن بعد دکھائی تھی اوپر سے یہ دھماکہ خیز خبر۔

"بھئی اب تم کچھ بھی کہو...... ہم یہ بات کیسے مان لیں کہ عنبر بنت احسان صاحبہ کی منگنی جیسی اہم بات صرف دو دن کے قلیل عرصے میں ہو جائے اور محترمہ چوں چرا کیے بغیر راضی ہو جائیں ناممکن۔" عالیہ نے سیمینار روم کی میز کے گرد کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔

"آخر اس میں اتنی ناممکنات والی کون سی بات ہے بھئی؟" عنبر بھی اب چڑ کے بولی تھی۔

"ابو کے بہت اچھے دوست کے بھانجے ہیں وہ' پرسوں سب گھر والوں کے ساتھ کھانے پر آئے میرے تو فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا۔ مزے سے سب سے ملی' باتیں کیں' بس جاتے جاتے ان کی امی میرے ہاتھ میں یہ انگوٹھی پہنا گئیں۔" اس نے اپنی انگلیوں میں سجی انگوٹھی کی نمائش کی تو افزأ تپ کر بولی۔

"بس جاتے جاتے...... ان کی امی یہ انگوٹھی پہنا گئیں اور تم نے سر جھکا کر پہن لی...... جیسے ہم تمہیں جانتے نہیں۔ جب تک بال کی کھال نہ نکال لو کسی چیز کو گھاس نہیں ڈالتیں۔ تمہیں بتائے بغیر یا تم سے پوچھے بغیر تمہاری منگنی ہو کیسے سکتی ہے۔" عالیہ نے تنک کر کہا۔

"خیر...... آپا نے پوچھ تو لیا تھا۔" اب کے عنبر نے زیرلب مسکرا کر کہا۔

"اچھا......! انہوں نے کہا کہ بی عنبر تمہیں قبول ہے اور تم نے کہا کہ ہاں قبول ہے...... قبول ہے...... قبول ہے۔" عالیہ نے اتنی زور سے کہا کہ آس پاس کی میزوں پہ بیٹھے طلباء وطالبات نے گھوم کر ان کی میز کی طرف دیکھا۔

"بھئی سیدھی سچی بات یہ ہے کہ آپا نے ساری بات بتا کر کہا تھا کہ فیصلہ اب میرے ہاتھ میں ہے اگر میں راضی

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

ہوں تو ان کی امی....." عنبر نے کچھ اتر اکر کہا۔

"اور تم راضی تھیں جب ہی..... ان کی امی بات کر گئیں۔" عالیہ کہاں جان چھوڑنے والی تھی۔

"ہاں تو کوئی برائی بھی تو نہیں تھی اچھے بھلے لوگ تھے بقول آپا کے جانے پہچانے' دیکھے بھالے۔" عنبر نے کہا۔

"اور وہ صاحب زادے بقول آپا کے؟" عالیہ نے پھر آنکھیں گھمائیں۔

"وہ بھی اچھے ہی ہیں۔" نہ جانے کہاں سے ڈھیر سارے رنگ عنبر کے چہرے پر بکھر گئے تھے۔

اس کے چہرے پہ اتری اس ایک لمحے کی دھنک کے صدقے' اس کی عزیز از جان سہیلیاں اس کی جان بخشی کرتے ہوئے مسکرا دی تھیں۔

❁.....❁.....❁

آنے والے دنوں نے اتنا تو بتا ہی دیا تھا کہ آفاق اتنا بھی اچھا نہیں تھا جتنا عنبر کو گمان تھا۔ ایک نخرہ' رعونت' خود پسندی تھی جو اس کی شخصیت کو گھیرے رہتی تھی۔ اس سے پہلی دو بدو ملاقات' اس ملاقات سے بالکل مختلف تھی جو اس کے تصورات میں بسی تھی۔

آپا اس دن گھر آئی ہوئی تھیں کیونکہ اماں اور ابا کسی شادی میں حیدر آباد گئے ہوئے تھے اور انہیں رات کو بھی وہیں قیام کرنا تھا۔ یوں وہ رات کو رہنے آگئی تھیں اور ان کے دو ننھے منے راج دلاروں کی وجہ سے گھر میں رونق لگی ہوئی تھی۔ ایک تو اماں ابا کے گھر پر نہ ہونے کی وجہ سے سب جی بھر کر شور مچانے اور ہلہ گلہ کرنے کے لیے آزاد تھے۔

یہ ان کی منگنی کے بعد اس گھر میں کوئی پہلی آمد نہیں تھی۔ وہ ایک آدھ بار پہلے بھی اسی طرح آچکے تھے۔ آپا نے ان کو بلا کر ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ ابا کے گھر میں نہ ہونے کا سن کر انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن آپا کے جائے کے اصرار کے سامنے بیٹھنے پر مجبور ہوگئے۔ آپا کا خیال تھا کہ عنبر سے ملنے اور اسے دیکھنے کی خواہش ہوتے ہوئے بھی' وہ شریف لڑکوں کی طرح اس کا اظہار نہیں کر پاتے اور آج کے بہترین دن کے موقع پر ان دونوں کی ملاقات کروا کر ان کی دعائیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔

عنبر کو راضی کر کے جب وہ اس کے ساتھ چائے لے کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں تو آفاق کے تاثرات دیکھنے کے قابل تھے۔ چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے لینے تک' وہ اپنی حیرت پر تو قابو پا چکے تھے لیکن اس کے بعد ان کا سارا انہماک اس بات پر تھا کہ کہیں عنبر پر بھولے سے بھی نظر نہ پڑ جائے یا کسی بات سے خدانخواستہ ان کی طرف سے کسی خوشی یا شوق کا اظہار نہ ہو جائے۔ اس کے وجود سے لاتعلقی آفاق کی ایک ایک بات سے ظاہر تھی۔

"اچھا میں ابھی آئی۔" آپا یہ آج دریا دلی کا بخار چڑھا ہوا تھا۔ آفاق کی سرد مہری اور لاتعلقی شاید ان کی ذات کی وجہ سے ہو یہ سوچ کر وہ کمرے سے غائب ہوگئیں۔

اب وہ دونوں تھے اور خاموشی تھی۔ عنبر سر جھکائے اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی اور آفاق سامنے دیوار پر لگی پینٹنگ پر ریسرچ کر رہے تھے۔ کمرے میں سوائے سر پر گھومتے پنکھے کی گھوں گھوں کے کوئی آواز نہیں تھی۔ عنبر نے جل کر پہلو بدلا اور اٹھنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ آفاق نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

"یہ ناخن کیوں اس قدر بڑھا رکھے ہیں آپ نے؟" عنبر نے حیران ہو کر انہیں دیکھا جن کی نظریں اب بھی بدستور پینٹنگ پر تھیں۔

"سخت گندی غلاظت یا کراہیت نہیں آتی آپ کو ان سے؟" اور یہ کہتے ہوئے انہوں نے کچھ ایسی شکل بنائی جیسے الٹی بس آیا ہی چاہتی ہو۔

انہوں نے لمحہ بھر کو شاید کسی جواب یا ردعمل کا انتظار کیا اور پھر بالآخر اس کی طرف دیکھ کر گویا حتمی لہجے میں بولے۔

"مجھے پسند نہیں ہیں اتنے لمبے ناخن۔" عنبر کی روح اندر تک سلگ گئی۔ دوسری لڑکیوں کے منگیتروں کی طرح' اس شخص نے بھی یونیورسٹی آکر اس سے ملنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کبھی بہانے سے بھی اس کے بہن بھائیوں سے اس کے بارے میں نہیں پوچھا تھا اور نہ ہی کبھی فون پر بات کرنے کے شوق کا اظہار کیا تھا۔ آج پہلی بار اس طرح تنہائی میں ملنے پر جو پہلی بات اس نے کی تھی وہ یہ تھی اس کی ذات پر تنقید۔

"میں..... مجھے میرا....." اس شخص کی گفتگو اسی پر شروع اور اسی پر ختم ہوتی تھی۔ خود پسندی کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے۔

عنبر نے اپنے جلتے دل کو سنبھالتے ہوئے ایک گہری سانس لی اور کھڑے ہوتے ہوئے مسکرا کر بہت رسان سے کہا۔



Digitized by Google

''مگر..... مجھے تو بہت پسند ہیں۔'' اور کمرے میں داخل ہوتی آپا کو دیکھتی باہر نکل گئی۔

آفاق آخر چیز کیا تھے؟ چھبیس سال کی عمر میں بھی اماں کے اتنے لاڈلے تھے کہ صرف لقمہ منہ میں ڈالنے کی کسر رہ جاتی تھی ورنہ منے کے نخرے چار سال کے بچے کی طرح اٹھائے جاتے تھے۔ اللہ جانے کیا پڑھ لکھ کر ڈبویا تھا کہ نوکری چاکری تو ایک طرف رہی' گھر میں ہل کر پانی بھی نہیں پیتے تھے۔ بقول ان کی اماں کے' ان کے سپوت کو ضرورت بھی کیا تھی نوکری کی دردسری میں پڑنے کی گھر میں اللہ کے کرم اور ابا کی ایک اچھی سرکاری محکمے کی نوکری کے طفیل جی بھر کے ''ہذا من فضل ربی'' تھا۔

''اے جب سر پر پڑے گی تو کر لے گا نوکری بھی' ابھی تو ہنسنے بولنے کے دن ہیں میرے بچے کے۔'' اپنے چھ فٹ ایک انچ کے پلے پلائے بچے کے سر اور پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر کہا جانے والا یہ نادر جملہ ان کی اماں کا تکیہ کلام تھا بقول عنبر کی چھوٹی بہن بینا کے۔

عنبر کے ابا اتنے نادان نہیں تھے کہ جانتے بوجھتے ایک نکمے لڑکے کے حوالے اپنی بیٹی کر دیتے۔ ان کی دور اندیشی نے انہیں یہ سمجھا دیا تھا کہ اتنی دولت اور جائیداد آخر کار جس اکلوتے وارث کو ملنی ہے وہ آفاق ہے۔ ان کے دوست نے جو انہیں بتایا' وہ انہوں نے آنکھیں بند کر کے مان لیا۔ کیا تعلیم ہے' کہاں سے پڑھا ہے' آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے؟ ان سب جھمیلوں میں نہ وہ پڑے اور نہ کسی اور کو پڑنے دیا۔ دولت' امارت اور شان و شوکت کی خیرہ کر دینے والی چمک کے آگے ان بے کار باتوں میں کیا رکھا تھا' ان کی رانی بیٹی کو راج کرنا تھا' سو وہ کرے گی۔

❁.....❁

''تو کیا تم اپنا ماسٹرز بھی پورا نہیں کرو گی؟''

''ہاں ابا نے کہا ہے کہ شادی کے بعد پڑھ لینا' جتنا پڑھنا چاہو۔'' عنبر نے اداسی سے کہا۔

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی' تم نے تو کہا تھا کہ دو تین سال میں شادی ہوگی۔'' عالیہ نے منہ پھلا کر کہا۔

''بھئی کہا تھا مجھے تھوڑی معلوم تھا کہ چار مہینے بعد ہی وہ پیچھے پڑ جائیں گے۔'' عنبر نے اپنے سامنے پھیلے رجسٹر کو بند کرتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ' وہ' کبھی ان' وہ' کی شکل مبارک تو نظر آئی نہیں یہاں ہمیں کہ کچھ پتا چلے یوں مرے جا رہے ہیں تمہارے لیے۔'' عالیہ نے اسی روٹھے لہجے میں کہا۔

''اچھا چھوڑو ناں عالیہ' ہٹلر ہو جاتی ہو تم تو۔'' ہمیشہ کی صلح جو اور بات رفع دفع کر دینے والی افزا نے عنبر کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر جلدی سے کہا۔

''ٹھیک تو ہے شادی کے بعد بھی تو پڑھا جا سکتا ہے' ہماری ایک ممانی نے تو میڈیکل کی پوری پڑھائی شادی کے بعد کی تھی تم اپنا ماسٹرز نہیں کر سکتیں' اب دکھاؤ بھئی کب ہیں تمہارے فنکشنز' اب تو کپڑوں کا بھی سوچنا ہے' بہت سارے بنوانے پڑیں گے۔ خوب مزے کریں گے ٹھیک ہے ناں عالیہ؟'' عنبر کے چہرے پر مسکراہٹ لوٹ آئی اور عالیہ بھی سب کچھ بھول بھال' افزا کے ہاتھ میں موجود شادی کے کارڈ پر جھک گئی تھی۔

❁.....❁

مہندی' مایوں' ڈھولکیوں میں مزہ تو واقعی بہت آیا۔ عالیہ اور افزا نے دوست ہونے کا حق ادا کرنے کی پوری کوشش کی۔ صبح عنبر کے گھر پہنچ کر جوڑے ٹانکیں' اس کے خاندان کی لڑکیوں اور بہنوں کے ساتھ مل کر مہندی سجائیں اور شام کو کیل کانٹے سے لیس لڑکے والوں کے ساتھ گانے کے مقابلے کے لیے حلق پھاڑ پھاڑ کر جان لڑائی' یہ اور بات کہ بارات کا دن آنے تک' دونوں کی آواز بیٹھ چکی تھی اور کمر تختہ ہو گئی تھی۔

جس دن بارات تھی' اس دن وہ سارا دن عنبر کے ساتھ ساتھ رہیں۔ دلہن بنانے کے لیے اسے بیوٹی پارلر لے کر جانا بھی انہوں نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔ آپا جنہیں اماں کے ساتھ لگ کر دس ہزار اور کاموں کی فکر پڑی رہتی تھی' سوچتی رہیں کہ اگر یہ دونوں نہ ہوتیں اور انہیں بیوٹی پارلر کے لیے بھی پانچ گھنٹے الگ کرنے پڑتے تو کیا ہوتا؟

اب تک کے ہلے گلے اور تام جھام میں ان سب کو ایک دوسرے سے ڈھنگ سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ آج ان کا عنبر کے ساتھ اس طرح کی بے فکری اور دوستی کا آخری دن تھا۔ اس کے ساتھ بیوٹی پارلر آنے کا بڑا مقصد بھی دراصل یہ آخری دن ساتھ گزارنا تھا' کچھ اپنی کہنا کچھ اس کی سننا لیکن تھوڑی دیر بعد انہیں احساس ہوا کہ صرف وہی کہہ


Digitized by Google

رہی ہیں، عنبر کچھ نہیں کہہ رہی اور شاید کچھ سن بھی نہیں رہی۔
وہ خاموش خاموش سی ہے، اس کا تو اندازہ انہیں تھا لیکن اب تک اس خاموشی کو وہ اداسی سمجھ رہی تھیں۔ کسی بھی لڑکی کے لیے یہ وقت بہت کٹھن ہوتا ہے جب اسے اپنے پیاروں کو چھوڑ کر پیا دیس بسانا پڑتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ پیا کے پاس جانے کی خوشی بھی تو ہوتی ہے عنبر کے چہرے پر وہ خوشی کیوں نہیں تھی جو ہونی چاہیے تھی۔ کوئی جوش، ولولہ، امید لگن کچھ بھی تو نہ تھا بس خاموشی سے بیٹھی بال بنوا رہی تھی۔
اتنا بولنے اور ایک ایک چیز میں مین میخ نکالنے والی ان کی سہیلی عنبر، آج اپنی زندگی کے اس سب سے اہم موقع پر خاموش تھی۔
"عنبر یار کچھ تو کہو یہ کیا ہوں ہاں لگا رکھی ہے۔ اب ہم تمہیں روز ملنے والے نہیں ہیں۔" افزأ نے اس کا مہندی لگا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔
"اور کیا بھئی کل سے ہم کہاں اور تم کہاں پہچانو گی بھی نہیں ہمیں پھر۔" عالیہ نے لقمہ دیا۔
"ویسے قسم سے...... تمہارے بغیر یونیورسٹی میں دل نہیں لگے گا۔" افزأ نے اداسی سے کہا۔ عنبر صرف مسکرا کر رہ گئی وہی اداسی بھری، سوگوار سی مسکراہٹ۔
"کیا مسئلہ ہے؟" افزأ اور عالیہ نے ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
تیار ہو کر تو عنبر پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ کتنا روپ آیا تھا اس پر دونوں نے اپنی پیاری سہیلی کو باری باری گلے سے لگا کر پیار کیا۔ عالیہ نے جھک کر اس کا غرارہ سنبھالا تو اسے اپنے ساتھ لگا کر چلتی افزأ نے اس کے سر سے سر جوڑ کر سرگوشی کی۔
"تم خوش تو ہو ناں عنبر؟" عنبر نے اس بھیگی آواز میں پوچھے گئے سوال کا جواب تو اقرار میں سر ہلا کر دے دیا لیکن حقیقت یہ تھی کہ اس سوال کا جواب اسے خود بھی نہیں معلوم تھا۔ جس شخص کے ساتھ وہ زندگی شروع کرنے جا رہی تھی وہ ایک عجیب ریشم کی الجھی ہوئی گتھی جیسا تھا۔
مہندی کی رسم کے بعد اس کی کزنز اور سہیلیوں نے آکر آفاق کی بیزاریت اور سرد مزاجی کی کیسی تصویریں کھینچی تھیں۔ نیگ لینے دینے کے معاملے میں اس کی بے مروتی، سیدھے منہ بات نہ کرنا، عین رسم کے وقت غائب ہو جانا اور ڈھونڈے جانے پر اپنی گاڑی میں پایا جانا ایسی باتیں تھیں جن کو وہ دوسروں کے ساتھ مل کر وقتی طور پر ہنسی مذاق میں اڑانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن دل کے اندر جیسے گرہیں سی پڑتی جا رہی تھیں۔ سوال تھے کہ بڑھتے جا رہے تھے۔ ان گرہوں کو کیسے کھولے اور ان سوالوں کا جواب وہ کس سے مانگے؟ یہ بھی اسے معلوم نہیں تھا۔

❁......❁......❁

آنے والے دن، کیا وہی تھے جن کی داستانیں اس نے سن رکھی تھیں۔ وہ شادی کی شروعات کے والہانہ محبت کے دن اور خوشبو میں بھیگی پیار بھری راتیں کہاں تھیں وہ ان سنی سرگوشیاں، وہ نظروں کی گستاخیاں، وہ تنہائی میں ملنے کے بہانے، کچھ بھی تو نہیں تھا۔ اگر کچھ تھا تو آفاق کی سستی اور بیزاری تھی جو ہر جگہ چھائی ہوئی تھی۔ پہلی رات جو اس نے چند باتیں کیں وہ اس کی اپنی پسند، ناپسند اس کی ذات اور اس کے گھر والوں سے متعلق تھیں۔ اس ساری بات چیت میں صرف "میں"، "تھا" "تم" کہیں نہیں تھا۔ کہیں بھولے سے بھی اس نے عنبر کے آنچ دیتے حسن اور مہکتے وجود کی تعریف نہیں کی، اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر کوئی پیار بھری بات، کوئی شرارت نہیں کی۔ اسے شکوہ تھا کہ اس شادی کے "چکر" میں وہ کتنا تھک چکا ہے۔ خدشہ تھا کہ ابھی مزید کچھ دن یا ہفتے اس کی نیند پوری نہیں ہوگی اور اس کی نیند کتنی تھی اس کا اندازہ بھی عنبر کو بہت جلد ہو گیا تھا۔ خدایا...... یہ اللہ کا بندہ کتنا سوتا ہے آخر اس کے پاس نیند کا گویا نہ ختم ہونے والا خزانہ تھا جو وہ ہر وقت لٹانے کو تیار رہتا۔ جہاں چاہو اور جب چاہو کی بنیاد پر نیند حاضر رہتی اور وہ سوئے جاتا۔
شادی کے بعد کی پہلی دعوت پر جو عنبر کی خالہ کے گھر تھی، اس کی ساس پہلی مرتبہ اس کے کمرے میں آئیں۔ پہلے تو انہوں نے کمرے کا تنقیدی جائزہ لیا اور پھر صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔
"کیا پہن رہی ہو آج؟" عنبر نے جو جوڑا آج کے لیے سوچا تھا نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا۔
"یہ تو جہیز کا ہے تمہارے۔" انہوں نے تیوریاں چڑھا کر کہا۔
"جی یہ چھوٹی خالہ نے ہی بنوایا تھا۔ میں نے سوچا ان کے گھر ہی جا رہی ہوں تو پہن لوں۔ انہیں اچھا لگے گا۔" عنبر

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT



Digitized by Google

نے سرسری سے لہجے میں کہا۔

"اور وہ جو تمہارے بڑی کے ایسے بھاری بھاری جوڑے بنوانے میں ہماری ٹانگیں ٹوٹ گئیں' وہ کچھ نہیں؟ خالہ کا دل پھر بھی رکھ لینا آج وہ نارنجی پشواز پہنو جو بے بی لاہور سے بنوا کر لائی تھی۔" اور بے بی ان کی بیٹی تھی جو چار بچوں کی اماں بھی تھی۔ اس چیختی ہوئی نارنجی پشواز کی ایک ایک چیز سے "بے بی" کے اعلیٰ وارفع ذوق کا ایک نظر میں پتا چل جاتا تھا۔

اس کے بعد یہ معمول بن گیا۔ کہاں جانا ہے' کب جانا ہے' کیوں جانا ہے' کیا پہننا ہے؟ سارے معاملات اس کی ساس کے ہاتھوں طے ہونے کے بعد اس تک پہنچتے اور جب نئی دلہن کا فیک اس پر سے اتر چکا تو گھر کے باقی امور بھی ان سے پوچھ پوچھ کر کرنے کی اسے اسی طرح عادت ہوگئی جیسے باقی گھر والوں کو تھی۔

❁.....❁.....❁

باتھ روم سے مسلسل پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ عنبر نے الماری میں کپڑے رکھتے ہوئے خود کلامی کی۔

"بیس منٹ سے یہ شخص صرف نہائے ہی جا رہا ہے۔" اس کے ہاتھ تیزی سے کپڑے ٹھیک کر رہے تھے۔ پچھلے ہفتے سسرال کی ایک انتہائی قریبی شادی میں روز روز کے آنے جانے نے الماری کی حالت بگاڑ دی تھی اور اس کے میاں کچھ اور ہوں نہ ہوں صفائی اور نفاست پسندی میں سب سے آگے تھے۔ کمرہ بکھرا ہوا ہو' الماری میں کپڑے طریقے سے رکھے ہوئے نہ ہوں' سامان پر گرد کا ذرہ نظر آجائے یا کھانے کی پلیٹ اور چمچوں میں پانی کا قطرہ رہ جائے تو جناب کی طبیعت مکدر ہو جاتی تھی۔

بالآخر غسل خانے کا دروازہ کھلا اور موصوف برآمد ہوئے۔ سفید براق قمیص شلوار پہنے' سر کے بالوں سے پانی ٹپکاتے ہوئے اس نے ہاتھ میں پکڑا تولیہ اس کی طرف اچھالا۔

"عنبر یہ تولیہ میلا ہے' مجھے صاف تولیہ لا کر دو۔"

"لیکن یہ تو کل ہی نکالا تھا۔" عنبر نے تولیہ ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"نکالا ہوگا۔ ذرا سونگھ کر دیکھو اسے کیسی تیل جیسی بو آرہی ہے۔" اس نے نخرے سے ناک سکیڑتے ہوئے کہا۔

"برائے مہربانی ذرا جلدی لا دو' تم دیکھ نہیں رہی ہو' سارے کپڑے گیلے ہو رہے ہیں میرے۔" دیکھ ہی تو رہی تھی وہ پچھلے چھ مہینے سے اپنے بے کار نکھٹو شوہر کو' اس کی کم حیثیتی اور اپنی بے وقعتی کو۔ آخر کیوں یہ اور بھلے مانس شوہروں کی طرح صبح اٹھ کر نوکری پہ نہیں جاتا' کیوں وہ شام کو اپنے شوہر کے گھر آنے کا دنیا کی ساری بیویوں کی طرح انتظار نہیں کرتی' کیوں اس کا شوہر اس کے ہاتھ پہ اپنی کمائی لا کر نہیں رکھتا' کیوں وہ اپنی مرضی اور حق سے وہ پیسے خرچ نہیں کرتی؟ اسے کتنا عجیب لگتا تھا جب چھوٹی چھوٹی ضروریات کے لیے اس کا شوہر اپنی ماں سے پیسے مانگتا تھا۔ کتنی چھوٹی ہو جاتی تھی وہ دوسرے گھر والوں کے سامنے' کتنی ذلت محسوس ہوتی تھی اسے۔

"آج آپا کا فون آیا تھا۔"

"اچھا۔" آفاق نے بالوں کو تولیہ سے رگڑتے ہوئے کہا۔

"آپا بتا رہی تھیں کہ معین بھائی آپ سے ملنا چاہ رہے ہیں کچھ بات کرنی ہے۔" اس نے پھر کہا۔

"بات کرنی ہے مجھ سے؟" آفاق نے تولیہ نفاست سے اسٹینڈ پر ٹکتے ہوئے کہا۔

"جی اصل میں معین بھائی کے آفس میں کچھ جابز نکلی ہیں آپا کہہ رہی تھیں کہ اگر آپ اپلائی کریں تو معین بھائی....." اس نے رک رک کر جھجک کر بات آگے بڑھائی۔

"میری سفارش کردیں گے یہی ناں۔" آفاق نے بات اچکتے ہوئے اکھڑ پن سے کہا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے تھے۔

"اور تمہارے خیال میں مجھے وہ دو ٹکے کی نوکری کرنے کے لیے تمہارے بہنوئی کی سفارش چاہیے۔ عنبر بی بی مجھے جاب کرنی ہو تو میرا باپ بھی اس قابل ہے کہ جس جگہ اشارہ کردوں نوکری پلیٹ میں رکھ کر پیش کردی جائے سمجھیں؟" وہی ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولنے کا انداز' جس سے عنبر کی روح تک سلگ جاتی تھی۔

"تو پھر آپ نوکری کیوں نہیں کرتے؟" عنبر کا بے ساختہ سوال جیسے اس کے اندر کے اکھڑ اور ضدی مرد کو پوری طرح سامنے لے آیا۔ عنبر کے دونوں بازوؤں کو اپنے ہاتھوں



Digitized by Google

میں جکڑ کر اس نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے دانت پیس کر کہا۔

''اس لیے کہ میں کرنا نہیں چاہتا' میں اس نوسے پانچ کی پابندی میں نہیں جکڑ سکتا' اپنے آپ کو میں دفتر سے گھر اور گھر سے دفتر گھن چکر بنتے نہیں دیکھ سکتا..... جواب مل گیا تمہیں یا اور بھی کچھ سننا ہے۔'' عنبر کے بازو ایک جھٹکے سے چھوڑتے ہوئے اس نے اسے تقریباً دھکا دے کر دور ہٹایا۔

''تمہارے گھر والوں کو اس وقت تو کوئی اعتراض نہیں تھا میرے نوکری نہ کرنے پہ جب شادی کی تھی تمہاری مجھ سے اور تمہیں تکلیف کیا ہے میرے نوکری نہ کرنے سے؟ کیا نہیں ہے تمہارے پاس اچھے سے اچھا کھا رہی ہو' پہن رہی ہو' رہنے کو اتنا بڑا گھر ہے' آسائش' سکون' بے فکری کیا نہیں ہے تمہارے پاس کس چیز کی کمی ہے بولو۔'' کیا نہیں تھا اس کے پاس کس چیز کی کمی تھی وہ کیا بتاتی۔

اس مان کی کمی تھی جو ہر بہو کو اپنے سسرال سے ملتی ہے۔ وہ عزت نہیں تھی اس کے پاس جو ایک بھابی کے لیے اس کی نندوں' دیوروں کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔ وہ توقیر ناپید تھی جو ایک کماؤ بیٹے کی بیوی کی حیثیت سے حاصل ہوتی ہے۔

''اور اگر واقعی تمہاری ضروریات اس سے بھی زیادہ ہیں تو اپنے اماں ابا سے کہو کہ اپنی لاڈلی بیٹی کی حسرتیں پوری کردیں میرے پاس تو یہی ہے اور یہی دے سکتا ہوں۔'' گنگ کھڑی عنبر کو اس نے ہاتھ بڑھا کر راستے سے ہٹایا اور دروازہ جھٹکے سے کھولتا باہر نکل گیا۔

اسے اپنے آس پاس ہونے والی باتوں اور ہنسی مذاق سے اتنا تو پتا چل گیا تھا کہ اس کے سسر بھی اس سے پہلے بہت مرتبہ ایسی کوششیں کر چکے تھے۔ اس کی اس ہڈ حرامی' سستی اور کاہلی میں اس کی ماں کا بڑا ہاتھ تھا۔ وہ ہمیشہ اس کی ڈھال بن جاتیں' جب بھی آفاق نے باپ کے پیچھے پڑنے پر کسی کام میں ہاتھ ڈالا تھا' انہوں نے اس کے آرام اور آسائش کا رونا رو کر اس کو گھر میں بیٹھ جانے اور لمبی تان کر سو جانے کا درس دیا تھا۔ وہ اسے کسی کا شوہر نہیں بلکہ صرف اپنے لاڈلے اور پیارے بیٹے کے روپ میں رکھنا اور دیکھنا چاہتی تھیں جو ساری زندگی ان کے سائے کے نیچے رہا تھا اسے وہ کسی اور کے آنچل کی خوشبو کا اسیر ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ وہ اب بھی ان کی گود میں اسی طرح سر رکھ کر لیٹ جاتا تھا جس طرح شادی سے پہلے ساری زندگی کرتا آیا تھا اور اس سے ان کے ماں ہونے کے مان کو کتنی تسکین ملتی تھی' وہ ان کی ایک ایک بات سے عیاں ہوتی تھی۔ نئی نویلی سجی سنوری دلہن کے ہوتے ہوئے جب وہ ان کے پاس آکر بیٹھ جاتا' ان سے کھانا اور ناشتہ مانگتا یا ان سے ضروریات کے لیے پیسے مانگتا تو جیسے ان کا سیروں خون بڑھ جاتا۔ اس کی عنبر کی طرف سے لاپروائی' سرد مہری' لاتعلقی پر اس کو سرزنش کرنے کے بجائے وہ اس کے لاڈ اٹھا کر جیسے اسے مزید شہہ دیتے تھیں۔

❁.....❁.....❁

بجلی حسب معمول غائب تھی۔ آفاق کی کرکٹ کے جس میچ سے لطف اندوز ہونے کی صبح سے تیاری تھی' وہ بجلی کی نذر ہوگیا تھا۔ نہ بجلی نہ ٹی وی' نہ میچ۔ وہ بور صوفے پر اوندھا پڑا تھا۔ امی اس کے پاس آکر بیٹھیں تو حسب عادت اس نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ کر آنکھیں بند کرلیں۔

''کیا بات ہے کیوں بیزار ہو؟'' امی نے اس کے سر میں انگلیاں پھیرتے ہوئے لاڈ سے پوچھا۔ وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے پڑا رہا تو انہوں نے پھر کہا۔

''کچھ کھاؤ گے؟ چائے بنواؤں۔'' آفاق نے ایک ''اونہوں'' کے بعد پھر خاموشی اختیار کرلی۔

''آج عامر کی طرف چلے جاؤ دل بہل جائے گا۔'' امی نے تجویز پیش کی تو اس نے بالآخر جواب دیا۔

''اس کے پاس بھی کہاں ٹائم ہے۔ اپنے بزنس کی لوکیشن کے لیے خاک چھانتا پھرتا ہے' ایک آدھ دن تو اس کے کہنے پر ساتھ چلا بھی گیا میں' مگر اپنے اندر یوں مارے مارے پھرنے کی ہمت نہیں ہے اس گرمی میں۔'' آفاق نے بے زاری سے کہا۔

عامر اس کا جگری دوست تھا۔ کچھ عرصہ پہلے وہ سعودی عرب چلا گیا تھا۔ اب کچھ پیسہ جمع کرکے لایا تھا کہ یہاں کسی کاروبار میں لگا سکے۔ اس کا خیال تھا کہ بچوں کے گارمنٹس کی کسی اچھے شاپنگ سینٹر میں دکان کھولی جائے۔ اسی سلسلے میں وہ بہت مصروف تھا۔ آفاق کو اس کی آمد پر جس بھلے گلے سیر و تفریح اور کھانے پینے کے مشغل کی عادت تھی' اس مرتبہ ظاہر ہے کہ وہ مفقود تھی۔

''ہاں یہ تو ہے۔ اس سڑی گرمی میں کس کا جگرا ہے کہ سڑکیں ناپتا پھرے' اچھا کیا جو نہ گئے ساری رنگت جھلس



Digitized by Google

جائے گی شام کو نکل جایا کرو ملنے۔'' امی نے اس کے بالوں میں اسی طرح ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ عامر وہاں رہ کر یہاں کاروبار چلائے گا کیسے؟'' امی کے سوال پر آفاق نے کچھ لمحے رک کر سوچا اور پھر بولا۔

''اس میں سمجھ میں نہ آنے والی کیا بات ہے؟ ظاہر ہے کسی کو یہاں کا انچارج بنا کر جائے گا۔ کہا تو اس نے مجھ سے بھی ہے ویسے۔'' اس نے آخری بات کہتے ہوئے ماں کی طرف دیکھا۔

''اچھا کیا کہا ہے؟'' امی نے مزید کریدا۔

''یہی کہ میں اگر کاروبار سنبھال سکوں تو اسے تسلی رہے گی۔ اسے بار بار بھاگ کر یہاں نہیں آنا پڑے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔'' آفاق نے سرسری سے لہجے میں کہا' کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے پھر کہا۔

''پہلے تو میں نے صاف منع کر دیا تھا کہ کون اس جھنجھٹ میں پڑے لیکن اب سوچتا ہوں کہ کر کے دیکھ لینے میں کیا حرج ہے نوکری تو ہے نہیں کہ سارا دن خواری ہوگی۔ اپنے کاروبار کا مزا ہی یہ ہے کہ آپ اپنے مالک خود جب چاہو آؤ' جب دل کرے جاؤ۔''

''اچھا پھر.....؟'' امی نے کچھ دیر خاموشی کے بعد پوچھا۔ آفاق نے ایک نظر ماں کی طرف دیکھا۔

''آپ کیا کہتی ہیں؟''

''تمہاری مرضی ہے اگر کر سکتے ہو تو دیکھ لو۔''

''مگر میں شراکت میں کروں گا اگر کچھ بھی کیا تو ملازم بن کر نہیں بیٹھوں گا اس کے کاروبار کو دیکھنے کے لیے۔'' آفاق کے لہجے میں پھر وہی رعونت اور نخرہ در آیا جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھی۔

''ہاں تو اور کیا۔'' امی نے بھی حسب معمول اس نخرے اور رعونت کا حوصلہ بڑھایا۔

''اللہ نہ کرے تم ملازم کیوں ہونے لگے اس کے۔'' ان کے ہاتھ اب آفاق کی پیٹھ سہلا رہے تھے۔

''مگر پیسہ آئے گا کہاں سے لگانے کے لیے؟ ابا تو اب مجھے پھوٹی کوڑی نہیں دیں گے۔''

''ہاں بھئی..... ان سے تو اب کچھ نہیں ملے گا' صاف کہہ چکے ہیں وہ مجھ سے۔'' امی نے حتمی لہجے میں کہا کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بولیں۔

''اے تو اپنے سسر سے کیوں نہیں مانگ لیتے اس بار' لوٹا دینا جب کاروبار جما لو تو آخر تمہاری بیوی کے ابا ہیں کچھ حق تو ان کی طرف بھی نکلتا ہے تمہارا۔'' آفاق نے نظر بھر کر ان کی طرف دیکھا یہ خیال تو اسے واقعی نہیں آیا تھا۔

''اور تمہیں جا کر کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عنبر سے کہلواؤ اب کے میکے جائے تو۔'' امی نے نصیحت کی۔

''ہاں ٹھیک ہے چلیں اب مجھے چائے پلوا ہی دیں۔''

''ابھی لو میرے چاند۔'' آفاق نے پھر ان کی گود میں سر رکھ دیا تب انہوں نے جھک کر اس کا ماتھا چوم لیا تھا۔

❁.....❁.....❁

''لیکن آپی یہ تو کوئی طریقہ نہیں ہے ناں۔'' عنبر نے چونک کر سامنے بیٹھے شہزاد کو دیکھا۔ اماں کے تخت کے برابر میں رکھی کرسی پر بیٹھا وہ کتنا بڑا بڑا لگ رہا تھا۔

وہ کچھ دیر پہلے کرکٹ کھیل کر گھر آیا تھا۔ پسینے میں بھیگے بال اس کے ماتھے پر بکھرے تھے۔ چہرہ بھاگ دوڑ سے تمتمایا ہوا تھا ہاتھ میں اب تک کرکٹ کا بیٹ تھا جسے وہ حسب عادت بات کرتے ہوئے حرکت دے رہا تھا۔

اس کی شادی کی تصویروں میں جو شہزاد تھا' اس سے یہ شہزاد کتنا مختلف لگ رہا تھا اور کتنے سال ہوئے تھے اس کی شادی کو؟ دو سال اور اتنے سے دنوں میں اس کا چہرہ بدل گیا تھا۔ مسیں بھیگ گئی تھیں' آواز بدل گئی تھی اور قد اتنا لمبا ہو گیا تھا کہ نظر اٹھا کر بات کرنی پڑی تھی۔

''آفاق بھائی اگر بزنس کرنا چاہتے ہیں تو کریں بہت اچھی بات ہے لیکن ابا انہیں کس سلسلے میں پیسے دیں؟'' اس نے بیٹ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

عنبر کو اس کے لہجے کی کوئی بات چبھ رہی تھی۔ نہ وہ بدتمیزی کر رہا تھا نہ بدلحاظی لیکن پھر بھی کچھ تھا جو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ شاید یہی کہ وہ چھوٹے بھائی سے یک دم بڑا ہو گیا تھا اور اس کے سوالوں کے جواب دینے کی عنبر کو عادت نہیں تھی وہ تو اماں اور ابا سے بات کرنے آئی تھی۔ انہی کے سوالوں کے لیے تیار بھی تھی لیکن سوال شہزاد پوچھ رہا تھا اور حیرت انگیز طور پر اسے کوئی ٹوک بھی نہیں رہا تھا۔ اسے گومگو دیکھ کر ابا نے پہلی بار کھنکھار کر گلا صاف کیا۔

''بیٹا آفاق نے کچھ کرنے کے بارے میں سوچا ہے تو یہ



Digitized by Google

تو بہت اچھی بات ہے میں اگر اس سلسلے میں کسی کام آسکوں تو یہ بھی اچھا ہے لیکن اتنی رقم یکمشت تم تو جانتی ہی ہو کہ ہمارے لیے ذرا مشکل ہے۔'' وہ جانتی تھی' اسی لیے شادی کے بعد پہلی بار آفاق سے بحث میں الجھی تھی۔

شروع شروع کی چھوٹی موٹی باتوں کے بعد اسے اچھی طرح اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ وہ پتھر ہے جس سے سر پھوڑنا بیکار ہے۔ آفاق ان لوگوں میں سے تھا جنہیں یہ خوش فہمی ہوتی ہے کہ وہ کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتے۔ اپنی غلط بات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ایسے لوگ کیسی کیسی دلیلیں اور مفروضے گھڑ سکتے ہیں' اس سے پہلے وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ صاف گو تھی۔ بدتمیز نہیں مگر سیدھی سچی بات کرنے کی عادی تھی لیکن آفاق کے ساتھ اس کے نہ اصول چلے نہ سچائی۔ اب اکثر اپنوں کے سامنے بھرم قائم رکھنے کو جھوٹ کا سہارا لیتی۔ اپنی اور آفاق کی بات بنائے رکھنے کو بہانے بنانا بھی سیکھ گئی تھی' لیکن اپنے آپ کو اتنا بدلنے پر بھی کبھی کبھی' کہیں نہ کہیں اس کے اندر کی وہ پرانی عنبر جاگ جاتی جس کو اس نے تھپک تھپک کر سلا دیا تھا۔ ابا سے پیسے مانگنے والی بات بھی ایسی ہی تھی جس نے اسے سر سے پیر تک سلگا دیا تھا۔ کتنا بولی تھی وہ اس دن کتنے بہت سارے بے سود سوال کیے تھے لیکن نتیجہ کیا نکلا تھا۔ آفاق نے کہا تو صرف اتنا۔

''پہلی مرتبہ کسی کام کے لیے تمہارے گھر والوں سے کہہ رہا ہوں۔ بہتر ہوگا اگر جلدی ہو جائے۔'' اور اب وہ یہاں بیٹھی تھی۔ اماں کی کھوجتی نظروں کے سامنے ابا کی پُرفکر نگاہوں کے روبرو' چھوٹے بھائی کے چبھتے سوالوں کے جواب ڈھونڈتی۔ ابا نے اس کی خاموشی بھانپ لی۔

''چاہیے کب اسے؟'' اس نے بولنا چاہا تو اسے اپنی آواز کتنی اجنبی لگی تھی۔

''جلدی چاہیے' ان کے دوست کو واپس جانا ہے۔ اس کے جانے سے پہلے اگر.....''

''اچھا میں دیکھتا ہوں۔ کیا ہوسکتا ہے۔'' ابا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

شہزاد نے ایک نظر انہیں جاتے دیکھا۔ دوسری نظر بہن پر ڈالی اور بیٹ پٹخ کر بغیر کچھ کہے وہاں سے اٹھ گیا۔

''یہ آفاق میاں کو سوجھی کیا' اچانک کاروبار کرنے کی؟'' اماں نے کندھے پر پڑا دوپٹہ برابر کرتے ہوئے آخرکار خاموشی توڑی۔ ''تجربہ وغیرہ تو کچھ ہے نہیں انہیں' کہیں لینے کے دینے ہی نہ پڑ جائیں۔'' وہ کیا جواب دیتی؟ شادی کے وقت بھی یہی آفاق تھے' جنہیں نوکری تک کا تجربہ نہیں تھا۔

''اچھا چلو اب پریشان مت ہو کریں گے کچھ تمہارے ابا' سر پر پڑی ہے تو۔'' اماں مٹر کے دانوں سے بھری ٹوکری اٹھا کر باورچی خانے کی طرف چل دیں اور وہ اپنی سوچوں کے ساتھ اکیلی بیٹھی رہ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

رقم کا بندوبست ہوگیا تھا۔ دکان لینے سے سامان ڈالنے تک کا زیادہ تر کام عامر نے ہی کیا۔ آفاق کے لیے تو اس کے ساتھ ساتھ پھرنے کا کام ہی بہت تھا۔ دکان پر آفاق کے مددگار کے طور پر دو لڑکوں کو بھی اسی نے رکھا۔ اس سارے عرصے میں آفاق کا جوش و خروش دیکھنے کے قابل تھا۔ عامر کو اس نے اتنا مطمئن کر دیا تھا کہ وہ ہلکا پھلکا سا واپس چلا گیا۔ اب پوری دکان میاں آفاق کے حوالے تھی۔ ویسے بھی برابری کا حصے دار ہونے کی وجہ سے وہ ایک طرح سے دکان کا مالک ہی تھا۔ شروع کے کچھ ہفتے تو دکان جمانے' اس کے اوقات کا عادی ہونے اور سامان وصول کرنے اور لگانے میں گزر گئے۔ پھر کچھ ہفتے نئی دکان پر مالکوں کے سے رعب داب سے بیٹھنے اور نوکروں پر حکم چلانے کے نشے میں گزرے۔ پھر رفتہ رفتہ آفاق کی ازلی سستی اور کاہلی اس نشے اور جوش و خروش پر غالب آنے لگی۔ اصل مسئلہ وہاں سے شروع ہوا جہاں سے اسے کاروبار کی ذمہ داری اور جھک جھک کا ٹھیک سے اندازہ ہوا۔ ذرا ذرا سی بات کو لے کر لڑ کے بیٹھ رہتے۔ پیسوں کا حساب کتاب اور سامان کی ترسیل اور بکنے کا دھیان رکھنا ایک اور جھنجھٹ تھا۔ شروع شروع میں اس نے ہر دوسرے تیسرے دن عامر کو فون کر کر کے اس کے کان کھائے۔ اس غریب نے بھی وہاں سے بیٹھ کر کاروبار دیکھنے اور مشورہ دینے کی حتی الامکان کوشش کی لیکن بات بنی نہیں۔ آفاق نے نیند پوری کرنے اور تھکاوٹ دور کرنے کا طریقہ یہ ڈھونڈا کہ دکان لڑکوں کے حوالے کر کے دیر سے آنا شروع کر دیا۔ امی الگ اسے کبھی بریانی اور کبھی نہاری کے لانچ دے دے کر دوپہر تک گھر پر بٹھائے رکھتیں۔ اللہ اللہ کر کے دکان پر پہنچتا ہوتا بھی تو بے دلی اور بیزاریت اس کی ایک ایک بات سے عیاں ہوتی۔



Digitized by Google

کچھ دنوں میں لڑکوں نے بھی جان چھڑانی شروع کردی۔ ان کے سر پہ کوئی پوچھنے والا تو تھا نہیں۔ اب انہوں نے بھی من مانی شروع کردی۔ گھنٹوں کی تاخیر سے دکان کھولتے۔ باریاں لگا کر دکان سے غائب رہتے۔ آفاق نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی ڈوبتے ہوئے کاروبار کو سہارا دینے یا اس پر توجہ دینے کی کوشش نہیں کی اور آخر کار دکان پر تالا پڑ گیا۔ عام اس لمحے کو کوستا رہ گیا جب اس نے جانتے بوجھتے آفاق جیسے شخص کے ساتھ کاروبار کرنے کی حماقت کی اور آفاق کے تو سر سے بلا ٹلی جو پیسہ ڈوبا وہ کون سا اس کی محنت کی کمائی تھا کہ حلق سے نوالا نیچے نہ اترتا۔ امی نے سر پر ہاتھ پھیر پھیر کے اور ماتھا چوم چوم کر لاڈلے بیٹے پر سے ایسی ہزاروں دکانیں صدقہ کردیں اور لاڈلے دوبارہ ماں کی گود میں سر رکھ کر دنیا پر لعنت بھیج کر بے فکری اور عیاشی کے مزے لوٹنے لگا تھا۔

❁.....❁.....❁

وہ ماں بننے جارہی تھی۔ اب تو آخری وقت تھا۔ کسی بھی وقت اس کی گود ایک ننھے منے گل گوتھنے سے بچے سے سج سکتی تھی۔ آفاق نے تو اس اتنی بڑی خبر کو بھی اسی شان بے اعتنائی سے سنا اور ہضم کرلیا تھا جو اس کی شخصیت کا خاصہ تھی۔ اس کا ردعمل ''یہ تو ہونا ہی تھا'' جیسا تھا اور بس بعد کے آنے والے دنوں میں بھی اس نے کسی خاص جوش و جذبے یا خوشی کا کبھی اظہار نہیں کیا۔ بچے کے سلسلے میں متوقع تیاری کا جب ذکر چھڑا تو اس کی بہت عرصے بعد آفاق سے اچھی خاصی بحث ہوئی تھی۔ کیا لینا ہے' کیا بنانا ہے' کس ہاسپٹل جانا ہے کے امور پر اس نے کندھے اچکا کر جب کہا۔

''امی تو کہہ رہی ہیں کہ پہلا بچہ لڑکی کے میکے والوں کی ذمہ داری ہوتا ہے خرچہ ورچہ سب وہی کرتے ہیں اور پھر تم وہاں جا کر رہو گی بھی تو سوا مہینے.....'' تو اس کی جان جل گئی تھی۔ پہلا بچہ لڑکی کے گھر والوں کی ذمہ داری کیوں؟ کس قسم کی فضول رسمیں اور رواج ہیں جو صدیوں سے جاری ہیں جبکہ دنیا میں آنے والا بچہ اس مرد کی ذمہ داری ہوتا ہے جو اسے اس دنیا میں لانے کا ذمہ دار ہوتا ہے اور جسے اس کا باپ کہتے ہیں نہ کہ اس لڑکی کے ماں باپ کا جو پہلے ہی اپنی نازوں پلی بیٹی' باجوں گاجوں اور جہیز کے ساتھ کسی اور کے حوالے کر چکے ہوتے ہیں۔ بہت دیر کے جان جلانے کا حسب معمول کوئی اثر نہ ہوتے دیکھ کر اس نے سوا مہینے بعد ہونے والے خرچے کی بابت پوچھا تو آفاق نے اسی طرح کندھے اچکا کر' بڑے رسان سے کہا تھا۔

''ہمارا بچہ اس گھر پر بوجھ ہوگا کیا؟ جیسے ہم یہاں رہ رہے ہیں' وہ بھی رہے گا مزے سے۔'' تو وہ اس کی صورت تکتی رہ گئی تھی۔

عالیہ کے جانے کے بعد سے وہ ایک بار پھر اپنے ماضی میں مقید ہوگئی تھی اور انہی سوچوں میں گم نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

نہ جانے کس سرسراہٹ' ہلکی سی آہٹ سے عنبر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے گردن موڑ کر آنکھیں بمشکل کھولتے ہوئے گھڑی پر نظر ڈالی۔ صبح کے آٹھ بج چکے تھے۔ بچے ضرور اسکول کے لیے تیار ہو رہے ہوں گے اس نے بستر چھوڑ کر کسلمندی سے انگڑائی لی اور باتھ روم میں گھس گئی۔ باہر آنے کے بعد جو پہلا منظر اسے نظر آیا' اس کی اب وہ عادی ہوگئی تھی۔ شہزاد کھانے کی میز پر بیٹھا ناشتے میں مصروف تھا اور حارث سر جھکائے' اسکول یونیفارم میں ملبوس' ناشتے کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ شہزاد اسی طرح اپنے چائے کے کپ کو منہ سے لگائے اخبار پر نظریں جمائے رہا جیسے اس کے آنے کی خبر ہی نہ ہو۔ نہ سلام نہ دعا اور اس معمول کی بھی اب عنبر کو خوب عادت ہو چکی تھی۔

اس نے آگے بڑھ کر کچن میں جھانکا۔ گیارہ سالہ حانیہ' ناشتے کے نام پر کچھ بنانے میں مصروف تھی۔ ڈبل روٹی کے سلائس پلیٹ میں رکھے وہ تندہی سے ان پر مارجرین لگا رہی تھی۔ بیٹا حسب معمول' پیڈ موڑے چولہے کے پاس کھڑی اس طرح چائے بنانے میں مصروف تھی جیسے پیچھے ہونے والی کارروائی کا اسے کچھ علم نہ ہو۔ عنبر کے کچن میں داخل ہونے کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا اور پھر ایک ایسی نظر کے ساتھ واپس مڑ کر اپنے کام میں مصروف ہوگئی جس کا مطلب۔ ''اچھا تو اٹھ گئیں'' تھا۔ عنبر نے آگے بڑھ کر حانیہ کے ہاتھ سے مکھن لگانے کی چھری لے لی۔

''مجھے کیوں نہیں اٹھایا بیٹا؟'' اس نے حانیہ کے سلام کا جواب دینے کے بعد پوچھا۔

''امی میں نے آواز دی تھی..... مگر آپ کو کیا ہوا ہے؟ آپ کی آنکھیں اتنی سوجی ہوئی ہیں؟'' معصوم حانیہ کی



Digitized by Google

تشویش پر بینا نے پھر مڑ کر ایک طنزیہ نگاہ ڈالی جیسے کہہ رہی ہو۔

''ہونہہ کوئی نئی بات کرو۔'' عنبر نے بیٹی کے گال پر آئی لٹ پیار سے کان کے پیچھے اڑستے ہوئے کہا۔

''کچھ نہیں بیٹا رات سر میں درد تھا۔ نیند بھی نہیں آئی ٹھیک سے' چلو تم باہر بھائی کے پاس میں ناشتہ لاتی ہوں۔'' بچوں کو ناشتہ دے کر وہ اپنی چائے کی پیالی لے کر وہیں بیٹھ گئی۔ شہزاد جا چکا تھا۔ حارث اس کی موجودگی میں جس طرح سہما ہوا تھا' اس کے جانے کے بعد اب نسبتاً سکون سے ناشتہ کر رہا تھا۔ عنبر کا سر بھاری ہو رہا تھا لیکن اسے بھی نوکری پر پہنچنا تھا۔

''شہزاد ماموں کب گئے؟'' اس نے نو سال کے حارث کی شرٹ کے کالر کو ٹھیک کرتے ہوئے پوچھا۔ حارث نے صرف کندھے اچکائے۔ یعنی پتا نہیں۔

''تم نے سلام کیا تھا انہیں؟'' اس نے پھر پوچھا۔ اس بار حارث نے پلیٹ پر سے نظر اٹھا کر پہلی بار ماں کی آنکھوں میں جھانک کر' ٹھوس آواز اور حتمی لہجے میں کہا۔

''نہیں.....'' اس کی اس ایک نظر اور ''نہیں'' کے بعد اسے مزید سوال کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ اپنے کام سے کام رکھنے والا' معصوم' بے ضرر بچہ شہزاد کو جانے اس سے خاص طور پر کیا پرخاش تھی آتے جاتے خونخوار نظروں سے دیکھتا تو ہمیشہ سے ہی تھا لیکن اس کی اصل نفرت اور بیزاری اس دن سامنے آئی جب اسے طلاق لے کر میکے آئے تقریباً چھ مہینے ہونے کو آئے تھے۔ ان چھ مہینوں میں اس کے پیاروں کے رویے اس تیزی سے بد سے بدتر ہوئے کہ وہ حیران رہ گئی تھی۔ اماں کی جلی کٹی' ابو کی بات بے بات ٹوکتیں' بینا کی چبھتی طنزیہ نگاہیں اور چرکے اور شہزاد کے سلگتے جملوں کی آتش بازی یوں تو اب معمول کا حصہ تھا' لیکن وہ دن جب شہزاد نے ایک چھوٹی سی بات پر حارث کے بال اپنے ہاتھوں میں جکڑ کر' اسے زمین پر پٹخا تھا۔

وہ کمرے سے نکل کر باہر آئی تو دیکھا چوبیس سال کا لمبا' چوڑا شہزاد غصے میں آگ بگولہ' اس کے زمین پر گرے کمزور' نحیف بچے پر اس طرح جھکا کھڑا تھا جیسے بس چلے تو جان ہی نکال لے۔ حارث بے آواز رو رہا تھا۔

''کیا..... کیا ہوا؟'' اس نے کچھ ایسی بے یقینی سے' ہراساں ہو کر شہزاد سے پوچھا جیسے اب بھی اسے گمان ہو کہ وہ جو کچھ دیکھ رہی ہے حقیقت نہیں۔ اس نے آگے بڑھ کے پورے زور سے شہزاد کو دور ہٹایا اور حارث کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ حارث کی بے آواز سسکیاں' ہچکیوں میں بدل گئیں۔ وہ کانپ رہا تھا۔

''ہوا کیا آخر..... تم نے مارا ہے اسے' کیوں؟'' اس نے بپھرتی سانسوں کے ساتھ شہزاد سے پوچھا۔

''پوچھو اپنے لاڈلے سے کیا کیا ہے اس نے' اس کمینے کو ہزار بار منع کیا ہے کہ میری چیزوں کو ہاتھ نہ لگایا کرے مگر باز نہیں آتا۔ میرے بیٹ کا بیڑا غرق کر دیا اس نے پانی گرا کر اتنے بہت سارے کھلاڑیوں کے آٹوگراف تھے یہ لاکر دے گا۔ اس کی اوقات ہے فقیر کہیں کا۔'' اس نے جیسے غصے کی ایک نئی لہر کے ساتھ پھر آگے بڑھ کر حارث کو ٹھوکر مارنے کی کوشش کی مگر عنبر کی شعلہ برساتی نظروں کو دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا۔

''کہاں ہے؟ دکھاؤ مجھے۔'' بیٹ کا ہینڈل گیلا ہو رہا تھا اور پانی کے کچھ چھینٹے ہموار سطح پر بھی پڑے تھے جس نے ایک آٹوگراف کو معمولی سا دھندلا دیا تھا۔

''کیا ہوا ہے اسے ٹھیک تو ہے۔'' اس نے اب تقریباً غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے چلا کر کہا۔

''یہ ٹھیک ہے..... ٹھیک لگ رہا ہے آپ کو؟'' شہزاد نے جھپٹ کر بیٹ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔ ''اپنے لاڈلے کی کوئی غلطی نظر بھی آتی ہے؟'' اس کا لہجہ انتہائی گستاخ تھا۔

''سارے بیٹ کا ستیاناس کر دیا منحوس نے۔''

''زبان سنبھالو شہزاد..... میرے معصوم بچے پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے اوپر سے بدتمیزی کرتے ہو۔'' اب وہ پوری جان سے کانپ گئی تھی۔

''چلاؤ مت آپی..... یہ تمہارا سسرال نہیں جہاں اسی طرح چیخنے چلانے اور زبان درازی کرنے پر دھکے دے کر نکالی گئی ہو۔ اماں' ابا ٹھیک کہتے ہیں اپنی زبان کو قابو میں رکھتیں تو ان مصیبتوں کو ہمیں نہ بھگتنا پڑتا۔ شکر کرو تمہیں اور تمہارے ان کیڑوں کو سر چھپانے کا آسرا مل گیا ہے اس چھت کے نیچے' یہاں سے بھی دھکے دے کر نکال باہر کر دوں جاؤ ایسی حرکتیں مت کرو۔'' شہزاد کے الفاظ شعلوں کی طرح اس پر برسے۔ کیا اس نے صحیح سنا تھا وہ ششدر کھڑی رہ گئی



URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

تھی۔

’’اور سمجھا لو اپنے ان فقیروں کو۔‘‘ شہزاد نے جاتے ہوئے عین اس کی آنکھوں کے آگے شہادت کی انگلی نچا کر کہا۔

’’اب میرے کمرے کے آس پاس بھی پھٹکے تو ان کی ٹانگیں اور سر دونوں توڑ دوں گا۔‘‘ اپنی نفرت بھری نگاہ حارث پر آخری بار ڈال کے وہ آندھی طوفان کی طرح کمرے سے نکل گیا تھا۔

آنسوؤں سے بھری آنکھیں لیے‘ ذلت‘ بے بسی‘ بے عزتی کے گرداب میں پھنسی وہ نہ جانے کتنی دیر اسی طرح کھڑی دروازے کے ہلتے پردے کو دیکھتی رہی۔ جب بہزاد نے آکر اس کے قدموں میں اب تک اوندھے پڑے حارث کو آہستگی سے اٹھایا تو گویا وہ کسی خواب سے جاگ گئی۔ اسے احساس ہوا کہ اس سارے ڈرامے کے دوران اس کے آس پاس ایک ایک کرکے رفتہ رفتہ سارے گھر والے جمع ہوگئے تھے۔ ابا‘ اماں‘ بینا‘ بہزاد لیکن کسی نے اس سارے واقعے کے دوران ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ شہزاد کو ڈانٹ کر چپ نہیں کرایا تھا۔ کسی نے اس کی بدتمیزی اور بدلحاظی پر سرزنش نہیں کی تھی۔ اماں‘ ابا خاموش تماشائی بنے رہے تھے۔

اور ان حالات نے اسے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ شہزاد نے پڑھائی کے ساتھ ساتھ کئی ہزار کی ٹیوشنیں پکڑ رکھی تھیں جن کا ایک معقول حصہ ہر مہینے اماں کے ہاتھ میں آتا تھا۔ انجینئرنگ کرنے کے بعد مل جانے والی تگڑی ملازمت‘ ابو کی ریٹائرمنٹ کے بعد اب گھر کا واحد کمانے والا شہزاد تھا ایسے کماؤ پوت بیٹے کو ٹوکنے یا ناراض کردینے کا یہ گھر متحمل نہیں ہوسکتا تھا اور اس کا شہزاد کو بھی بخوبی اندازہ تھا۔ کچھ سال پہلے شروع ہونے والی خودسری اور بدتمیزی اب کھل کھیل رہی تھی اور کس کی مجال تھی کہ اس کھیل کے آگے بند باندھ سکتا۔

ابو خاموشی سے کمرے میں چلے گئے۔ بینا باورچی خانے میں گھس گئی‘ بہزاد حارث کو پچکار کر باہر لے گیا اور اماں نے ایک ٹیڑھی نظر اس پر ڈال کر کمرے سے جاتے ہوئے بس اتنا کہا۔

’’بغیر ناشتے کے چلا گیا۔ اب سارا دن بھوکا پیاسا خوار ہوگا سارے شہر میں مگر کسی کو احساس ہو تب ناں۔‘‘ احساس ہاں‘ اس دن اسے احساس ہوا کہ یہ وہ گھر نہیں ہے جہاں اس نے بچپن سے جوانی تک کے اکیس سنہرے سال‘ لاڈ پیار اور اپنائیت کے غرور کے ساتھ گزارے تھے۔ اس کے ابا وہ ابا نہیں تھے جن کے گلے میں بانہیں ڈال کر اس نے یونیورسٹی میں پڑھنے کی اجازت طلب کی تھی تو اماں کی لاکھ مخالفت کے باوجود مل گئی تھی۔ اماں وہ اماں نہیں تھیں جو پڑھائی کے دوران اس کے روکھے بالوں میں ڈھیر سا تیل ڈال کر کس کس کے چوٹیاں باندھتی تھیں اور روز صبح بادام والا دودھ زبردستی پلاتی تھیں۔ اس کے بہن بھائی وہ نہیں رہے تھے جو اس کی ایک تیکھی نظر سے ڈرتے تھے اور جن پر وہ بڑی بہن کا مان بھرا حق جب چاہتی تھی‘ ڈانٹ کر‘ جرح کرکے‘ لاڈ سے پیار سے منوالیتی تھی۔ یہ تو کوئی اور لوگ تھے لاتعلق‘ بے حس‘ سرد مہر‘ بے پروا اور اجنبی لوگ جو اسے اور اس کے بچوں کو اس لیے بادل نخواستہ گوارا کیے ہوئے تھے کہ نہیں کریں گے تو دنیا کیا کہے گی۔ اب وہ ایک بیٹی‘ بہن کچھ بھی نہیں تھی اب بس وہ ایک مطلقہ تھی۔ اس خاندان کے لیے وجہ رسوائی‘ گالی یا مصیبت اور مصیبت بھی ایسی جس سے چھٹکارا مل جانے کی جلد یا بدیر کوئی آس بھی نہیں تھی۔

چائے اس کے سامنے رکھے رکھے ٹھنڈی ہوگئی تھی۔ اس نے گہری سانس لے کر چاروں طرف ایک نظر ڈالی۔ اس دن کے بعد سے اس گھر میں وہ اجنبیوں کی طرح رہنا سیکھ گئی تھی۔ سب کی پسند‘ ناپسند‘ ترجیحات‘ موڈ دیکھ کر جینا سیکھ گئی تھی۔ اب وہ ایک خاموش‘ صلح جو‘ کم گو اور اپنے کام سے کام رکھنے والی عنبر تھی۔ اپنے پروں میں اپنے بچوں کو سمیٹے ہوئے اس نے پچھلے دو سال گزار دیے تھے۔ زمانے کا سامنا کرتے ہوئے گھبرانے لگی تھی۔ کوئی شناسا چہرہ نظر آجاتا تو اجنبی بن جاتی تھی۔

حانیہ اور حارث کو بھی اس ماحول اور اردگرد نے وقت سے بہت پہلے سمجھ دار بنا دیا تھا۔ وہ اب شرارتیں کرنے والے‘ چلبلے بچے نہیں تھے۔ انہیں اس بات کا علم اور عقل بہت پہلے آگئی تھی کہ ان کی محبت‘ خیال اور دل داری اس گھر میں ثانوی حیثیت رکھتی تھی۔ درجہ اول کی ترجیحات گھر کے دوسرے مکین اور معاملات تھے۔ البتہ بہزاد ماموں کی صورت دیکھتے ہی ان کے چہرے کھل جاتے تھے۔ پڑھائی سے جب بھی وقت ملتا‘ ماموں اور بھانجا بھانجی یا تو سائیکل کی سیر کو نکل جاتے یا باہر گلی میں دیر تک کرکٹ کھیلتے۔ بہزاد

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

بھی اب بچہ نہیں رہا تھا۔ آپی سے گھر میں جو سلوک روا رکھا جا رہا تھا اس کا اسے بخوبی اندازہ تھا لیکن اس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ کسی گنتی میں نہیں تھا۔

وہ اپنی آپی کی خوامخواہ دلجوئی کیے جاتا یا بچوں کو بازار سے قلفی یا آئسکریم کھلا کر خوش کر کے لے آتا۔ اس سے زیادہ اس کے بس اور اختیار میں نہیں تھا۔ ایک اور ہستی جس کا سایہ عنبر کے لیے اس کڑی دھوپ میں سائبان جیسا تھا وہ آپا کی تھی۔ اب ان کا میکے آنا جانا بہت کم ہو گیا تھا۔ چار بچوں نے انہیں بہت مصروف کر دیا تھا یا شاید انہوں نے خود ہی ادھر کا رخ کرنا کم سے کم کر دیا تھا۔ انہیں عنبر کے آنے کے بعد اپنے میکے جانے کے دوران شروع میں ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کے اور ان کے بچوں کے ساتھ ہونے والا امتیازی اور خاص سلوک عنبر کو دکھی کرتا ہے۔ وہ جانتی تھیں کہ عنبر ان کے بچوں کے اوپر جان چھڑکتی ہے اور کسی ملال یا احساس کا اس نے کبھی شائبہ بھی نہیں ہونے دیا تھا لیکن ان کے اپنے دل پر آرے چلتے جب نانی کے پاس گھسے یا گود میں چڑھے ان کے لاڈ اٹھواتے بچوں کے پاس سے وہ اپنے بچے لے کر خاموشی سے اٹھ جاتی۔ انہوں نے بینا اور شہزاد کو ٹوکنے اور سمجھانے کی کوشش کے نتیجے میں خود بھی جس بدلحاظی اور بدتمیزی کا نقشہ دیکھا تھا اس کے بعد وہ اپنی عزت اپنے ہاتھ کے تحت خاموش ہو گئی تھیں۔ اماں اور ابا سے کچھ کہنا سننا بے کار تھا۔ انہیں ہی احساس ہوتا تو کیا بات تھی یوں اب وہ کبھی کبھار تھوڑی دیر کو آ کر چلی جاتیں لیکن جتنی دیر رہتیں عنبر اور اس کے بچوں کی خوشنودی میں لگی رہتیں۔ کپڑے اسکول کی کتابیں کاپیاں عنبر کے لاکھ منع کرنے پر بھی لے آتیں اور حانیہ اور حارث کو کسی نہ کسی چھوٹے سے چھوٹے امتحان یا ٹیسٹ کا انعام کہہ کر پکڑا جاتیں۔ ایسے ہی کسی موقع پر ان کے جانے کے بعد بینا نے عنبر کے سر پر کھڑے ہو کر کہا تھا۔

"آپا تو ایسے کرتی ہیں جیسے بس ایک وہی گئی ہیں باقی سب تو سوتیلے ہیں ہاں بھئی ہفتے دو ہفتے میں کچھ گھنٹوں کی خاطر داری دل جوئی کرنا کون سا کارنامہ ہے ہماری طرح صبح شام شکلیں برداشت کرنا پڑیں تو پوچھیں ہونہہ۔" اس نے خاموشی سے ٹھنڈی چائے سے بھری پیالی جا کے سنک میں انڈیل دی۔

کیا دنیا میں کسی لڑکی کو طلاق نہیں ہوتی اور اگر ہوتی ہے تو کیا سب کے گھر والے ایسے ہی فرعون بن جاتے ہیں یا صرف اس کے گھر والے ہی انوکھے تھے۔ اس کی طلاق اس کا سوچا سمجھا منصوبہ نہیں تھی۔ اس کے نصیب میں ایسا ہونا لکھا تھا سو ہو گیا تھا اور ایسا بہت پہلے ہو گیا ہوتا اگر جووہ صبر کی رسی دراز نہ کرتی۔

❁.....❁.....❁

پہلی بار اس کے صبر کا پیمانہ اس وقت لبریز ہوا تھا جب اپنی پہلوٹھی کی بیٹی کی پیدائش پر تین ہفتے میکے میں گزارنے کے بعد سسرال آئے ہوئے اسے چوتھا دن تھا۔ بچے کی ولادت اور مسلسل کئی ہفتوں کے رت جگے نے اس کی حالت خراب کر دی تھی۔ آفاق کو اپنی نیند دنیا کی ہر چیز سے پیاری تھی یہ تو وہ جانتی تھی لیکن اولاد سے بھی پیاری تھی یہ اسے اب پتا چلا تھا۔ اس کی آمد کے تیسری رات بیٹی کے رات دو بجے تک مسلسل رونے کے بعد آفاق نے دونوں تکیے جھنجھلا کر دور پھینکے اور سر پکڑ کر کہا۔

"کیا مصیبت ہے آخر؟ کیوں چپ نہیں ہوتی یہ۔"

عنبر نے اپنے نیند میں ڈوبتے وجود اور بیٹی کو مستقل تھپکیاں دے دے کر چپ کرانے کی کوشش میں مصروف شل ہوتے بازو ایک لمحے کو رک کر اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔

"اپنی اماں کے ہاں سوا مہینے کو گئی تھیں تو لگ کر رہ ہی لیتیں کچھ سنبھل تو جاتی۔ ہر وقت کی ریں ریں۔" اس نے پھر سر پکڑ کر جماہی لی۔

"بچہ جتنی جلدی اپنے گھر کا عادی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہوتا ہے اور پھر مجھے بھی اپنے کمرے کا آرام چاہیے تھا ہر چیز جگہ پہ رکھی ہوئی مل جائے۔ وہاں دوسروں کی بھی نیند کب تک خراب کرتی۔"

"ان کی نیند کا تو بڑا خیال ہے تمہیں اور جو میرا جاگ جاگ کے حال خراب ہو گیا ہے؟" اس نے پھر مٹھیاں بھینچ کر کہا۔

"یہ بچہ ہمارا ہے ہم اس کے لیے نہیں جاگیں گے تو....."

"اچھا اچھا زبان مت چلاؤ۔ جینا حرام ہو گیا ہے۔" اس نے دھڑ سے تکیہ کھینچا چادر گھسیٹی اور یہ جا وہ جا اسے معلوم تھا کہ اب موصوف نیچے کی منزل پر کونے والے اسٹور نما کمرے میں پڑے پرانے پلنگ پر اگلا دن چڑھ آنے تک



Digitized by Google

استراحت فرمائیں گے۔ اس چھوٹے سے کمرے کی خوبی یہ تھی کہ گھر بھر میں گونجنے والا شور اور دن کی روشنی وہاں سب سے آخر میں پہنچتی تھی۔ یوں وہ کمرے میں ریں ریں کرتی ننھی سی جان کے ساتھ حسب معمول اکیلی رہ گئی۔

دوسری صبح جب وہ بچی کو نہلا دھلا کر ساس کے حوالے کرنے آئی تا کہ کچھ دیر لیٹ کر نیند پوری کرلے تو وہاں ان کی گود میں سر رکھے لیٹے آفاق کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ گھڑی پر نظر ڈال کر اتنا یقین تو ہوگیا کہ کمرے میں لگی گھڑی صحیح وقت ہی بتا رہی ہے اور ابھی دوپہر کے چار نہیں بلکہ صبح کے نو ہی بجے ہیں اس نے بچی ساس کی طرف بڑھائی تو انہوں نے ایک نگاہ غلط انداز اس پر ڈالتے ہوئے بغیر ہاتھ بڑھائے کہا۔

''اب اس وقت تو اس کو تھوڑی دیر کو سو لینے دو۔ ساری رات جاگتا رہا میرا بچہ۔''

''بچہ......'' عنبر نے ایک نظر ساس پر ڈالی۔ اس کے اپنے ہاتھوں میں تین ہفتوں کی جانیہ تھی۔ ان کی گود میں سر ڈالے پڑے اٹھائیس سالہ ضخیم مرد کو ان کا بچہ کہنا اسے آج جتنا عجیب لگا' آج سے پہلے کبھی نہ لگا تھا۔

''مگر یہ تو دو ڈھائی بجے چلے گئے تھے باہر سونے۔'' اب اس نے بچی ان کی طرف بڑھانے کی کوشش ترک کر کے اس کو اپنے کندھے سے لگالیا۔ اس مرتبہ آفاق نے آنکھوں پر رکھا بازو ہٹا کر اپنی سرخ آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''ایک مرتبہ اس کی نیند اچاٹ ہو جائے تو پھر کہاں آتی ہے نیند اسے۔'' ساس نے پھر ٹیڑھی نظر عنبر پر ڈال کر آفاق کے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔

''نڈھال ہوگیا غریب کچھ دنوں میں۔'' عنبر کی جان سلگ گئی۔ نڈھال تو وہ ہوگئی تھی۔ نو مہینے کا حمل' پیدائش' چوبیس گھنٹے کا جاگنا' بچے کے کام' کمزوری' آرام کی کمی آفاق کس بات پر نڈھال ہوگئے تھے۔

''اب سنتا بھی نہیں ہے۔ کب سے کہہ رہی ہوں کہ جا کر میرے کمرے میں سو جاؤ۔ کچھ تو نیند پوری ہو۔'' آفاق کی امی نے پھر گویا دیواروں سے بات کی۔

''ہاں واقعی سو جائیں۔ انہیں کون سا کسی کام پہ جانا ہے کہ کوئی مسئلہ ہو مزے سے نیند پوری کریں۔'' جان سلگنے پر عنبر نے اس ایک لمحے میں اتنا کہہ تو دیا لیکن کہتے کہتے ہی اسے احساس ہو چکا تھا کہ اس کے منہ سے کیا نکل گیا ہے۔

آفاق نے اب کی بار پوری آنکھیں کھول کر اسے دو لمحے گھورا اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کے بیٹھ گیا۔

''کیا کہا؟'' اس نے اپنی سوجی ہوئی سرخ آنکھوں سے شعلے برساتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا کہا ہے؟'' عنبر نے بچی کو کندھے سے اٹھا کر سینے میں بھینچ کر اوپر اپنے کمرے کی طرف جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھائے تو وہ لپک کر سامنے آگیا۔

''کچھ پوچھ رہا ہوں میں' کیا کہا ہے تم نے؟'' اب وہ اس کا بازو دبوچے کھڑا تھا۔ وہ خاموش رہی تو اس نے پھر کہا۔

''اب بولتی کیوں بند ہوگئی؟ جب تک جواب نہیں دو گی' یہاں سے جانے نہیں دوں گا۔'' عنبر نے کن انکھیوں سے ماتھے پہ تیوری ڈالے بیٹھی ساس کو دیکھا۔ شاید وہ کچھ کہیں آفاق سے لیکن وہ یوں بیٹھی تھیں جیسے سامنے کا منظر انہیں نظر ہی نہ آرہا ہو۔

''جانے دیں مجھے۔'' اب اس نے بازو چھڑاتے ہوئے ذرا زور سے کہا۔

''بکو پہلے جو ابھی بکا تھا۔'' اس نے پہلے سے زیادہ طاقت سے عنبر کا بازو جکڑ لیا۔

''تو کیا غلط کہا تھا؟ یہی کہا تھا ناں کہ کون سا نوکری پہ......'' بے عزتی' بے آرامی اور چڑچڑاہٹ نے بالآخر اسے اس مقام پر لا کے کھڑا کر دیا جہاں برداشت کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کا جملہ پورا ہو جائے اس کی بھی آفاق میں کہاں برداشت تھی۔ اس کے الٹے ہاتھ کے تھپڑ نے عنبر کا جبڑا ہلا دیا۔ بچی جو اس کی گود سے گرتے گرتے بچی تھی نے جاگ کر چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا تھا۔

عنبر گنگ سی اپنے گال پر ہاتھ رکھے شوہر کو دیکھتی رہ گئی۔ ساس اطمینان سے اٹھیں اور کچن میں چلی گئیں۔ عنبر نے ہمیشہ کوشش کی تھی کہ کمرے سے باہر کسی کے سامنے کوئی معرکہ نہ ہو لیکن آج نہ صرف معرکہ ہوا تھا بلکہ آفاق نے پہلی بار اس پہ ہاتھ بھی اٹھایا تھا۔

''طعنہ ہر وقت طعنہ؟ ذلیل عورت اس کے علاوہ کچھ آتا ہے تجھے؟'' اب آفاق کے منہ سے پھول جھڑ رہے تھے۔

''نوکری......نوکری......سن سن کے کان پک گئے کیا نہیں ہے' کس بات کو ترستی ہو تم' کیا کمی ہے' مل کر پانی بھی

URDU TUBE
www.urdutubes.com



Digitized by Google

نہیں پڑتا تمہیں اور کیا چاہیے؟'' اس کے بازو پر اب آفاق کی گرفت اتنی کڑی تھی کہ اس کی انگلیاں لگتا تھا کسی بھی لمحے گوشت کے اندر اتر جائیں گی۔

''کس بات کو ترستی ہوں؟ اس عزت اور وقار کو ترستی ہوں میں جو اس گھر میں آپ کی بیوی اور بہو ہونے کی حیثیت سے میرا حق ہے۔ اس مان کو ترستی ہوں جو لینے والے کا نہیں دینے والے کا ہوتا ہے۔ اس حیثیت کو ترستی ہوں جس کے طفیل چھوٹے عزت اور بڑے پیار دیتے ہیں۔'' اب وہ بھی کھل کر برسی۔ حانیہ نے اس کی گود میں اب حلق پھاڑ کر چیخنا شروع کر دیا تھا۔

''ہاں تمہیں تو یہاں دروازے پر ڈالا ہوا ہے ناں ہم نے آدھا پیٹ کھانے کو ملتا ہے تمہیں لاتوں جوتوں سے تواضع ہوتی ہے تمہاری' صبح شام ناشکری...... بیوقوف عورت۔'' آفاق پورے حلق کے بل دھاڑا۔ عنبر نے پھر کچھ کہنے کو منہ کھولا تو اس نے لپک کر اس کا جبڑا ہاتھوں میں جکڑ کر کس لیا۔

''خاموش...... بالکل خاموش۔'' آفاق کی امی باورچی خانے سے برآمد ہوئیں اور بے حد اطمینان سے عنبر کے ہاتھوں میں مچلتی حلق پھاڑتی حانیہ کو اپنی گود میں لے لیا۔ فرش پر پڑا کمبل اٹھا کر اس کے گرد لپیٹتے ہوئے انہوں نے بہت عام پُرسکون انداز میں آفاق کا کندھا پکڑ کر اسے صوفے پر بٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''چلو ناں چھوڑو طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' عنبر نے زوردار جھٹکے سے اپنا منہ اس کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا۔ اسے تھپڑ پڑنے سے لے کر اب تک وہ ایک لفظ نہیں بولی تھیں۔ نہ آفاق کی اس کے اوپر ہاتھ اٹھانے کی سرزنش نہ اسے چپ کرانے کی کوشش۔

''ان کی طبیعت خراب ہو جائے گی؟ مجھے مارا ہے آپ کے بیٹے نے۔ ایسا کیا کہہ دیا تھا میں نے بتائیں۔''

''بی بی...... مار کھانے کی باتیں کرو گی تو پھول تو برسیں گے نہیں تم پر ہم نے تو اپنے میاں سے کبھی تھپڑ نہیں کھائے۔ عورت اپنی زبان قابو میں نہ رکھے تو مرد کے ہاتھ قابو میں رہنے کی امید بے کار کی بات ہے۔'' انہوں نے پھر اسی پُرسکون اور عام سے لہجے میں جواب دیا جس سے عنبر کی روح سلگ گئی۔

''جیسے آپ کے میاں ہیں' ویسا آپ نے اپنے بیٹے کو بنایا ہوتا تو میری زبان کھلتی ہی کیوں؟ کمانے والے شوہر کی عزت دار بیوی کا راج کمایا ہے آپ نے ساری زندگی' بہو کا دکھ اس کی محرومی آپ کیا جانیں۔''

''میری ماں سے زبان چلاتی ہے؟ میری ماں سے تیرے کمانے والے شوہر کی تو ایسی کی تیسی معافی مانگو میری ماں سے ابھی فوراً۔'' آفاق نے اب اس کی گردن جکڑ لی۔ عنبر نے اپنی گردن جھٹکے سے چھڑائی اور چلا کر کہا۔

''معافی...... کس بات کی معافی؟'' امی کی آواز آئی۔ ''دفع کرو آفاق جانے دو۔''

''نہیں ایسے کیسے جانے دوں۔ اس نے بدتمیزی کی ہے آپ کے ساتھ معافی تو اس کا باپ بھی مانگے گا۔''

''خبردار اگر میرے باپ کو بیچ میں لائے تو۔'' عنبر نے بپھر کے کہا۔

''اچھا آپ کے باپ کی تو بڑی اوقات ہے میری ماں کی کوئی حیثیت ہی نہیں اب تو تمہارا باپ ہی معافی مانگے گا تو تم اس گھر میں رہو گی چلو نکلو۔'' اب آفاق نے اس کا بازو پکڑ کر اسے دروازے کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔

''جاؤ...... جاؤ اپنے عزت دار باپ کے گھر اسے لے کر آؤ تاکہ وہ میری ماں سے معافی مانگے ورنہ صورت مت دکھانا اپنی نکلو...... نکلو یہاں سے۔'' عنبر ہکا بکا رہ گئی۔ اس کے آس پاس کے ماحول پر دھواں دھار طوفان کے بعد گویا سناٹا چھا گیا تھا۔ اس کا شوہر اس کے سامنے آگ بگولہ بنا کھڑا تھا۔ بیٹی نہ جانے کب بے حال ہو کر چپ ہو چکی تھی اور ساس صوفے پر بیٹھی اطمینان سے سارا تماشا دیکھ رہی تھیں۔ اس ایک لمحے میں نہ جانے کیا ہوا کہ بغیر سوچے سمجھے اس نے جھپٹ کر بیٹی کو ان کی گود سے گھسیٹا۔ زمین پر پڑا دوپٹہ اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور آندھی طوفان کی طرح گھر کا گیٹ کھول کر باہر نکل آئی۔ سڑک پر آ کر رکشے میں بیٹھنے تک اس کا دماغ ماؤف رہا تھا۔

کیسے کھڑے کھڑے آفاق نے اسے نکال باہر کیا تھا۔ کسی لحاظ' کسی مروت کے بغیر اور اسے گھر سے خالی ہاتھ اس اجڑی حالت میں نکلتے دیکھ کر اس کی ساس نے ایک آواز تک نہیں دی تھی۔ نفرت کی ایک شدید لہر اس کے اندر دور تک پھیل گئی۔



URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

''ہونہہ معافی' میرے باپ کی جوتی مانگے گی معافی مر جاؤں مگر واپس نہیں جاؤں گی۔''

غصہ اور نفرت کے ساتھ اپنی بے عزتی اور بے بسی کے احساس پر اس کی آنکھیں پھر ڈبڈبانے لگیں۔ اس نے پھر بیٹی کو بھینچ کر سینے سے لگایا اور رکشے سے باہر دوڑتی بھاگتی دنیا پہ اپنی خالی نظریں جمادی تھیں۔

❁.....❁.....❁

لیکن اس کا مرجانے پر بھی واپس نہ جانے کا ارادہ ایسی ریت کی دیوار ثابت ہوا جس کے ساتھ اس کی انا' اس کی خودداری' اس کی عزت سب ڈھے گئی۔ اماں نے اس کو یوں بے حال گھر میں داخل ہوتے دیکھا اور دل کر کلیجہ تھام لیا۔ بینا نے حانیہ کو اس کی گود سے لیا تو اس نے آگے بڑھ کر سخت پریشانی اماں کی گود میں سر رکھ کر سسکنا شروع کر دیا اور انہوں نے کرید کرید کے اسے زچ کر دیا کیا ہوا کیسے ہوا کیوں ہوا؟ وہ بتاتے بتاتے عاجز آ گئی اور ابا فون کیے جانے پر دفتر سے گھر آ گئے تھے۔

''دیکھیں' پوچھیں اس سے نہ جانے کیا کر کے آئی ہے؟'' اماں نے ان کی صورت دیکھتے ہی' انہیں سانس لینے کی مہلت دیے بغیر کہا۔ وہ کیا کر کے آئی تھی اس کی تفصیل اسے پھر بتانا پڑی۔

''آفاق نے تم سے کہا کہ نکل جاؤ' تو تم نکل آئیں یوں سر جھاڑ' منہ پھاڑ۔'' اماں نے اس کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھا تو اس نے تڑپ کر کہا۔

''آپ لوگوں کو یقین کیوں نہیں آ رہا بھئی میرا بازو پکڑ کر دروازے تک گھسیٹا تھا انہوں نے کہ جاؤ اپنے باپ کے گھر۔''

''غصہ میں تھا کہہ دیا ہوگا۔ دس ہزار باتیں ہوتی ہیں میاں بیوی کے بیچ میں تو کیا یوں منہ اٹھا کر نکل پڑتے ہیں سڑک پہ؟ اپنے کمرے میں چلی جاتیں۔'' اماں نے پھر آنکھیں نکال کر کہا۔ ابا نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تو اس کی آنکھیں پھر ڈبڈبانے لگیں۔

''بیٹا تم سے کتنی بار کہا ہے کہ اپنی زبان اور غصے پر قابو رکھا کرو۔ یہی چھوٹی چھوٹی باتیں بہت بڑی بھی ہو سکتی ہیں۔'' ابا کے کہنے پر اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

''شوہر ہے وہ تمہارا تم اس سے زبان چلاؤ گی تو اس کو غصہ آئے گا اور تمہاری اماں صحیح کہہ رہی ہیں۔ اتنی ذرا ذرا سی باتوں پر یوں گھر چھوڑ کر نہیں نکل آتے۔''

''ابو میں نے کچھ نہیں کہا وہ خوامخواہ مجھ پر برس رہے تھے میں نے تو بہت دیر بعد.....'' اس نے جیسے سارا زور لگا کر ایک بار پھر انہیں اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کی لیکن ان کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ یہ کوشش بے سود ہے۔ امی کی آنکھوں کا نامحسوس سا کیا جانے والا اشارہ پاتے ہی ابا اٹھ کھڑے ہوئے۔

''چلو آؤ میرے ساتھ۔'' انہوں نے عنبر کا بازو پکڑ کر اسے کھڑا کرنے کی کوشش کی۔

''کہاں؟'' اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

''چلو وہاں چل کر بتا کرتے ہیں ہوا کیا ہے؟'' ابا نے پچکار کر کہا۔

''لیکن ابو..... بتا تو رہی ہوں میں نہیں جاؤں گی اس طرح.....آپ نہیں جانتے اسے کس قسم کا آدمی ہے اسے اور شہہ ملے گی میرے اس طرح واپس جانے سے۔'' اس نے ان کے ساتھ ساتھ تقریباً گھسٹتے ہوئے' اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی تو انہوں نے اسے اور سختی سے پکڑ لیا۔

اس کا کہنا' سننا سب گویا دیواروں سے باتیں کرنا ثابت ہوا۔ سوئی ہوئی حانیہ کو سینے سے لگائے جب وہ ابو کے ساتھ گاڑی سے اتری تو ایسا لگا کہ اس کے اندر کی عورت مر چکی ہے۔ ملازم گیٹ کھول کر ان کو باہر کے کمرے میں بٹھا گیا۔ تھوڑی دیر میں اس کی ساس آ کر کونے والے صوفے پر ٹک گئیں۔ ابو کے سلام کا جواب انہوں نے یوں دیا گویا احسان کر رہی ہوں۔ ابو خود اٹھے اور اس کا بازو تھام کر اسے ساس کے قدموں میں بٹھا دیا۔

''چلو معافی مانگو عنبر۔'' انہوں نے اس کے کندھے پر ایک ہاتھ سے ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

''معاف کر دیں بچی ہے۔'' ابا نے اسی طرح اس کے سر پر کھڑے کھڑے' اس بار ذرا لجاجت سے کہا تو آفاق کی امی نے ان پر ایک نظر ڈال کر منہ دوسری طرف کر لیا۔

''آپ اس کی بڑی ہیں یہ تو کم عقل ہے بھول چوک بڑے معاف کر ہی دیتے ہیں چلیں اس کی طرف سے میں معافی مانگتا ہوں۔'' ابا کے یوں کہنے پر' اس نے تڑپ کر سر



Digitized by Google

اٹھایا اور ڈبڈبائی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا۔ اسی وقت اسے آفاق نظر آیا۔ ابا کے پیچھے دروازے کی چوکھٹ سے ٹیک لگائے۔ نہ جانے کب آیا تھا وہ ان کی آنکھیں ایک لمحے کو ملیں۔ اس ایک لمحے کی نظر میں کیا کچھ نہیں تھا۔ تمسخر جیت کا غرور اور عنبر کی ذلت' بے بسی' کم حیثیتی۔ وہ اس کی ماں کے قدموں میں گردن جھکائے معافی کی طلب گار لاچار بنی بیٹھی تھی اور اس کے باپ نے معافی مانگ لی تھی۔ اسے اور کیا چاہیے تھا۔

جب وہ ساس کے قدموں سے آفاق سے نظریں چراتی اٹھی تو اسے اس حقیقت کا بہت اچھی طرح علم ہو چکا تھا کہ اس کی انا اور خودداری ڈرائنگ روم کے اسی فرش میں ہمیشہ کے لیے دفن کردی گئی ہے۔ اس کی اوقات اور حیثیت اس کے ابا' اسے ان کے قدموں میں گرا کر طے کر گئے تھے۔ اس دن اس بچی کھچی عنبر احسان کی مکمل موت ہوگئی تھی جو نڈر تھی' حاضر جواب بھی اور اپنی ذات کے حوالے سے پُر اعتماد بھی۔

❁ ........ ❁ ❁

اس نڈر اور پُر اعتماد عنبر احسان کو گزرے کئی سال ہوگئے تھے۔ اسے چپ لگ گئی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر ساس اور شوہر کی شکل دیکھتے دیکھتے اب خود کوئی فیصلہ کرنا یا قدم اٹھانا جیسے ناممکن ہوگیا تھا۔ ذاتی رائے کس کو کہتے ہیں وہ بھول چکی تھی۔ اس سارے عرصے میں جو واحد کارنامہ اس کی ٹوٹی ہوئی اور کچلی ہوئی ذات نے انجام دیا تھا' وہ تھا اپنی تعلیم کے ٹوٹے سلسلے کو بحال کرکے اختتام تک پہنچانا۔ یہ واقعی معجزہ تھا جو ہوگیا تھا اور اسے پایۂ تکمیل تک پہچانے کا سہرا صرف اس کے سر ہی نہیں کسی اور کی صبح شام کی محنت اور نصیحت کے سر بھی جاتا تھا اور وہ تھے آفاق کے ابا۔

ابا واقعی سونا انسان تھے۔ اللہ سے صحیح معنوں میں ڈرنے والے' اپنے کہے کا بھرم اور اپنا پاس رکھنے والے۔ بیٹیوں والے تھے اس لیے بیٹی کی عزت اور آبرو کو قائم رکھنے کا خیال تھا انہیں' جب عنبر کو بیاہ کر لائے تھے تو اس وعدے پر لائے تھے کہ اس کی ادھوری پڑھائی مکمل کروائیں گے۔ یہ ان کی ذمہ داری تھی اور انہوں نے اس وعدے اور ذمہ داری کو کیسے نبھایا تھا' یہ عنبر ہی جانتی تھی۔ وہ حالات دیکھ رہے تھے۔ ہمیشہ کی طرح بولتے کچھ نہیں تھے لیکن آفاق کی ہٹ دھرمی اور بے جا حرکتیں ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں تھیں۔ وہ مصلحتاً خاموش تھے شاید اس امید پہ کہ اور کچھ سالوں میں' ذمہ داریاں بڑھنے کے ساتھ آفاق میاں سنبھل جائیں گے لیکن فی الوقت تو انہیں اس دل شکستہ لڑکی کو زندگی کی طرف واپس لانا تھا جو کسی کی نازوں پالی بیٹی تھی۔ یوں کمر کس کے حانیہ کے ذرا سا جان پکڑ لینے کے بعد وہ صبح شام عنبر کے سر ہو گئے تھے۔

''لڑکی...... تمہارے باپ سے وعدہ کرکے لایا تھا کہ شادی کے بعد تمہاری پڑھائی پوری کرواؤں گا۔ اب پڑھائی تو تمہیں شروع کرنی پڑے گی مجھ بوڑھے کو سرخرو کرنے کے لیے...... چلو نکالو اپنے کاغذات' داخلہ لو چل کے' پڑھائی شروع کرو۔'' کچھ عرصہ تو عنبر نے ان کی بات کو سنجیدہ لیا ہی نہیں۔ وہ چھوٹی سی بچی کو چھوڑ کے' کاموں کو ادھورا لٹکا کر یونیورسٹی کے چکر لگانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی پڑھ لیا بس جتنا نصیب میں تھا لیکن پھر رفتہ رفتہ اسے احساس ہوا کہ وہ واقعی سنجیدہ تھے۔ خلوص دل سے اپنا وعدہ نبھانا اور اس کے ماسٹرز کو مکمل ہوتے دیکھنا چاہتے تھے۔

''لڑکی تعلیم میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ تمہارے ہاتھ میں ڈگری آئے گی تو تمہیں پتا چلے گا۔'' اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کے ایک دن انہوں نے بڑی سنجیدگی سے کہا تھا۔ نہ جانے وہ اسے کیا سمجھانا چاہ رہے تھے۔

آفاق کے ہاتھ میں نہ کوئی عالی شان ڈگری تھی نہ ہنر۔ اس پر بھی ان کے بیٹے کے دماغ ساتویں آسمان پر تھے' انہوں نے اچھے اچھوں کو منہ کے بل گرتے دیکھا تھا تو آفاق میاں کی کیا اوقات تھی۔ شاید وہ بہو کو کسی کڑے وقت' کسی کٹھن گھڑی کے لیے ہی تیار کرنا چاہ رہے تھے۔ وجہ جو بھی ہو ان کی ہر وقت کی تاکید اور اصرار نے وہ کر دکھایا جو عنبر ناممکن سمجھتی تھی۔

اسے صرف ایک سال اور پڑھنا تھا۔ داخلہ لینے سے لے کر آخری امتحان دینے تک وہ کتنے امتحانوں سے گزری۔ اس نے شوہر کی کیسی کیسی باتیں برداشت کیں۔ ساس کے کیا کیا طعنے سہے' یہ ایک الگ داستان تھی۔ حانیہ کو کبھی امی کے پاس چھوڑا' کبھی آپا نے رکھا' کسی دن ساس کی شکل دیکھی لیکن جس کام میں ہاتھ ڈال دیا تھا' اس سے پیچھے نہیں ہٹی تھی اور جو ہوگیا تھا' اگر اس وقت نہ ہوتا تو شاید زندگی میں کبھی پھر یہ کرنے کی مہلت نہ ملتی۔ امتحانات کے



Digitized by Google

آخری زمانے میں ہی وہ پھر امید سے ہوگئی تھی۔ یہ مہلت' اسے قدرت کی فیاضی سے شاید صرف اسی لیے دی گئی تھی کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کرلے اور وہ اس میں سرخرو رہی تھی۔ یہ اس کی زندگی پر آفاق کے ابو کا ایسا احسان تھا جو وہ مرتے دم تک نہیں بھول سکتی تھی۔

اب حانیہ کے بعد حارث اس کی گود میں آچکا تھا اور ان کے ساتھ مصروف' لمحہ لمحہ گزرتی زندگی میں وہ اپنا آپ بالکل بھول چکی تھی۔ آفاق کے حالات میں دو بچوں کے بعد بھی رتی بھر تبدیلی نہ آئی تھی۔ اس کے وہی شب و روز تھے۔

گرمیوں کی چھٹیاں شروع ہوگئیں۔ عنبر کا ہمیشہ کی طرح کچھ دن میکے میں گزارنے کا ارادہ تھا۔ بچے نانی کے ہاں جانے کے خیال سے خوش تھے۔ بہزاد ماموں کے ساتھ تفریح کرنے کے پروگرام بنا رہے تھے۔ آپا بھی ان دنوں ہی آتیں جب وہ وہاں ہوتی۔ ان کے ساتھ باتیں کیے اور وقت گزارے بھی کافی عرصہ ہوگیا تھا۔

وہ آخر کار سب کے دھندوں سے نمٹ کر' اپنی چیزیں پیک کررہی تھی۔ آفاق نے آتے ہی پردے برابر کیے اور اوندھے منہ بستر پر گرتے ہوئے تکیے میں سر گھسا کر کہا۔

''جاؤ مجھے سونا ہے۔ جاتے ہوئے دروازہ بند کردینا۔ بچوں کی آوازوں کو قابو میں رکھنا۔''

''شہزاد ایک دو گھنٹے میں آجائے گا۔ بس یہ دو ایک کپڑے رہ گئے ہیں۔ آپ سوجائیں۔ میں خاموشی سے کام کرتی رہوں گی۔'' اس نے دوپٹے لپیٹ کر سوٹ کیس میں رکھتے ہوئے کہا۔

''دو مہینے کا سامان کیا ایک ساتھ لے جاؤ گی اللہ کی بندی کچھ پیچھے چھوڑ دو۔ بھائی کو بھیج دینا بعد میں کچھ رہ جائے تو۔'' اس نے نیند میں ڈوبی آواز میں کہا۔ اب کسی بھی لمحے اس کے خراٹے بلند ہوسکتے تھے۔

''دو مہینے؟ میں دو مہینے کے لیے تو نہیں جارہی' پندرہ بیس دن میں آجاؤں گی۔'' اس نے ایک لمحے کو ہاتھ روک کر کہا۔

''پندرہ بیس دن کیوں بھئی جاؤ' ساری چھٹیاں وہیں گزارو۔ مجھے بھی کچھ سکون کا سانس لے لینے دو۔ تم لوگ نہیں ہوگے تو دوپہر میں تو جی بھر کے سولیا کروں گا میں۔ ابا نے تو کام سکھانے کے بہانے جگا جگا کر مت ماردی ہے۔''

اب بھی اس کا سر تکیے پر تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سوٹ کیس بند کیا۔

''کیسے جاسکتی ہوں دو مہینے کے لیے؟ بچوں کے مولوی صاحب آتے ہیں۔ ذرا بیچ میں ناغہ ہوجائے تو یہ بچے سب بھول بھال' وہیں آکر کھڑے ہوجاتے ہیں' جہاں سے چلے تھے۔ دادا دادی اور اپنے گھر کو یاد کرنے لگتے ہیں۔''

''شروع ہوگئی تمہاری ٹرٹر۔'' آفاق نے جھنجھلا کر بالآخر تکیے سے سر اٹھایا۔

''میں کچھ نہیں کہہ رہی صرف اتنا بتا رہی ہوں کہ میں پندرہ بیس دن میں آجاؤں گی۔'' اس نے بستر پر رکھا سوٹ کیس اٹھا کر دیوار کے ساتھ رکھتے ہوئے کہا۔

آفاق کا تکیے سے برآمد ہونے والا سر' اب سیدھا ہوا اور اس نے مڑ کر اپنی نیند میں ڈوبی سرخ آنکھیں اس کی طرف گھمائیں۔

''میں کہہ رہا ہوں کہ دو مہینے کے لیے جاؤ' تو جاؤ مجھے سکون' آرام سے رہ لینے دو کچھ دن۔'' اس نے گویا مسئلے کا حتمی حل اور فیصلہ سنایا۔

عنبر نے گہری سانس لے کر اس نئی افتاد کو ہضم کرنے کی کوشش کی۔ دو مہینے؟ ساٹھ دن بہت ہوتے ہیں سب ہی کے لیے۔ میزبان مہمان دونوں ایک دوسرے سے پریشان ہوجاتے ہیں۔

''میں دو مہینے کے لیے نہیں جاؤں گی۔'' اس نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کمرے سے باہر جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

اب آفاق نے تکیہ اٹھا کر فرش پر پٹخا اور سیدھے ہوکر بیٹھتے ہوئے زور سے کہا۔

''اچھا تو پھر تم جاؤ گی ہی نہیں۔'' عنبر نے جاتے ہوئے رک کر اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''کیا؟''

''ہاں یا تو دو مہینے کے لیے جاؤ یا پھر گھر میں بیٹھو۔'' اس نے دھاڑ کر کہا۔

بہت عرصے بعد' اس دبی ہوئی' مری ہوئی عنبر کی راکھ سے چنگاری سلگی اور اس کے دماغ کی ایک ایک شریان کو جلا گئی۔ کچھ دیر اس نے اسی طرح اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور پھر بڑی ٹھنڈی' سرد آواز میں کہا۔



Digitized by Google

"ٹھیک ہے۔ نہیں جاؤں گی۔" اس سے پہلے کہ وہ کمرے سے نکلتی' اسے اپنے پیچھے آفاق کی چنگھاڑ سنائی دی۔

"نہیں جاؤ گی؟ ٹھیک ہے اب تم کبھی نہیں جاؤ گی۔ تمہارے ماں باپ کا گھر حرام ہو گیا تمہارے لیے آج سے وہاں تم نے قدم رکھا تو میرے گھر میں وہ تمہارا آخری دن ہو گا۔ کان کھول کر سن لو زبان چلاتی ہے بے وقوف' زبان دراز عورت ذرا دیر کو آنکھیں بند کرنا نصیب نہیں ہونے دیا جا کے دکھاؤ اب دیکھتا ہوں میں۔" عنبر نے اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔ آفاق کی آواز باہر تک آرہی تھی۔

"جا کے دکھاؤ اب جا کے دکھاؤ۔"

❁......❁......❁

وہ واقعی نہیں گئی۔ بچے رو رو کر مایوس ہو گئے۔ اماں کا کئی مرتبہ فون آیا۔ آپا نے پوچھا لیکن وہ نہیں گئی۔ پھر سب خاموش ہو گئے تھے۔ آفاق کی بدمزاجی' چڑچڑاہٹ سوا نیزے پر تھی۔ ساس سے تو کچھ کہنا بیکار تھا لیکن اس نے آفاق کے ابو کو بھی کچھ کہہ سن کے ٹال دیا تھا۔ آفاق نے ایک بار بھی بچوں کی ستی ہوئی شکلیں دیکھ کر اسے جانے کے لیے نہیں کہا۔ عنبر کو اس کے ساتھ گزارے ان ماہ و سال میں اس کی فطرت اور خصلت کا بہت اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا۔ اس ساری صورت حال کا واحد حل تھا خاموشی' لمبی خاموشی۔ آفاق کو کسی معاملے میں اگر بحث مباحثہ کر کے قائل کرنے کی کوشش کی جاتی' دلائل دیے جاتے' سمجھایا جاتا تو اس کی انا اور غرور کئی گنا بڑھ جاتا تھا۔ اگر اس وقت وہ میکے جانے کی ضد کرتی' ناراض ہوتی یا التجا کرتی تو اس کا نتیجہ اس کا ہٹ دھرمی سے اپنی بات پر مزید قائم و دائم ہو جانا تھا۔ کچھ عرصے بعد' جب اس کا دماغ ٹھکانے پر آجاتا تو بات آئی گئی ہو جاتی۔ اسے اس وقت کا انتظار صبر اور استقامت سے کرنا تھا لیکن جس دن اس کی قسمت پھوٹی' وہ دن بدقسمتی سے کچھ جلدی آ گیا۔ ابھی معاملہ تازہ تازہ تھا۔ آفاق کا غصہ اترا نہیں تھا کہ بدنصیبی نے اس کے دروازے پر دستک دے دی تھی۔

بچوں کے یونیفارم استری کر کے اس نے ہینگر پر لٹکائے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ الماری کے پٹ بند کر کے اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا۔

"ہیلو۔"

"عنبر آپی؟" دوسری طرف بینا تھی' اس کی آنسوؤں سے بھیگی آواز مرتعش تھی۔

"ہاں بینا' کیا ہوا؟" اتنی صبح اس کے میکے سے فون کا آنا ہی خلاف معمول تھا اس پر بینا کی روتی ہوئی آواز نے اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے کر دیے تھے۔

"آپی ابا کی طبیعت بہت بگڑ گئی تھی اسپتال لے گئے ہیں۔" اب وہ باقاعدہ رونے لگی تھی۔

"خدایا۔" اس نے ڈوبتے دل کو سنبھال کر ریسیور ایک کان سے دوسرے کان میں لگایا۔

"کیا ہوا..... کب؟"

"امی بتا رہی ہیں کہ صبح سویرے پانچ بجے کمرے سے باہر آ گئے تھے۔ بے چینی بتا رہے تھے۔ پھر بے ہوش ہو گئے' شہزاد بھائی انہیں لے گئے تھے ابھی تک کوئی خبر نہیں آئی۔"

"اماں کہاں ہیں؟" اس نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"باہر تخت پر بیٹھی ہیں۔ آپی مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ پلیز آپ آ جائیں۔" اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ دس بجنے والے تھے۔ دونوں بچوں کے اسکول سے آنے میں کئی گھنٹے تھے۔ اس دوران وہ جا کر آ سکتی تھی۔ اس وقت اسے کچھ یاد نہ آیا۔ آفاق کی دھمکی' اپنی ضد' دونوں کے درمیان ٹھنی سرد جنگ۔ اس کے سامنے صرف ابا کی تصویر تھی۔ ان دنوں آپا کسی سسرالی شادی میں اسلام آباد گئی ہوئی تھیں۔ یوں عنبر ہی تھی جو جا کر پریشان ماں کو سہارا دے سکتی تھی۔ اسے جانا ہی تھا۔ ساس کو صورت حال بتا کر وہ گھر سے نکل آئی۔ سارے سفر میں وہ دعائیں پڑھتی رہی تھی۔

❁......❁......❁

اللہ نے رحم ہی کیا تھا ورنہ اس بار ابا کی خیر نہیں تھی۔ ڈاکٹر کے بقول ناک سے خون آنے نے ان کی دماغ کی رگ بچا لی ورنہ ان کے بلڈ پریشر کا جو عالم تھا اس میں کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ کچھ گھنٹے انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں رکھنے' دسیوں ٹیسٹ کرنے اور منٹ منٹ کی خبر رکھنے کے بعد بہت ساری ہدایات کے ساتھ انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

ایک ہاتھ میں دواؤں کا شاپر دبائے' دوسرے ہاتھ سے ابا کو سہارا دیتا شہزاد جب گھر میں داخل ہوا تو شام ہو چکی تھی۔ عنبر نے آگے بڑھ کر ابا کو تھاما اور انہیں صوفے پر بیٹھنے میں

URDU TUBE
www.urdutubes.com



Digitized by Google

مدد دی۔ کتنے کمزور لگ رہے تھے وہ' گاڑی سے یہاں تک آنے کی مشقت میں ہی ہانپنے لگے تھے۔

''ڈاکٹرز نے کہا ہے کہ بال بال بچے ہیں اس بار..... یہ جو بچوں جیسی حرکتیں کرتے بد پرہیزی کرتے ہیں ناں ابو' اب نہیں چلیں گی امی۔'' شہزاد نے صوفے پر ڈھتے ہوئے کہا۔ اماں پھر تخت پر بیٹھ گئیں۔ ان کا چہرہ ابا سے زیادہ زرد ہو رہا تھا۔

''شہزاد ابھی رہنے دو' وہ ویسے ہی سارا دن پریشان رہی ہیں۔'' عنبر نے ان کی زرد رنگت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو میں بھی کوئی جھولے نہیں جھولتا رہا ہوں۔ سارا دن خوار ہوا ہوں۔ ان کا ڈسٹن نہیں ہوں۔ ان کے بھلے کے لیے ہی کہہ رہا ہوں۔ ابلا ہوا کھلاؤ' پیدل چلاؤ' ایسا کرو ویسا نہ کرو ڈاکٹروں کے سارے لیکچر میں نے ہی ہضم کیے ہیں سارا دن۔'' اس نے اسی اٹھ مار لب و لہجہ میں جواب دیا۔ عنبر نے ایک گہری سانس بھر کر ابا کی طرف دیکھا۔ وہ چپ چاپ آنکھیں بند کیے پڑے تھے' شاید سو گئے تھے۔

''میں نہانے جا رہا ہوں بڑا میرے لیے کھانا نکال دینا پھر ٹیوشنز پر بھی دماغ کھپانا ہے۔'' شہزاد صوفے سے اٹھ کر دھپ دھپ کرتا سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔ عنبر نے گھڑی پر نظر پڑتے ہی کھڑے ہوتے ہوئے اپنا پرس اٹھایا۔

''امی میں بھی چلتی ہوں کچھ دیر کا کہہ کر آئی تھی شام ہو گئی ہے بچے بھی پریشان ہوں گے حالانکہ دادی کے پاس رہ تو جاتے ہیں۔'' اس نے دوپٹا سنبھالتے ہوئے کہا۔

''اور اب آپ بھی آرام کریں' ابا ٹھیک ہیں اب۔'' اس نے ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''کھانا نہیں کھاؤ گی؟ اچھا جاؤ مگر کیسے جاؤ گی۔ ٹھہرو میں شہزاد سے کہتی ہوں۔'' انہوں نے نائب دماغی سے کچھ بے ربط سے جملے کہے وہ انہیں تسلی دے کر باہر نکل آئی۔

رکشے نے جب اسے گھر کے سامنے اتارا' مغرب کا ملگجا اندھیرا چاروں طرف پھیل چکا تھا۔ کرایہ دے کر وہ پلٹی تو اس ملگجے اندھیرے میں اس نے آفاق کو کھلے گیٹ کے بیچوں بیچ کھڑے پایا۔ وہ جانے کب وہاں آ کر کھڑا ہوا تھا۔ سلام کرتے ہوئے اس نے آفاق کے چہرے پر سرسری نظر ڈالی اور اس کے کھلے گیٹ پر رکھے بازو کے نیچے سے گزر کر اندر جانے کی کوشش کی لیکن اس نے بازو نیچے کر کے اس کا راستہ روک لیا تھا۔ اس نے حیرت سے سر اٹھا کر اب کی بار ذرا غور سے آفاق کی طرف دیکھا۔ وہ ایک اور معرکے کے موڈ میں ہے مگر وہ کسی لڑائی یا بحث کی متحمل نہ تھی نہ ہونا چاہتی تھی۔

''کہاں سے آ رہی ہو؟'' آفاق نے سرد آواز میں پوچھا اس کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

''گھر گئی تھی ابو کی طبیعت.....'' اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے آفاق نے گیٹ پر مزید پھیل کر کھڑے ہوتے ہوئے اس کی اندر جانے کی کوشش ایک بار پھر ناکام بناتے ہوئے اسی سرد' چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں نے منع کیا تھا تمہیں وہاں جانے کے لیے' کیا تھا یا نہیں؟'' اس کا باپ سارا دن اسپتال میں گزار کر آیا تھا۔ اس کی کوئی خیر خیریت پوچھنا تو ایک طرف رہا' اس نے یہیں گیٹ پر کھڑے کھڑے جرح شروع کر دی تھی۔ عنبر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بس اندر اپنے بچوں کے پاس جانا چاہتی تھی۔ ابھی ڈھیروں کام تھے' انہوں نے نہ جانے ہوم ورک کیا تھا یا نہیں کھانا کھایا تھا یا نہیں۔

''ہٹیں مجھے اندر جانے دیں' اندر چل کر بھی بات ہو سکتی ہے۔'' اب کی بار اس نے بازو ہٹا کر اندر جانے کی کوشش کی تو آفاق نے اس کا ہاتھ سختی سے پکڑ کر اسے گیٹ سے چند قدم دور دھکیل دیا۔

''اندر کیسے جانے دوں؟'' اس نے غصیلی نظریں اس پر گاڑتے ہوئے کہا۔

''اور اب کوئی بات ہونے کو رہ گئی ہے؟ میں نے کہا تھا ناں کہ میرے گھر میں قدم نہیں رکھو گی اگر وہاں گئیں تو۔''

''آفاق ابو کی حالت بہت خراب تھی۔ گھر سے فون آیا تھا میں.....'' عنبر نے اب کی بار ذرا زور سے کہہ کر گیٹ کے اندر برآمدے میں امید بھری نظر ڈالی۔ شاید ابو نکل آئیں لیکن وہ گھر میں ہوتے تو نکلتے۔ آج کی شام تو ان کی کسی پرانے دوست کے ہاں بیٹھک تھی اسے یاد آ گیا۔

''بات تمہاری ہو رہی ہے' تمہارے باپ کی نہیں۔'' آفاق نے اسی سفاکی سے کہا۔ عنبر اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

''جاؤ وہیں جاؤ..... اس گھر میں تو اب تم گھس نہیں سکتیں۔ میں نے جو کہا تھا' اگر تم سمجھتی ہو کہ اس کا کوئی مطلب نہیں تھا یا کچھ اور مطلب تھا تو تمہاری بہت بڑی


Digitized by Google

بھول تھی میرا مطلب بالکل وہی تھا جو میں نے کہا تھا۔ اس گھر سے باہر ایک قدم میرے گھر میں آخری دن تو آج کا دن اس گھر میں تمہارا آخری دن تھا...... میں نے تمہیں طلاق دی۔" آفاق نے جس طرح شروع کے چند جملے سپاٹ لب و لہجے میں کہے اسی روانی سے یہ آخری تین جملے کہہ گیا۔ نہ آسمان ٹوٹا' نہ زمین پھٹی اور اس تاریک ہوتی شام کو گھر کے دروازے پر کھڑے کھڑے آفاق نے عنبر کو طلاق دے دی تھی۔

❁......❁......❁

طلاق کے بعد اس کے میکے میں برپا ہونے والی متوقع قیامت' ابا کی مخدوش طبیعت کے خیال سے راز داری کے پردوں میں سمٹ گئی۔ شروع کے کئی ہفتے ابا کی بگڑی حالت اور اس کی طلاق کے دھچکے میں چپ چپاتے گزر گئے۔ جس سے کسی کو ٹھیک سے اندازہ ہی نہ ہوسکا کہ دراصل ہو کیا گیا' ابا کے زندگی کی طرف رفتہ رفتہ لوٹ آنے کے بعد جب اس صدمے کو ذہنی طور پر قبول کرلیا گیا تو اسے پاس بیٹھا کر سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا اور اس سے کرید کرید کر ایک ایک بات بار بار پوچھی گئی اور پھر جب ابا کو بھی اس اندوہناک بات کا بالآخر علم ہوگیا تو اماں نے چپکے چپکے ان آنسوؤں اور سوال و جواب سے ہٹ کر اس کی تنک مزاجی' ضد اور ہٹ دھرمی کو اس کی طلاق کا سبب بنا کر پہلے دبے لفظوں میں اور پھر کھلم کھلا اس کے لتے لینے شروع کردیے۔ آخر کسی لڑکی کو اس کا شوہر یوں بلا سبب کھڑے کھڑے طلاق کیسے دے سکتا ہے؟ کچھ تو تھا جو عنبر چھپا رہی تھی نہیں بتا رہی تھی آفاق سے بات کرنا یا پوچھنا فضول تھا۔ طلاق ہو چکی تھی جس کا کوئی حل نہیں تھا۔

شہزاد نے البتہ شروع میں غصے سے بھر کر کئی بار وہاں جا کر آفاق سے پوچھ گچھ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا لیکن ابا نے سختی سے منع کردیا۔ ان کے منہ پر کالک مل جا چکی تھی۔ ایسی کالک جواب کسی بحث مباحثے' بات چیت یا گالم گلوچ سے مٹنے والی نہیں تھی اور اس کے بعد کے حالات وہی تھے جن کے بارے میں وہ سوچا کرتی تھی کہ اگر کسی اور سے سنتی تو کبھی یقین نہ کرتی لیکن اس پر اتنا کچھ گزر چکا تھا اور وہ اتنا کچھ برداشت کرچکی تھی کہ اب نہ کسی بات پر حیرت ہوتی تھی اور نہ تکلیف۔

اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لیے' اس نے عدت کے کچھ عرصے بعد ہی ایک اسکول میں ملازمت کرلی تھی جو وقت کے ساتھ ساتھ اسے بہتر سے بہتر اسکولوں تک لے جاتی رہی تھی اور آج کل وہ ایک اچھے' نامور پبلک اسکول میں نوکری کر رہی تھی۔ وہ بہت حد تک کسی کی مرہون منت تو نہ تھی لیکن پھر بھی اس کو شدت سے اس بات کا اندازہ تھا کہ یہ گھٹا ہوا ماحول اس کے بچوں کی زندگی اور شخصیت پر بری طرح اثر انداز ہو رہا ہے۔

آفاق نے طلاق دینے کے دوسرے دن ہی بچے بھی عنبر کے گھر بھیج دیے تھے۔ اسے ویسے بھی اپنی نیند پیاری تھی اس لیے ان کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ہزار طرح کے کام ہوتے ہیں بچوں کے اور وہ اپنے کام خود نہیں کرتا تھا تو ان معصوموں کے کون کرتا۔ وہ انہیں کہیں اتنی دور لے جانا چاہتی تھی جہاں اس کے بچے کھل کر ہنس سکیں' شرارتیں کرسکیں' جہاں کوئی انہیں ڈانٹ ڈپٹ نہ کرسکے۔ کہیں کسی بھی کونے میں' کسی بھی شہر میں' اس کی اور اس کے بچوں کی اپنی چھت' اپنا گھر ہو۔

❁......❁......❁

آفاق کے ابو کے لیے یہ طلاق کسی سانحے سے کم نہ تھی۔ اپنے نالائق اور نکھٹو بیٹے سے انہیں امیدیں تو ویسے بھی کوئی بہت اچھی نہیں تھیں لیکن وہ ایسا بھی کرسکتا ہے' انہوں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ انہیں یہ افسوس اور پچھتاوا گھلائے دے رہا تھا کہ وہ اس منحوس شام گھر میں کیوں نہیں تھے یا جہاں وہ ساری زندگی گھر کے کسی معاملے میں نہ پڑے اب بھی اپنے کام سے کام رکھتے تو شاید آفاق جھنجھلا کر یا چڑ چڑا کر اتنا بڑا قدم نہ اٹھاتا یا شاید انہوں نے ہی گھر کی کل ذمہ داری اپنی بیوی کو سونپ کر غلطی کی تھی۔

ان کی بیوی کی ساری زندگی اپنے بیٹے کے گرد ہی گھومتے گزر گئی تھی اور ان کی اس بے تحاشہ محبت اور توجہ نے آفاق کو کبھی بڑا ہونے ہی نہیں دیا تھا۔ وہ اب تک جیسے ذہنی طور پر اماں کا لاڈلا منا تھا۔ اب بھی گھر میں بچوں کی کمی اور بہو کی غیر حاضری کی وجہ سے جو سونا پن طاری ہوگیا تھا' اس کو وہ محسوس تو کرتی تھیں لیکن اس کا انہوں نے کبھی اظہار نہیں کیا تھا۔ انہوں نے زندگی میں پہلی بار باپ ہونے کی حیثیت سے اسے بہت سخت سست کہا تھا' گھر سے نکال دینے اور اپنی

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com


Digitized by Google

زندگی خودگزارنے کی دھمکی دی تھی لیکن ہمیشہ کی طرح ان کی بیگم نے اسے اپنے آنچل میں چھپالیا تھا۔ رو رو کر اور دہائیاں دے دے کر انہیں چپ کرادیا تھا۔ شروع شروع میں ایک دو بار انہوں نے عنبر کے گھر جاکر اس کے والد سے بات کرنی چاہی۔ بچوں کو دیکھنا چاہا۔ اپنی صفائی اور اس واقعے پر پشیمانی کا اظہار کرنا چاہا لیکن گھنٹہ گھنٹہ بھر باہر کھڑے رہ کر واپس آگئے تھے۔ کچھ عرصے بعد پھر بے چین ہوکر پہنچے تو اس بار شہزاد نے گیٹ پر کھڑے کھڑے انہیں ایسا بے عزت کیا کہ پھر پلٹ کر جانے کی ان کی ہمت نہ ہوئی۔ انہوں نے ہار مان کر چپ سادھ لی تھی اور اس ہار اور چپ کا آفاق نے جی بھر کے فائدہ اٹھایا تھا۔ اب اس کے دن اور راتیں پھر اپنی تھیں۔ گھی میں تر بتر پوریوں اور پراٹھوں کے ناشتے تھے اور امی کا ڈھیر سارا پیار اور دلار تھا۔

❁......❁

عنبر کو اندرون سندھ کے چھوٹے سے شہر میں ایک نامور فاؤنڈیشن کی بسائی بستی میں قائم اسکول کی طرف سے انٹرویو لیٹر ملا تو عرصے بعد اس کے دل نے سچی خوشی محسوس کی۔ وہ کتنی دیر بے یقینی کی کیفیت میں آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی۔ اس فاؤنڈیشن کی نوکری بلاشبہ رہائش اور اچھی تنخواہ کے ساتھ تو تھی ہی لیکن ایک اور اچھی بات یہ تھی کہ وہ ان سب لوگوں سے اپنے بچوں کو دور لے جاسکتی تھی۔ اس نے لفافہ لے جاکر باہر تخت پر بیٹھی پینا کے دوپٹے پر کروشیے کی خوب صورت بیل بناتی اماں کے ہاتھ میں دیا تو انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا ضرورت ہے اتنی دور جاکر کھپنے کی اچھی بھلی نوکری کرتی ہو یہاں۔" ساری بات پتا چلنے پہ انہوں نے دھڑ سے دوپٹہ ایک طرف رکھتے ہوئے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

"اماں...... یہ زیادہ اچھی جاب ہے۔ پیسے بھی زیادہ ملیں گے اور رہائش بھی۔" عنبر نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا یہاں تو تم بھوکی مرتی ہو' سڑک پر پڑی ہو۔" اماں کا لہجہ انتہائی تلخ تھا۔

"کاش سڑک پر ہی پڑی ہوتی تو یہ جو روز روز اپنوں کے کچوکوں سے جیتی اور مرتی ہوں' یہ تو نہ ہوتا۔" اس نے سر جھکا کر سوچا۔

"کب جانا ہے؟" اماں نے ذرا سا نرم ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اگلے ہفتے انٹرویو ہے۔ ایک دن میں جاکر واپس آنا تو ممکن نہیں ہوگا اگلے دن واپسی ہوگی۔"

"جو تمہارے دل میں آئے کرو' بھئی ہم کون ہوتے ہیں کچھ کہنے والے۔ ایسی ہی کسی کے کہنے سننے میں ہوتیں تو آج یہ نوبت ہی کیوں آتی۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے دوپٹہ اٹھایا اور پھر ڈوری انگلی میں لپیٹنے لگیں۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ بات ختم ہوچکی۔ عنبر نے گہری سانس بھر کے گود میں پڑا لفافہ اٹھایا اور وہاں سے اٹھ آئی تھی۔

❁......❁

اسے نوکری مل گئی تھی۔ اس کا انٹرویو اچھا ہوا تھا۔ جامعہ کراچی کی ماسٹرز کی ڈگری اور یہاں کے بہترین اسکولوں میں پڑھانے کا تجربہ ہوتے ہوئے اسے امید بھی اچھی ہی تھی۔ اب مسئلہ صرف یہ تھا کہ اسے رہائش فوراً نہیں مل سکتی تھی۔ اسے اس وقت تک خواتین کے ہاسٹل میں گزارا کرنا تھا جب تک پہلے سے آباد بنگلوز جاب چھوڑ کر جانے والا اسٹاف خالی نہ کردیتا۔ کہنے کو تو یہ پندرہ بیس دن ہی تھے لیکن ان پندرہ بیس دنوں نے اسے سولی پر لٹکا رکھا تھا۔ وہ اپنے بچوں کو ہوسٹل میں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی تھی اور یہاں وہ انہیں اس طرح اکیلے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی تھی لیکن اچھے دنوں کے لیے اسے دل پر پتھر رکھنا ہی تھا۔ صرف کچھ دن اور...... اس نے پھر اپنے آپ کو سمجھایا' پھر میرے بچے اپنے گھر میں ہوں گے' اپنی ماں کے گھر میں۔

❁......❁

"امی' آج ابو آئے تھے اسکول۔" اس کا لہجہ بڑا سرسری سا تھا' بہت سپاٹ۔ عنبر کے لنچ باکس خالی کرتے ہاتھ رک گئے۔ اس نے مڑ کر بیٹی کی طرف دیکھا۔ کیا اس نے کچھ غلط سنا تھا۔

"کون...... ! کون آیا تھا؟" اس نے ڈسٹر سے گیلے ہاتھ پونچھ کر اس کے پاس بیٹھ کر پوچھا۔

"ابو آئے تھے ہم سے ملنے۔" اس نے جوتے اتار کر کونے میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ہمارے لیے چاکلیٹس لائے تھے۔ میں تو وین میں آکر بیٹھ گئی تھی مگر حارث ان کے ساتھ کھڑا باتیں کرتا رہا۔"



Digitized by Google

وین والے نے دو بار ہارن دیا تب آیا۔" یہ ایک ایسی خبر تھی جس کی اسے رتی بھر نہ امید تھی نہ انتظار۔ آفاق کا سایہ بھی وہ اپنے بچوں پر نہیں پڑنے دینا چاہتی تھی۔ جس باپ نے ایک جھٹکے میں اسے اور اپنے معصوم بچوں کو اپنی زندگی سے باہر نکال پھینکا تھا اور پلٹ کر خبر بھی نہیں لی تھی۔ ایسے باپ سے اس کے بچوں کا کیا واسطہ تھا۔

"امی....." حانیہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"آپ ناراض ہوگئیں کیا؟"

"نہیں میرے بچے تم نے کیا کیا ہے۔" اس خبر کے دھچکے سے نکلنے کے بعد اب اس کے اندر غصہ بھر رہا تھا۔ کیوں آیا یہ شخص میرے بچوں سے ملنے کیا چاہتا ہے اب؟

"وہ اصل میں ابو پہلے بھی ایک بار آئے تھے میں تو آپ کو بتانا چاہ رہی تھی لیکن حارث نے منع کیا تھا کہ ابو نے کہا ہے کہ آپ کو نہ بتائیں۔" حانیہ نے رک رک کر مجرمانہ سی سرگوشی میں کہا۔ عنبر کا سر گھوم گیا۔ خدایا۔

"امی..... حارث سے کچھ مت کہیے گا..... نہیں تو میرے اوپر بہت ناراض ہوگا کہہ رہا تھا کہ ہمارے ابو ہیں' ہمیں یاد کرتے ہیں' ہم سے پیار کرتے ہیں اگر ملنے آجاتے ہیں تو کیا ہوا۔" حانیہ وقت سے پہلے بہت سمجھ دار ہوگئی تھی یا حالات نے اسے بنا دیا تھا۔ ماں اور بھائی کو خوش اور مطمئن رکھنے والی راضی بہ رضا حانیہ۔ عنبر کچھ دیر اس کی شکل چپ چاپ دیکھتی رہی۔ حارث سے کچھ نہ پوچھے جانے کی یقین دہانی چاہتا یہ چہرہ' اس کی طرف پُر امید نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے جھک کر اس معصوم چہرے کی پیشانی چوم لی۔

"ٹھیک ہے کچھ نہیں کہوں گی..... مگر اب وہ آئیں تو مجھے بتا دینا۔" حانیہ تو مطمئن ہو کر اٹھ گئی مگر اسے سوچوں کے بھنور میں چھوڑ گئی تھی۔ حارث محبتوں کا مارا' اپنوں کے بیگانے رویوں سے عاجز حساس بچہ تھا۔ کسی کی آنکھوں میں اپنے لیے اپنائیت اور محبت اس کے لیے بڑی بات تھی' پھر آفاق تو جیسا بھی سہی' اس کا باپ تھا اور باپ کی محبت کا اسے اپنی طرف کھینچ لینا کوئی انہونی بات نہیں تھی۔

کہیں سے اڑتی اڑتی خبر ملی تھی کہ آفاق کے ابو سخت بیمار ہیں۔ اس خبر کا اس کے گھر میں ظاہر ہے کہ کوئی نوٹس نہیں لیا گیا' اب ان لوگوں سے واسطہ ہی کیا تھا لیکن عنبر کے دل پر گھونسہ سا پڑا تھا۔ اس کے سسر اس کے سسرال کی واحد شخصیت تھے جن کا شفیق لب ولہجہ اور محبت وہ کبھی بھلا نہیں سکتی تھی۔ اس کے دل میں ان کی بہت عزت تھی۔ ان کی صحت یابی کے لیے اس نے صدق دل سے دعائیں مانگی تھیں۔ ابو کا اس کی تعلیم مکمل کروانے کا احسان تو اتنا بڑا تھا جس کا شکریہ اس کا رواں رواں ادا کرتا تھا اور جس کے طفیل وہ آج اس قابل تھی کہ اپنے بچوں کو اپنے بل بوتے پر اس زندگی کی طرف لے جا سکے جس کا وہ کبھی صرف خواب دیکھا کرتی تھی۔

❁.....❁.....❁

نئی جگہ' نئی دنیا' نئے لوگ۔ اسٹیشن سے لے کر ہوسٹل کی عمارت تک پہنچتے پہنچتے' ٹوٹی پھوٹی سندھی سے کام چلاتے اور اب گیٹ پر کھڑے چوکیدار کو اپنے بارے میں بتاتے اس کے اندر کی گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ قدرے کم ہوگئی تھی۔ ہاسٹل کے آفس اور آفس سے کمرے تک کا سفر نسبتاً بہت آسان تھا۔ اپنا سوٹ کیس بستر پر رکھتے ہوئے اس نے گردن گھما کر کمرے کا جائزہ لیا۔ صاف ستھرا' دو بستروں پر مشتمل چھوٹا سا کمرا' ایک میز کرسی' ایک کپڑوں کی الماری اور ایک چھوٹا سا بک شیلف۔ دوسرے بیڈ کے نیچے ایک سرخ رنگ کا چھوٹا سا بیگ رکھا تھا۔ کھڑکی کے پردے برابر تھے مگر اس سے آنے والی ہوا بتا رہی تھی کہ کمرا خاصا ہوادار بھی ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی کے پردے کھینچ کر ایک طرف کردیے۔ تیز دھوپ نے ایک لمحے کو اس کی آنکھیں چندھیا دیں۔ آنکھوں کو سکیڑ کر اس نے باہر پھیلے منظر کا جائزہ لیا۔

ہاسٹل کی اونچی چار دیواری کے پیچھے دور دور تک پھیلا ریگستان اور اس میں اگے صحرائی پودے۔ اگر اسے کہیں بہت عرصے اس کمرے میں رہنا ہوتا تو یقیناً اس کا دل بیٹھ جاتا اس منظر سے لیکن اسے کون سا یہاں عمر گزارنی تھی۔ پندرہ بیس دن ہی کی تو بات تھی۔ اس نے گویا اپنے آپ کو دلاسا دیا۔ اس نے نہانے کا ارادہ کر کے سوٹ کیس کھولا لیکن اس کے کپڑے نکالنے کے لیے بڑھتے ہاتھ رک گئے۔ سب سے اوپر ایک کارڈ رکھا تھا۔ کارڈ کو کھول کر پڑھنے سے پہلے ہی اپنے بچوں کے ہاتھ کی لکھائی اور نام دیکھ کر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے دھندلانے لگیں۔ یقیناً یہ بھی حانیہ کا ہی آئیڈیا ہوگا۔ ماں کو دونوں کی طرف سے ایک گڈ لک کارڈ



Digitized by Google

دینا اور کسی ترکیب سے اسے آخری لمحات میں سوٹ کیس کے اندر تک پہنچانا۔

"میرے بچے۔" اس نے کارڈ سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔

"ارے یار...... یہاں تو مطلع ابر آلود ہے کسی وقت بھی بارش متوقع ہے۔" کسی کی کھنکناتی، چہکتی آواز پہ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں جلدی جلدی جھپکیں اور آنسو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے آواز کی رخ پر دیکھا۔

"دیکھو بھئی، ہمارے ساتھ رہنا ہے تو یہ روتی صورت نہیں چلے گی۔ ہم تو بھئی خوش باش فٹ فاٹ لوگ ہیں اور جو ہمارے ساتھ رہتا ہے اسے بھی ایسا ہی ہونا پڑتا ہے نہیں تو ہم بنا دیتے ہیں۔" وہ غسل خانے سے باہر آئی آگے بڑھی اور اپنا سیدھا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے ذرا سا جھک کر بڑی ادا سے کہا۔

"خاکسار کو منیزہ کہتے ہیں، اگلے کم از کم تین ہفتے ہمارا آپ کا دن رات کا ساتھ رہے گا۔ آپ کا اسم شریف؟" عنبر جو اس کی پہلی بات سے لے کر اب تک کچھ گم صم، بیٹھی تھی، ہڑبڑا کر اس کا بڑھا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی اردو بہت صاف تھی لیکن لب و لہجے میں سندھی کی چاشنی گھلی ہوئی تھی۔

"عنبر۔" اس نے حسب عادت آہستہ سے کہا۔

"کیا؟" منیزہ نے پھر جھک کر کان کے پیچھے ہاتھ رکھ کر جیسے کچھ سننے کی کوشش کی۔

"عنبر...... عنبر احسان نام ہے میرا۔" اس کے اس طرح اداکاری کرنے پر اب کی بار کچھ چڑ کر عنبر نے ذرا زور سے جواب دیا۔

"اچھا۔" اس نے اچھا کو خاصا کھینچا۔ "بھئی نام تو ہمیں پسند آیا، اب کام بھی تو بتاؤ لڑکی۔ جیسے کہ میں یہاں سائنس اور بائیولوجی کی استانی صاحبہ بن کر آئی ہوں جیکب آباد نمبر پانچ سے۔"

"میری بلا سے بھئی تم مریخ سے آئی ہو۔" اس نے جل کر سوچا۔

"میں نہالوں پہلے، سب کچھ جاننے کے لیے اگلے پندرہ منٹ ہی نہیں اگلے کم از کم تین ہفتے ہمارا آپ کا دن رات کا ساتھ رہے گا۔" اس نے ٹھنڈے لہجے میں منیزہ کو اس کی بات لوٹائی۔

"بھئی وہ کیا ہے کہ صابن اور شیمپو اپنا اپنا۔ کپڑوں کی الماری سانجھی ہے اس لیے وہ آدھی آدھی اور باقی سب پورا پورا۔" منیزہ نے اس طرح ہونٹوں میں ہنسی دبا کر خوش دلی سے کہا تھا۔

❁......❁......❁

عنبر کا آج تک ایسی ہستی سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ آخر کوئی کب تک باتیں کر سکتا ہے، ہنس سکتا ہے، کوئی بھی انسان ہر وقت صرف خوش نہیں رہ سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ پورے پانچ دن گزار کے، اس سے حتی الامکان قطع تعلق کر کے، کتابوں میں خوانخواہ سر کھپائے رہنے اور اس کی سیدھی سیدھی باتوں کے ٹیڑھے جواب دینے کے بعد اسے یقین آ گیا کہ یہ لڑکی جس کا نام منیزہ مجاہد سومرو ہے اس دنیا سے بالکل منفرد مزاج رکھتی ہے۔

اپنی آمد کے تیسرے دن، جب وہ بیٹھی پہلی بار کلاس میں جانے اور نوٹس بنانے کی تیاری کر رہی تھی تو اپنے بستر پر مزے سے لیٹی کوئی کتاب پڑھتی منیزہ نے زور سے کتاب بند کی۔

"کیا بوریت ہے یار۔" عنبر نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں سر جھکائے کورس کی کتاب سے کچھ ڈھونڈ کر کاغذ پر لکھتی رہی۔

"یہ تم اتنے خشوع و خضوع سے آخر کیا کر رہی ہو بھئی اپنی عنبر احسان۔" اف اس کی سندھی کھلے لہجے میں اردو کے بھاری بھرکم الفاظ۔

"کل کے دن کی تیاری کر رہی ہوں۔ تمہیں کچھ نہیں کرنا، کل تمہارا بھی پہلا دن ہے ناں؟" اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"یار...... کلاس فور کے بلونگڑوں کو پڑھانے کے لیے کیا تیاری کرنی، دیکھ لیں گے وہیں جا کر۔" اس نے اس درجہ لاپروائی سے کہا کہ عنبر گردن گھما کر اسے دیکھے بغیر نہ رہ سکی۔ یہ چیز کیا ہے آخر؟

"ویسے بھی اپنا تو اس نباتات اور حیوانیات میں دل لگتا نہیں ہے۔ وہ تو ابا جیکب آباد کے بڑے زمیندار نہ ہوتے تو مال و دولت پاس بھی نہ ہوتے۔ ایک بات بتاؤں۔ یہ نوکری بھی ابا کے ایک دوست کی تگڑی سفارش سے ملی ہے۔ وہ جو کرنل صاحب ہیں ناں اس اسکول کے کرتا دھرتا۔ ان کو بھنک پڑے بغیر نیچے ہی نیچے سارا کام ہو گیا ورنہ کرنل صاحب کی سوئی تو میرٹ پر اٹکی ہے تو وہیں اٹکی ہے۔" اس

URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

نے بریکنگ نیوز دی۔

"تم نے یہ بات مجھے کیوں بتائی' اگر میں کسی سے کہہ دوں تو؟" اب کی بار عنبر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بھئی ہم جب کسی کو شریک راز کرتے ہیں تو یوں ہی نہیں کر لیتے۔ تم قابل بھروسا ہو یہ تمہارا چہرہ بتاتا ہے۔ دوسرے تم کہاں اتنی محنت کرو گی کہ اتنے ڈھیر سارے الفاظ خرچ کرو میری شکایت یا چغلی کھانے پر۔" اس کے اس طرح "چغلی کھانے" کہنے پر عنبر کے ہونٹوں پہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ آ گئی۔

"آپا..... بہت دلی اطمینان اور مسرت نصیب ہوئی تمہیں مسکراتا دیکھ کر ورنہ یوں لگتا تھا کہ تمہیں تو شاید مسکرانا بھی نہیں آتا ہوگا۔ چلو یار اب اتنا دل خوش کیا ہے تو تھوڑا سا اور کر دو باہر سہانی ٹھنڈی سحرائی ہوا چل رہی ہے باہر چلو تھوڑا ٹہل کر آتے ہیں۔"

"چلو۔" منیزہ کے لچکتے وجود کے پیچھے چلتے ہوئے وہ بھی مسکرا رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

اسکول کی وین سے اترتے ہی حارث' بیگ کندھے سے اتار کے زمین پر پھینکتا بھاگتا ہوا گھر میں داخل ہوا۔ یہ اس کی ہمیشہ کی عادت تھی۔ اسکول کا ٹوائلٹ اس نے آج تک کبھی استعمال نہیں کیا تھا لیکن گھر آتے ہی اس کا ٹوائلٹ میں گھس جانا لازمی تھا۔ حانیہ نے حسب عادت اس کا بیگ اٹھا کر کمرے میں لے جا کر رکھا' یونیفارم بدلا' پھر اپنا اور اس کا لنچ باکس اور پانی کی بوتلیں بیگ سے نکالیں اور انہیں لے جا کر کھانے کی میز پر رکھ دیا۔ آج اسے بہت بھوک لگی تھی۔ امی نہیں تھیں تو صبح جلدی جلدی میں وہ اپنا اور حارث کا جیسا تیسا بھی لنچ بنا کر رکھ تو لیتی تھی لیکن آج تو ڈبل روٹی بھی صرف ایک ہی سینڈوچ کے لیے تھی سو اس نے حارث کے لیے بنا دیا تھا۔

"پہلے کھانا کھا لوں پھر لنچ باکس دھولوں گی۔" اس نے سوچا۔

سارے گھر پہ سناٹا طاری تھا۔ صرف لیونگ روم سے ٹی وی چلنے کی ہلکی سی آواز آ رہی تھی۔ اس نے وہاں جھانک کر دیکھا۔ بینا کشن کمر سے لگائے' ریموٹ ہاتھ میں لیے' ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔

"السلام علیکم بینا خالہ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ بینا نے اس کے سلام کا جواب دیئے بغیر' ٹی وی پر نظریں جمائے جمائے سیدھے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کیا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ میں کھانا کیا خود نکال لوں؟" اس کی اس بات پر اب بینا نے گردن گھما کر ناگوار نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"حارث کو کھانا دے کر ادھر آؤ پہلے۔ کام ہے تم سے۔" حارث کو دال چاول اور سلاد پلیٹ میں نکال کر دیتے ہوئے کھانے کی خوشبو سے اس کی انتڑیاں قل ھو اللہ پڑھنے لگی تھیں' بینا کے پاس واپس آ کر وہ خاموش کھڑی ہو گئی۔

"دیکھو۔" بینا کی نظریں پھر ٹی وی پر جمی تھیں۔ "ڈسٹر اٹھاؤ اور سارے گھر کی ڈسٹنگ کرو اور جب کر لو تو ادھر آنا..... چلو جاؤ۔"

"جی۔" حانیہ نے فرماں برداری سے سر جھکا کر کہا۔

ابا کے بیماری کے بعد بستر پکڑ لینے سے اماں گھر کے کسی کام میں حصہ لینے یا کسی معاملے میں بولنے کے قابل نہیں رہ گئی تھیں۔ ابا کا علاج' آرام' پرہیزی کھانا' دوائیں بس اسی میں من چکر بنی ہوئی تھیں۔ عرصے سے انہوں نے گھر بینا پہ چھوڑ دیا تھا اور وہ حقیقتاً کلی طور پر گھر کے سیاہ اور سفید کی مالک تھی۔ ابا کچھ بولنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ بہزاد کسی گنتی میں نہیں تھا اور شہزاد کو گھر میں ایک لگا بندھا خرچہ دینے کے بعد اور کسی چیز سے سروکار نہیں تھا۔ ایسے میں بینا کو مالکن ہونے اور حکم چلانے کی عادت پڑ چکی تھی۔ گھر چلاتے چلاتے اس کے اندر جو تحکم اور رعونت آ چکی تھی اس کا اب کوئی علاج نہیں تھا سوائے اس کے کہ اس کے حسب منشاء رشتے کی معجزانہ آمد کا انتظار کیا جائے۔ اس پر بدمزاجی کے جو دورے پڑتے تھے ان سے حانیہ بھی اچھی طرح واقف تھی۔

حانیہ جب آدھے گھنٹے میں سامان سے اٹے ہوئے گھر کی ڈسٹنگ کر کے فارغ ہوئی تو بھوک کے مارے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ پھر بینا کے حضور حاضری دینے آئی۔

"ہوں..... کر لیا؟"

"جی۔"



Digitized by Google

"ٹھیک سے کیا ہے میں چیک کروں گی اگر کہیں مجھے مٹی' گرد نظر آگئی تو تم جانتی ہو پھر۔" اس نے اسی رعونت بھرے لہجے میں کہا۔

حانیہ کو خاموش کھڑا دیکھ کر اس نے کھڑکی کے پردے کو ہٹا کر باہر رسی پر دھوپ میں پھیلے کپڑوں کا جائزہ لیا جو ماسی صبح دھو کر پھیلا گئی تھی۔

"چلو کپڑے لے کر آؤ اندر تہہ لگا کر سب کے کمروں میں رکھ کر آؤ۔ پھر سنک میں جتنے برتن ہیں' سب دھو کر رکھو پہلے پھر کھانا کھاؤ۔" لیکن اس کام کو کرتے ہوئے حانیہ کی بھوک مر چکی تھی۔ وہ خاموشی سے کچن کی لائٹ بند کر کے کمرے میں آگئی۔ اس نے ایک نظر بے خبر سوتے حارث کو دیکھا۔ اس نے یونیفارم تک نہیں بدلا تھا۔ اس بات پر اسے ہمیشہ عنبر کی ڈانٹ پڑتی تھی لیکن آج اسے ڈانٹنے والی ماں نہیں تھی۔

اس نے اپنی امی کے بستر پر گر کے ان کے تکیے میں منہ چھپایا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ماں کی خوشبو اپنے اندر اتارتے ہوئے اس نے سسکیوں بھری گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

"امی کب آئیں گی؟"

❁.....❁.....❁

آفاق کمرے میں خاموش لیٹا تھا' کمرے میں اندھیرا تھا اور گھر پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ یہ وہ آئیڈیل صورت حال تھی جس میں عام حالات میں وہ گھوڑے بیچ کر سو سکتا تھا لیکن کچھ دنوں سے اسے یہ سناٹا اور خاموشی چبھنے لگی تھی۔ بیوی بچوں کے جانے کے بعد' جس آزادی اور سکون کا اس نے جی بھر کے لطف اٹھایا تھا اب وہ آزادی اسے تکلیف دینے لگی تھی۔ اس کے نزدیک جو کچھ ہوا' اس میں سارا قصور عنبر کا تھا' جو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ بھگت رہی تھی۔ اسے اب بھی اس بات کا ادراک نہیں ہوا تھا کہ وہ ایک ذمہ دار شوہر اور باپ کے فرائض سے بھاگتا رہا تھا' گھر کے اس سونے پن میں بہت بڑا ہاتھ ابو کی خاموشی اور بیماری کا بھی تھا۔ انہوں نے ایسی چپ سادھی تھی کہ ان معاملات میں بھی نہیں بولتے تھے جہاں ان کے بولنے اور مشورہ دیئے بغیر وہ صفر تھا۔ ان کی حالت دن بدن بگڑ رہی تھی۔ ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد مختلف جگہوں میں سرمایہ کاری اور شیئرز کا حصہ دن بدن ڈوب رہا تھا۔ ان جیسے ذہین اور معاملہ فہم آدمی کے بعد آفاق جیسے لاابالی اور غیر سنجیدہ شخص نے بنے بنائے معاملات بگاڑ دیئے تھے۔ معاملات اس کے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسل رہے تھے اور اسے اول تو یہی سمجھ نہیں آتا تھا کہ یہ ریت پھسل کیوں رہی ہے اور اگر پھسل ہی رہی ہے تو اسے پھسلنے سے روکنے کے لیے آخر ترکیب کیا لڑائی جانی چاہیے؟

شاطر دنیا ایک بے وقوف اور تھکے آدمی سے جی بھر کے فائدہ اٹھا رہی تھی۔ دکانوں کے کرایوں سے ہونے والی لگی بندھی آمدنی نے گھر کے وہ اللے تللے بہت کم کر دیے تھے جن کا یہ گھر اور اس کے مکین عادی تھے۔ ان سب حالات کے ساتھ گھر پہ پھیلی خاموشی اور اداسی اسے مزید پریشان کر دیتی۔ اسی خاموشی اور اداسی سے گھبرا کر اب اسے اپنے بچھڑے ہوئے بچے یاد آرہے تھے۔

❁.....❁.....❁

اسٹاف روم سے پلے گراؤنڈ میں کھیلتے بچوں کی نگرانی کی ڈیوٹی پوری کرنے باہر نکل رہی تھی' اسٹاف روم میں وہی ٹیچرز تھیں' وہی گھریلو مسائل کے رونے تھے اور وہی فیشن پر تبصرے' لیکن جس وقت وہ آٹھ نو سال کا بچہ فٹبال پکڑنے کے چکر میں منہ کے بل گرے اور اپنے گال پر لگے زخم کے ساتھ اس کے سامنے آیا تو اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ اس عام سے دن کو ایک بہت خاص دن بنانے کی شروعات ہے۔

اس نے امید طلب نظروں سے چلچلاتی دھوپ میں' آنکھوں پر ہاتھوں کا چھجا سا بنا کر کسی دوسری ٹیچر کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں گھمائیں۔ اس کے ساتھ مسز خانم کی ڈیوٹی تھی۔ وہ بھی کراچی سے ہی آئی تھیں اور اردو کی ٹیچر تھیں لیکن اس وقت وہ کہیں نظر نہیں آرہی تھیں۔ اس نے بسورتے بچے کو سر پر ہاتھ پھیر کر دلاسہ دیا اور ہاتھ پکڑ کر اس طرف چلی جہاں مسز خانم کو چھوڑا تھا۔

میدان کے ایک کونے میں بنے خوب صورت فوارے کے پاس' وہ سائے میں کھڑی' دو بچوں کو گیند کے اوپر نہ جھگڑنے کی گھرکی دے رہی تھیں۔ عنبر کی پریشان صورت دیکھ کر وہ حیران رہ گئیں۔

"ارے بھئی کیا ہوا؟" عنبر نے روتا' بسورتا بچہ ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔

"توبہ کیسے آفت کے پرکالہ بچے ہیں۔ کیا کر ڈالا


Digitized by Google

ہیں؟'' انہوں نے جھک کر چھلے ہوئے سرخ گال کا جائزہ لیتے ہوئے بچے کو کڑی نظروں سے گھورا اور براہ راست اسی سے سوال کر ڈالا۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید سوال کرتیں اور معاملات سنورنے کے بجائے اور بگڑ جاتے' عنبر نے جلدی سے سسکیاں بھرتے بچے کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے پیچھے کیا اور کہا۔

''یہاں پر ڈسپنسری ہے......؟''

''ہاں بی بی ڈسپنسری تو ہے یہاں پہ اس میں کوئی ڈاکٹر صاحب بھی کبھی کبھار تشریف لاتے ہیں آپ کو علم تو ہے یہاں ہر جگہ کا نظام بگڑا ہوا ہے۔'' وہ اور بھی کچھ کہتیں جب ہی اس نے انہیں روک دیا۔

''مجھے بتائیں گی کہاں جانا ہے؟'' اس نے حتی الامکان لہجہ پُرسکون رکھا۔ اب بچے کا پھٹا ہوا زخم اور رونا اس کی برداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔

''ہاں تو وہ جو سامنے سیکنڈری اسکول کی بلڈنگ ہے ناں اس میں ہے ڈسپنسری۔'' سیکنڈری اسکول کی عمارت اس وقت خالی پڑی تھی۔ بڑی کلاسوں کے طلباء بھی اس وقت لنچ ٹائم پر تھے۔ تمام اساتذہ بھی لگتا تھا کھانے کے بعد کہیں قیلولہ کر رہے تھے کیونکہ صدر دروازے سے داخل ہونے سے لے کر ڈسپنسری والی راہداری کے آخری سرے تک اسے کوئی بھی نہیں ملا تھا۔

اس طرف آنے کا اس کا یہ پہلا موقع تھا۔ بسورتے بچے کا ہاتھ پکڑے پکڑے' اس نے دور تک راہداری میں کھلنے والے دروازوں میں ڈسپنسری کا بورڈ ڈھونڈنا چاہا لیکن ناکامی ہوئی۔ اس نے تھوڑا سا آگے بڑھ کے سیدھے ہاتھ پر ایک ادھ کھلے دروازے سے اندر جھانکا۔ اندر بسی کیمیکلز اور گیسوں کی ایک جانی پہچانی سی بو نے اسے باور کروایا کہ وہ یقیناً کیمسٹری لیب تھی۔ لیب کے دوسرے سرے کے کاؤنٹر پر لیب کوٹ میں ملبوس کوئی جھکا اپنے سامنے رکھے کاغذات میں منہمک تھا۔ عنبر نے کسی کے نظر آ جانے پر پُرسکون کی سانس لی اور آہستہ سے دروازہ بجایا۔

''جی خیریت؟'' اس نے ایک نظر اس پر اور دوسری بچے پر ڈالتے ہوئے سوال کیا۔ اس کی آواز نرم' دھیمی اور لہجہ مہذب تھا۔

''اسے چوٹ لگ گئی ہے کھیلتے ہوئے' تو ہم ڈسپنسری ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔'' عنبر نے خشک حلق کے ساتھ' اتنی مدھم آواز میں کہا کہ وہ بمشکل اس کی آواز سن پایا۔ اب کی بار اس نے دلچسپی سے عنبر پر نگاہ ڈالی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جن کے چہرے ان کی پریشانی کی کہانی لفظ بہ لفظ سنا دیتے ہیں لیکن جن کے اطوار اور لہجہ اپنے آپ کو مضبوط ثابت کرنے کی سعی میں لگے رہتے ہیں۔ اس نے عنبر کو ڈسپنسری کا راستہ بتانے کا ارادہ کیا لیکن پھر شاید اس کی رونی صورت دیکھ کر ارادہ بدل دیا۔

''آیئے میرے ساتھ میں لے چلتا ہوں۔'' اس نے دروازے سے باہر نکل کر راہداری میں قدم بڑھا دیئے تھے۔

......

آئندہ آنے والے دنوں میں بہت کچھ ہوا۔ منیزہ کے بقول ان کی پکی والی دوستی ہوگئی یا اس نے زبردستی کر ڈالی۔ اسکول کے بعد شام کو یا چھٹی والے دن اس اللہ کی بندی کا کمرے میں ٹک کر بیٹھنا گویا حرام تھا۔ اس کی اسکول کے اندر باہر موجود ہر اس شخص سے' جس سے اس کا ایک لمحے کا آمنا سامنا ہوا ہو' سلام دعا ہو چکی تھی۔ عنبر زندگی میں دوست بنانے اور دوستیاں نبھانے میں جتنی کنجوس تھی وہ اتنی ہی فراخ دل تھی۔ دوست بنانے میں اس کا کوئی خاص معیار یا نظریہ بھی نہیں تھا۔ منیزہ کے لیے ایک مسکراہٹ' دوستی کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس نئے ماحول اور نئی زبان کے ساتھ' منیزہ کا ساتھ کبھی کبھار کے علاوہ ہر لحاظ سے خوشگوار تھا۔

منیزہ سے پکی دوستی ہونے کے علاوہ اور کچھ خوشگوار نہ ہوسکا۔ جس دن اسے یہ خبر ملی کہ اسے الاٹ ہونے والے بنگلو کے لیے مزید تین ہفتے انتظار کرنا پڑے گا' اس کا دل کئی دن تک بیٹھا رہا تھا۔ اپنے بچوں کو اپنے پاس لانے کے لیے وہ جس طرح ایک ایک دن گن گن کر گزار رہی تھی' اس کے بعد یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ اس شام بھی وہ بالکونی میں ریلنگ پر جھکی اداس کھڑی تھی جب منیزہ نے باہر آ کر اس کا کندھا ہلایا۔

''میڈم گیارہ بج رہے ہیں' سونے کا ارادہ نہیں ہے آج کیا؟'' کچھ لمحوں کے انتظار کے بعد' اس نے ریلنگ پر جھک کر عنبر کی آنکھوں میں جھانکا۔ حسب معمول' اس کا ارادہ کوئی پھلجھڑی چھوڑنے کا تھا لیکن نہ جانے عنبر کی آنکھوں میں کیسا درد تھا کہ اس نے اپنے لب بھینچ لیے۔



Digitized by Google

پچھلے کچھ دنوں سے عنبر معمول سے زیادہ خاموش اور اداس تھی لیکن وہ خود اسکول اور اپنی کلاس میں ہونے والے ٹیسٹوں کی تیاری میں ایسی مصروف رہی تھی کہ کئی دن سے بیٹھنے اور بات کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا تھا۔ اس نے ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھا' اداس کھڑی عنبر کو پھر ایک نظر دیکھا اور دھیمی سی آواز میں پوچھا۔

''کیا ہوا یار سب ٹھیک تو ہے؟''

''ہاں سب ٹھیک ہے۔''

''دیکھو بھئی اب سب ٹھیک نہیں ہے اور کیا ٹھیک نہیں ہے جانے بغیر ہمیں تو نیند آئے گی نہیں اب اور ہم نہیں سوئیں گے تو تم کیسے سو سکتی ہو؟ تو چلو پھر اچھے بچوں کی طرح جلدی سے بتا دو تاکہ دونوں سکون سے سوئیں اور کل دو درجن شیطان کے چیلے بچوں کا سامنا جوان مردی سے کرنے کے قابل ہوں چلو بتاؤ شاباش۔'' منیزہ کو بنگلہ نہ ملنے کی خبر سے زیادہ اس کے بچے ہونے کی خبر نے متحیر کیا تھا۔

''لڑکی..... تمہارے بچے ہے؟ یعنی تم شادی شدہ ہو' کیا بچپن میں شادی ہوگئی تھی تمہاری؟'' اتنے اہم اور گمبھیر مسئلے پر' جس نے عنبر کی جان کئی دن سے سولی پر لٹکا رکھی تھی' منیزہ کا یہ حسین تبصرہ اس کی جان جلا گیا۔ اس نے بیزار ہو کے وہاں سے اٹھ جانا چاہا لیکن منیزہ نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر بٹھالیا۔

''اچھا یار سوری میرا مطلب تھا کہ تم لگتی نہیں ہو نا اس لیے تم نے ذکر بھی نہیں کیا کبھی کہ تم شادی شدہ ہو تو تمہارے میاں' میرا مطلب ہے کہ تم یہاں اکیلی؟'' وہ اب کنفیوز تھی۔

''میں شادی شدہ نہیں طلاق شدہ ہوں۔'' اس ایک جملے نے اس کا سارا کنفیوژن بھاپ کی طرح اڑا دیا۔

اس کی آنکھوں میں کچھ ایسا خالی پن اور دکھ تھا کہ منیزہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بہت پیار سے کہا۔

''کیا ہوا تھا..... مجھے نہیں بتاؤ گی؟'' عنبر نے اسے سب بتا دیا۔ اس نے کبھی کسی کو شریک غم نہیں کیا تھا۔ سب کچھ اپنے اندر اتارتے اتارتے' زندگی کی تلخیاں اور پریشانیاں اکیلے اٹھاتے ہوئے شاید وہ تھک گئی تھی۔ اپنا بوجھ ہلکا کرنے کو اسے شاید واقعی کوئی سننے والا چاہیے تھا۔ طلاق کے بعد کی آپ بیتی سناتے ہوئے جب اس کی آواز بھرا گئی اور اس نے رک کر ایک گہری سانس لی تو چپ بیٹھی انہاک سے اس کی داستان سنتی منیزہ نے اس کا ہاتھ تھپتھپا کے کہا۔

''وہ شخص تو بہت بدنصیب تھا ہی جس نے تم جیسی عورت کو ٹھکرا دیا اور اس بدنصیب کے اوپر مجھے حیرت بھی نہیں ہے کہ وہ آخر سر پھرا مرد ہی تھا۔ پریشان ہو کر اگر کسی مسئلے کا حل نکل سکتا تو اس دنیا میں کوئی مسئلہ ہوتا ہی نہیں۔ تم تو بہت بہادر ہو عنبر' اپنے راستے کے کانٹے چنتے چنتے یہاں تک آ گئی ہو اور اب تو کچھ ہفتوں ہی کی بات ہے۔ تھوڑا سا حوصلہ اور کرو' آج نہیں تو کل تمہارے بچے تمہارے ساتھ ہوں گے' پھر اس دنیا کو لات مار کے پرے دھکیلنا اور اپنی پُرسکون چار دیواری میں مزے کرنا۔ ہمیں تو ہوسٹل میں ہی سڑنا ہے لیکن تم سی اچھی دوست سے کبھی کبھار کی بریانی اور ہر وقت کی چائے کے آسرے میں ہم بھی گزر بسر کر ہی لیں گے۔''

آخری چند جملے صرف عنبر کے سوکھے ہونٹوں پر مسکراہٹ لانے کے لیے اس نے سر جھکا کے' اداسی کی سو فیصد بھونڈی اداکاری کرتے ہوئے کہے۔ عنبر مسکرا دی۔

''شاباش یہ ہوئی ناں بات۔'' کہتے ہوئے منیزہ نے اسے ہاتھ پکڑ کے کھڑا کر دیا۔

''اب چلو یار' سو جاؤ نہیں تو کل میری جمائیوں کا بچے تک مذاق اڑائیں گے۔''

❁.....❁.....❁

پچھلے ہفتے وہ بچوں سے ملنے گئی تھی۔ اس دو دن کے آنے جانے میں' جس میں سے بیشتر وقت سفر میں ہی گزر گیا تھا' تھکن تو ہوئی تھی لیکن حانیہ اور حارث کے کومل وجود اس کی بانہوں میں آتے ہی ساری تھکن اڑا لے گئے تھے۔ رات کو اپنے بچوں کو خود سے لپٹا کر اس نے ڈھیروں باتیں کی تھیں۔ اپنے اسکول کی چھوٹی سی چھوٹی بات بتا کر ان کا دل بہلایا تھا۔ مستقبل میں اپنے گھر کا سہانا خواب ہنستے بولتے' وہیں اس کے وجود سے لپٹ کے سو گئے تھے۔ اسے بچے اتنے پریشان نہیں لگے تھے جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔ حانیہ نے سمجھداری سے کام لیتے ہوئے اس کے ہر سوال کا جواب اطمینان بخش دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

اس کا موڈ خوشگوار تھا' جس نے منیزہ کے سدا بہار موڈ کو مزید خوشگوار بنا دیا تھا۔ اس اتوار کو اس نے ناشتے کے بعد اسکول کے بڑے گھیل کے میدان میں اساتذہ اور طالب



Digitized by Google

علموں کے درمیان کھیلے جانے والا کرکٹ کا دوستانہ میچ دیکھنے کا پروگرام بنا رکھا تھا اور ظاہر ہے کہ عنبر کو اس کے ساتھ جانا تھا۔ منیزہ کی تیاریاں صبح سے جاری تھیں۔ نہانا، دھونا، بال سنوارنا۔ لان کے شوخ رنگوں سے سجے خوب صورت سوٹ پر جب وہ میچنگ سینڈل پہنے کمرے میں آئی تو عنبر کو ابھی تک اسی طرح بیٹھے اخبار پڑھتے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

''کیا ہے یار تم ایسے ہی بیٹھی ہو چلنا نہیں ہے؟''

''چلو جب تم کہو۔'' عنبر نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو منیزہ نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

''یار تم اتنی بور کیوں ہو؟ اس حلیے میں جاؤ گی اس بدرنگے، میرا مطلب ہے پھیکے رنگ کے فضول سے کپڑوں میں۔'' منیزہ کے جھلانے پر عنبر نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ واقعی وہ جس شوخ رنگ میں ملبوس تھی، اس کے سامنے تو ہر رنگ پھیکا تھا۔

''ہم کرکٹ میچ ہی دیکھنے جا رہے ہیں ناں، باہر میدان میں؟'' اس کے اس طرح مسکراہٹ دبا کر سوال کرنے پر منیزہ کی جان جل گئی۔

''ہاں تو نائٹ سوٹ کے پاجامے میں چلے جائیں یہاں کون سی پارٹیاں ہوتی ہیں کہ کچھ تیاری کی حسرت نکلے۔ محترمہ...... آپ اس لیے اتنا اتراتی ہیں کہ اللہ نے آپ کو صورت اچھی دی ہے ذرا سی محنت اور نتیجہ زبردست۔'' منیزہ کا تبصرہ ہونا تو لازمی تھا ہی۔

میدان میں پہنچ کر عنبر کو صحیح معنوں میں اندازہ ہوا کہ اس نے آج منیزہ کی بات مان کر اور تھوڑا سا تیار ہو کر عقل مندی کی تھی۔ کراچی جیسے بڑے شہر میں اسکول میں ہونے والا کرکٹ میچ شاید کچھ نہ ہوتا ہو لیکن یہاں بہت کچھ تھا۔ اسے کرکٹ سے کبھی نوعمری میں بھی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ یہاں تو نہ ٹیموں کا پتا تھا نہ کھلاڑیوں کا، اوپر سے اسے گھسیٹ کر لانے والی منیزہ، لگتا تھا، اس کے ساتھ آئی ہی نہیں تھی۔ وہ دیگر خواتین کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی۔ لڑکوں کی اننگز کے اختتام پر لنچ کا وقفہ ہوا تو وہ موقع غنیمت جان کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کہاں بھئی؟'' نجانے کہاں سے اچانک نکل کر منیزہ نے اس کی طرف سینڈوچ بڑھاتے ہوئے کہا جو وہ مسز انصاری سے لے کر آئی تھی۔ اس طرح دوسروں کے کھانے میں حصہ بٹانا کم از کم اس کی طبیعت کو تو گوارہ نہیں تھا لیکن منیزہ کے نزدیک ''مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے'' کے مصداق عرصے بعد نصیب ہوئی نعمتیں جو اصرار کر کر کے کھلائی جا رہی تھیں سے منہ پھیرنا کفران نعمت نہیں تو اور کیا تھا۔

اس کے سینڈوچ بڑھاتے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے کرسی پیچھے دھکیل کر جانے کے لیے قدم بڑھائے لیکن منیزہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کے تقریباً گھسیٹ کر دوبارہ کرسی پر بٹھایا اور اس کے ہاتھ میں سینڈوچ پکڑا دیا۔

''کاش ہمیں بھی کوئی اس طرح زبردستی کھلانے والا ہوتا۔'' اس کے برابر کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کسی نے انتہائی حسرت بھرے لہجے میں کہا تو اس نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ یہ کون تھا؟

''تمہیں اصرار کی ضرورت کیا ہے علی نواز...... جتنا جی چاہے کھاؤ۔'' علی نواز سیکنڈری اسکول کی کیمسٹری لیب والا اب عنبر کو یاد آیا کہ وہ اسے پہلے کہاں ملا تھا۔ علی نے مسکرا کر پراٹھے کی پلیٹ تھامی۔

چپ چاپ بیٹھی عنبر پر اس نے ایک نظر ڈالی۔ خاموش، بردبار جیسے زمانے سے خفا خفا سی۔ سینڈوچ جوں کا توں اس کے ہاتھ میں تھا۔ سادہ سے کپڑے، وہ کہیں سے بھی اپنے اطراف کے ماحول کا حصہ نہیں لگ رہی تھی۔ علی نے اس کی بے چینی ایک نظر میں بھانپ لی اور اگلے کچھ لمحات میں مختصراً کچھ بات بنا کر عنبر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی، منیزہ کو باتوں میں پتا بھی نہیں چلا لیکن اس کے اڑتے ہوئے آسمانی آنچل کو سنبھالتے سبک ہاتھوں اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے دور جاتے وجود کو اچٹتی ہوئی غیر محسوس نظروں سے دیکھتے علی نواز نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

(جاری ہے)

URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

# دل دعا اور دسمبر

سمیرا غزل

بارش نے
جب سے مجھ کو پازیب پہنائی ہے
میں رقص میں ہوں
اور.....
اپنے پاؤں کی بدرنگی کو
دیکھ دیکھ کے بھول رہی ہوں
پر پھیلائے.....
بھیگے ہوئے جنگل میں
مسلسل ناچ رہی ہوں.....
ناچ رہی ہوں.....!

اس نے ایک نظر کھڑکی سے باہر گرتی بوندوں کو دیکھا اور کرب سے آنکھیں میچ لیں۔ کیا تھا جو خالد اس کی بات سن لیتا..... کیا تھا جو وہ اس پر ذرا سا بھروسہ کر لیتا، اس کی ساری محبتوں، خوشیوں اور زندگی کا مقصد ہی فقط ''خالد'' تھا مگر..... وہ شائستہ خالد بھلا کیا تھی اس کے لیے..... وہ سوچ کر رہ جاتی۔ نام کی بیوی یا پھر فقط اس گھر کی آیا جو سارا دن اس کا گھر سنبھالتی، جی جان سے بڑھ کر اس کے ماں باپ کی خدمت کرتی، خیال رکھتی اور وہ بے رخی بے گانگی اور خاموشی کا قفل اپنی ذات پہ لگائے اس کی جان اذیت میں ڈالے رکھتا۔

جیسے جیسے بارش تیز ہوتی جا رہی تھی، اس کا دکھ اس کی اذیت، اس کی تنہائی بڑھتی جا رہی تھی اور بارش بھی دسمبر کی تھی۔ دکھوں، غموں، شکووں اور شکایتوں کا موسم دسمبر..... یخ بستہ ہوائیں بھی شائستہ خالد کے اندر جلتی آگ کو ٹھنڈا نہ کر پائی تھیں بلکہ کسی شعلے کی مانند اس کے اندر کی آگ بھڑک رہی تھی اور ایک ایک کر کے سارے ظلم و ستم اس کی آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی مانند چلنے لگے تھے۔

❁.....❁.....❁

''یہ تو صرف میری بہو بنے گی، میرے خالد کی دلہن۔'' اس کی خالہ جب بھی آتیں محبت سے کہتیں اور شائستہ بچپن سے خالد..... خالد کی گردان سن کر اس کی بنتی چلی گئی۔ خالد کو یہ پسند ہے، خالد کو وہ پسند ہے' خالد کو دھیمی سلجھی ہوئی خاموش طبیعت لڑکیاں پسند ہیں۔ خالہ پیار سے سمجھاتیں اور وہ اپنی ساری شوخیاں شرارتیں سب بھول بیٹھی۔ اماں الگ، بہن پر جان چھڑکتی تھیں سو کبھی خالد کے رشتے کے بارے میں انکار کا نہ سوچا..... اماں ابا دونوں ہی راضی تھے۔ راضی نہ تھے تو فقط ''خالد میاں'' یہ حقیقت بھی شائستہ پر شادی کی اولین رات ہی آشکار ہوئی جب خالد میاں نے دلہن کا گھونگھٹ اٹھائے بغیر ہی اس کے سارے خواب چکنا چور کر دیے تھے۔

''میں کل بھی حیا سے محبت کرتا تھا اور آج بھی حیا سے محبت کرتا ہوں۔ تم اماں ابا کی پسند ہو ان کے ساتھ رہو، ان کا خیال رکھو اور مجھ سے کوئی امید نہ رکھنا۔ اگر تم سے شادی نہ کرتا تو میری ماں مر جاتی۔ ہاں اتنی ضرور التجا ہے کہ اماں کو میرے رویے کا نہ بتانا ورنہ وہ جیتے جی مر جائیں گی۔ ان کی زندگی کی خاطر ہی میں ان کی ضد کے آگے ہار مانی ہے۔'' شائستہ گھونگھٹ اٹھائے ہک دک رہ گئی تھی۔ اس کے معصوم خوابوں کی کرچیاں اس کی آنکھوں میں چبھنے لگی تھیں۔ کاجل سے لبریز آنکھوں میں محبت کے کھونے کا دکھ تھا۔ بس اس دن سے ہی شائستہ خالد نے اپنے لب سی لیے تھے۔

خالہ خالو خدمت گزار بہو پا کر خوش تھے تو اماں ابا بیٹی کا گھر بسنے پر خوش تھے اور وہ تھی کہ سارے دکھ اپنے دامن میں سمیٹے بنا کسی محرومی کا شکوہ کیے مسکراتی رہتی، چھ ماہ اس ادھورے رشتے کو نبھاتے گزر گئے اور اس چھ ماہ میں کوئی ایسا لمحہ نہ تھا جب اس نے خالد کی محبت کی دعا نہ مانگی ہو، مگر وہ ایک نگاہ غلط بھی اس پر ڈالنے کا روادار نہ تھا۔ سب کے سامنے ایسا کہ جیسے اس سے زیادہ محبت کرنے والا کوئی نہیں اور تنہائی میں ایسا جیسے اجنبی مسافر..... وہ اس دہری زندگی کو گزارتے گزارتے اب تھکنے لگی تھی اور ان



Digitized by Google

دنوں بس خالہ کی زبان پہ ایک ہی جملہ رہتا تھا۔

"میں دادی کب بنوں گی۔"

"اماں پوچھتیں، میں نانی کب بنوں گی؟" اور وہ اس ادھورے رشتے کے اس ادھورے پن اور کرب پہ آنکھیں بھینچ کر رہ جاتی تھی۔

❀....❀....❀

ساری رات خالد کی بے اعتنائیاں سوچتے ہوئے گزاری تھی نتیجتاً صبح وہ شدید سر درد اور بخار میں پھنک رہی تھی۔ چاہ کر بھی بستر سے اٹھ نہ پا رہی تھی۔ مجبوراً خالد کا کندھا ہلا کر اس نے اسے اٹھایا تھا۔ مبادا اسے آفس سے دیر نہ ہو جائے اور ایک اور الزام اس کے سر آ جائے۔ یوں بھی ہر بری چیز کی ذمہ دار وہی تھی جب کہ اللہ گواہ تھا کہ خالد کا رویہ لاکھ لاپرواہ سہی لیکن اس نے کبھی اپنے کسی فرض میں کوتاہی نہ کی تھی۔

"کیا مصیبت ہے یار..... تمہیں پتا ہے ناں میں آلارم لگا کر سوتا ہوں، خود اٹھ جاؤں گا۔" خالد نے ادھ کھلی آنکھوں سے جھنجلا کر اسے دیکھا، شدت بخار سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ پل بھر کو اسے بھی تشویش ہوئی مگر وہ منہ لپیٹ کر پڑا رہا۔

"خالد میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، آپ خالہ کو بتا دیں تا کہ وہ ابو اور آپ کے لیے ناشتہ بنا دیں۔" آخر کار اسے خود ہی کہنا پڑا۔

"خوب جانتا ہوں تم عورتوں کے ڈرامے، اب اس بڑھاپے میں میری اماں سے کام کرواؤ گی۔ اس لیے وہ اپنی بھانجی کو بہو بنا کر لائی تھیں ناں تا کہ وہ خود کام کریں اور بہو صاحبہ بستر پر لیٹی آرام فرمائیں۔" شائستہ کی تکلیف اس کے چہرے سے عیاں تھی لیکن وہ خالد ہی کیا جو اسے بخش دے۔ آخر اس کی خوشیوں کی دشمن وہی تو تھی اگر وہ نہ ہوتی تو آج اس کی محبت اس کے ساتھ ہوتی۔

"خالد..... آپ....." وہ بمشکل اتنا ہی کہہ پائی تھی۔ پھر مجبوراً اپنا دوپٹا سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ نقاہت اس کے چہرے سے واضح تھی۔ چہرے پر خفگی صاف نمایاں تھی۔ گورا رنگ، لمبی ستواں ناک، لمبے بکھرے بال، اس کے رتجگوں کے گواہ تھے۔ پہلی بار خالد نے اسے اتنے غور سے دیکھا تھا اور دیکھتا رہ گیا تھا۔

"آخر یہ ہار کیوں نہیں مانتی، یہ چلی کیوں نہیں جاتی مجھے چھوڑ کے اور کتنا برا کروں اس کے ساتھ....." وہ محض سوچ کر ہی رہ جاتا تھا۔

❀....❀....❀

وہ کپڑے تہہ کر کے الماری میں رکھ رہی تھی۔ جب ہی خالد کا موبائل تواتر سے بجنے لگا تھا۔ اس نے کپڑے ایک طرف رکھ کر اسکرین دیکھی "حیا جان" کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ اس نے کلس کر موبائل سائیڈ میں رکھ دیا تھا۔ جب ہی خالد بال تولیے سے رگڑتا ہوا واش روم سے نکلا، موبائل پٹخنے والا منظر اس نے بخوبی دیکھ لیا تھا۔

"تو موصوفہ جلتی بھی ہیں..... ہونہہ، اوقات ہی کیا ہے بھلا جلنے کی' اچھا ہے جلے، شاید جل جل کے ہی

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

یہاں سے چلی جائے۔ اماں بھی مان جائیں گی، اگر یہ خود یہاں سے چلی جائے گی تو۔" دل ہی دل میں سوچتے ہوئے اس نے جان بوجھ کے بڑی ہی دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ کال ریسیور کی تھی۔

"جی میری جان..... تم فکر نہ کرو، بہت جلد اس ادھورے رشتے کا بھی قصہ تمام کرتا ہوں۔ بس تم کچھ دن اپنے پیرنٹس کو سمجھا لو پلیز..... ہماری خاطر۔" دوسری جانب سے پتا نہیں کیا کہا گیا تھا مگر خالد کے الفاظ اس کی دنیا ہلا گئے تھے۔ وہ اسے پسند نہیں تھی نہ سہی لیکن وہ اسے کبھی چھوڑ دے گا یہ اس نے کبھی نہ سوچا تھا۔ وہ تو سوچتی تھی کہ ایک نہ ایک دن خالد اس کی محبت کے آگے ہار ضرور جائے گا۔ وہ گرتے گرتے بچی تھی۔ اس کے ہاتھ میں موجود کپڑے زمین بوس ہو گئے تھے۔

"ارے سنبھل کے شائستہ..... یہ تو ہونا ہی ہے آج یا کل۔" وہ اتنا کہہ کر دروازہ زور سے بند کرتا ہوا چلا گیا تھا اور وہ اس سے جدا ہونے کے خیال سے ہی تڑپ گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

جب سے اس نے خالد کی باتیں سنی تھیں، وہ مزید بجھ کے رہ گئی تھی۔ نہ خود پہ توجہ دیتی نہ گھر پہ توجہ دیتی، کبھی سالن خراب کر دیتی تو کبھی چولہا جلا کے بھول جاتی۔ خالد خود پل بھر کو اسے دیکھ کے رہ جاتا تھا۔ اس کی ماں نے اس لڑکی کو پسند کیا تھا۔ پل بھر کو اسے ملال نے آن گھیرا تھا لیکن پھر اس نے اپنے تمام خیالوں کو جھٹک کر حیا کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اس کے سامنے بیٹھی پیاز کاٹ رہی تھی، جب سی کی آواز نے اسے دوبارہ شائستہ کو دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"دھیان کہاں رہتا ہے آج کل تمہارا دیکھو کتنا خون بہہ رہا ہے۔" پیاز کے بجائے موصوفہ اپنی انگلی پہ چھری چلا بیٹھی تھیں خالہ بھاگی ہوئی آئی تھیں اماں کے سامنے مجبوراً خالد کو بھی اٹھنا پڑا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا ہے خالہ ہلکا سا کٹ لگ گیا ہے بس۔" وہ بہتے خون کی پرواہ کیے بنا مزید پیاز کاٹنے میں سرگرداں تھی۔ مجبوراً خالد نے اس سے چھری لے کے پھینکی اور فرسٹ ایڈ بکس لا کر اس کی پٹی کی۔ ایک لمحے کو خالد کے دل میں اس کے لیے فکر جاگی تھی مگر ہر خیال جھٹک کے اس نے پھر اس فکر کو کہیں کونے میں دبا دیا تھا۔

❁.....❁.....❁

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب سسکیوں کی آواز نے خالد کو آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے کروٹ بدل کے دیکھا، شائستہ بیڈ پر نہیں تھی، اس نے ادھر اُدھر دیکھا تو وہ جاءنماز پر سجدہ ریز گڑگڑاتے ہوئے اس کی محبت، اس کا ساتھ مانگ رہی تھی۔

"یا اللہ..... تو انہیں میرا کر دے، اگر میرا نہ بھی کرے تو ان سے میرا نام نہ چھین، یہ تیری رضا ہے جو آج میں ان کے نکاح میں ہوں، تو بس مجھ سے ان کا نام نہ چھین یا میرے مولا مجھ پر رحم کر۔" وہ گڑگڑا رہی تھی، کیا الفاظ اور پکار تھی وہ بک دک رہ گیا تھا۔ اس قدر محبت کرتی تھی وہ اس سے اور وہ..... نہیں میں اس سے محبت نہیں کرتا، اس نے تھپک کے اپنے جذبات کو وہیں سلا دیا تھا مگر کچھ تو تھا جو وہ صبح تک سو نہیں پایا تھا۔ بار بار اس کا روتا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے آ جاتا تھا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" صبح شائستہ نے اس سے پوچھا، اس کا انداز ہی ایسا تھا کہ وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"تم سے مطلب..... جیوں یا مروں بلکہ جیتے جی مار ہی تو دیا ہے تم نے مجھے۔ تمہاری صرف تمہاری وجہ سے میں حیا کو روز ٹالے جا رہا ہوں۔ چلی جاؤ، یہاں سے، میری زندگی کو مزید جہنم مت بناؤ۔" وہ شدید غم و غصے کا اظہار کر رہا تھا۔ آنکھوں سے انگارے نکل رہے تھے۔ شائستہ سہم کے پیچھے ہٹی تھی۔

"کیا تھا جو نرمی سے جواب دے دیتے۔ طبیعت ہی تو پوچھی تھی۔" وہ کہہ نہ سکی سوچ کے ہی رہ گئی۔ خالد چائے

URDU TUBE
A ZONE OF ENTERTAINMENT
.com



Digitized by Google

کا کپ میز پر زور سے پٹختا ہوا باہر نکل گیا تھا، مگر قسمت۔ قسمت آج کچھ اور ہی طے کیے بیٹھی تھی یہ ان کی بدقسمتی تھی یا خوش قسمتی کہ خالد کی اماں نے ان کی ساری باتیں سن لی تھیں اور ایک لمحہ لگا تھا انہیں ساری صورت حال سمجھنے میں۔

''شائستہ میری بچی، میں تجھ سے بہت شرمندہ ہوں، میں سمجھتی تھی کہ وہ تجھ سے شادی کے بعد اس لڑکی کو بھول جائے گا، اس نے خود کئی بار مجھ سے کہا تھا کہ وہ اس لڑکی سے پیار کرتا ہے، لیکن یہ میری ہی ضد تھی کہ تجھے اپنی بہو بناؤں، میری بچی آج میں تجھ سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہی۔''

''خالہ پلیز ایسے نہ کہیں..... میں جانتی ہوں آپ کا ارادہ غلط نہیں تھا۔ آپ کو وہ لڑکی اپنے بیٹے کے لیے ٹھیک لگی ہی نہیں ہوگی۔'' شائستہ نے بڑی مشکل سے روتی ہوئی خالہ کو سنبھالا تھا۔ دل میں ایک موہوم سی امید جاگی تھی کہ شاید اب خالہ ہی اس رشتے کو بچالیں۔

''چلو اٹھو تیار ہو جاؤ جلدی سے ہمیں کہیں جانا ہے۔'' خالہ کا انداز عجلت بھرا تھا۔

''کہاں جانا ہے خالہ..... ہم کہاں جائیں گے اتنی صبح؟'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''تمہارے گھر اور کہاں۔ بیٹا اگر قریب رہ کر وہ تمہارا نہیں ہوا تو پھر تمہیں اس سے دور جا کے دیکھنا چاہیے۔ بس میں نے فیصلہ کرلیا ہے اب میں تمہیں مزید روتے کلستے نہیں دیکھ سکتی۔ تمہیں یہاں سے جانا ہوگا۔ تمہارے بھائی کی شادی ہے ناں اسی مہینے، کسی کو شک بھی نہیں ہوگا۔'' خالہ تو کچھ اور ہی طے کیے بیٹھی تھیں۔

''مگر خالہ میں ان کے بغیر یوں.....'' الفاظ اٹک سے گئے تھے۔ خالہ نے اس کی ایک نہ سنی۔ خود اس کا سامان پیک کر کے بہن کے پاس چھوڑ آئی تھیں، شائستہ الگ پریشان ہو کر رہ گئی تھی۔ وسوسے تھے کہ جان ہی نہیں چھوڑ رہے تھے۔ آگے کیا ہونے والا تھا یہ سوچ کر وہ کانپ کے رہ جاتی تھی۔

❁.....❁.....❁

نجانے کیا بات تھی جو آج رہ رہ کے اسے اپنے رویے کی سختی کا احساس ہو رہا تھا۔ شائستہ کا چہرہ اس کی آنکھوں میں آبسا تھا۔ نہ ہی وہ آفس کا کوئی کام کر پا رہا تھا۔ سو جلدی چھٹی لے کر گھر آ گیا۔ گھر آیا تو نقشہ ہی دوسرا تھا۔ سارا گھر بے ترتیب پڑا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سالوں سے صفائی نہ ہوئی ہو۔

''شائستہ..... شائستہ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے گھر کی۔'' وہ شائستہ کو مسلسل آوازیں دے رہا تھا مگر جواب ندارد۔ آج گھر آتے ہی اسے ٹھنڈا پانی ملا تھا نہ چائے، تھکن سے اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ اٹھنے کی ہمت تھی نہیں جو جا کے کمرے سے شائستہ کو بلا لاتا سو صوفے پر ہی ڈھے گیا تھا۔

''کیسے آوازیں دے رہے ہو، خالد شائستہ نہیں ہے گھر پہ، وہ جا چکی ہے، یہاں سے ہمیشہ کے لیے۔'' اماں غالباً نماز پڑھ رہی تھی، دعا مانگ کے وہ اس کے پاس آئی تھیں۔

''کیا مطلب.....!'' وہ حیران ہوا تھا یا پھر خوش اماں سمجھ نہ سکیں۔

''اتنا حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں خود چھوڑ کر آئی ہوں اسے اس کے گھر، تم نے اول دن سے جو اس کے ساتھ سلوک روا رکھا ہے ناں مجھے سب پتا چل گیا ہے۔ اس بے حیا لڑکی کی خاطر تم اپنی بیوی کے ساتھ کیا کر رہے ہو تم نے تو مجھے میری ہی نظروں میں مجرم بنا دیا ہے بیٹا، اب کبھی نہ مجھے ماں بلانا نہ بات کرنا میری بلا سے تم جس سے مرضی شادی کرو۔'' اماں کہہ کے چلی گئی تھیں اور وہ ہک دک رہ گیا تھا۔ اس نے کب سوچا تھا کہ اس کی سچائی ماں کے سامنے آجائے گی اور شائستہ یوں چلی جائے گی یہ اچھی خبر ہے یا بری وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ دل الگ گواہی دے رہا تھا اور دماغ الگ۔

❁.....❁.....❁

اسے آج یہاں آئے تیسرا دن تھا۔ اگلے ہفتے اس



Digitized by Google

کے بھائی کی شادی تھی اور ابھی تک خالہ نے اس سے رابطہ نہیں کیا تھا اور خالد سے تو اسے امید ہی نہ تھی کہ وہ کبھی اس سے رابطہ کرے گا۔

''کیا ہوا آپی میں دیکھ رہا ہوں آپ جب سے آئی ہیں، پریشان ہیں۔ کوئی بات ہے کیا؟'' اس کے بھائی مزمل نے اسے اداس دیکھ کر پوچھا تھا۔

''نہیں بھائی..... کچھ نہیں، تم سناؤ تم خوش ہو ناں اپنی شادی سے؟'' وہ دل کا غم چھپائے ذرا سا مسکرائی۔

''میری چھوڑیں، اپنا بتائیں۔ تین دن ہو گئے ایک دفعہ بھی خالد بھائی نہیں آئے کیوں؟'' وہ پوچھ رہا تھا اور اس کے پاس جواب نہیں تھا۔ جس سے اسے مطمئن کر پاتی۔

''ارے کیا ہو گیا ہے تمہیں آفس میں اتنا کام ہوتا ہے ٹائم نہیں ملتا، گھر بھی اتنا لیٹ آتے ہیں اسی لیے نہیں آئے۔ تمہاری شادی پہ ضرور آئیں گے۔'' اس نے خود کو تسلی دی تھی یا اسے، وہ خود نہیں جان پائی تھی۔

''آپی..... آپ اتنی بے وقوف نہ بنیں۔ وہ آفس میں نہیں کسی حیا نامی لڑکی کے ساتھ گھومنے میں مصروف ہوتے ہیں۔ آپ دیکھ لیجیے گا نہ تو میں اس لڑکی کو چھوڑوں گا نہ خالد صاحب کو۔'' وہ سب جانتا تھا۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔ شائستہ سہم کے رہ گئی۔

''مزمل..... بات سنو میری، امی سے کچھ نہیں کہنا۔'' اسے فوراً امی کا خیال آیا تھا جو دل کی مریضہ تھیں۔

''ارے آپی..... امی تو کیا آپ دیکھیں میں خالد صاحب کو پورے خاندان میں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑوں گا۔'' مزمل کا ارادہ اٹل تھا وہ کہہ کے چلا گیا تھا اور وہ محض دیکھ کے رہ گئی تھی۔ شاید یہی ہونا طے تھا۔

❁.....❁.....❁

''ہاہاہا..... خالد مصطفیٰ..... اب آیا نہ اونٹ پہاڑ کے نیچے زبردست اب مزا آئے گا۔ آخر کر دیا ناں برباد تمہیں۔'' جانی پہچانی آواز کا بڑا ہی جاندار قہقہہ فضا میں گونجا تھا۔ خالد مصطفیٰ جو شائستہ کے گھر پر نہ ہونے کی وجہ سے لنچ کے لیے ریسٹورنٹ آیا تھا، حیا کو وہاں کسی اجنبی لڑکے کے ساتھ بیٹھا دیکھ کے دنگ رہ گیا تھا۔ پشت کر کے وہ پیچھے والی سیٹ پر ہی بیٹھ گیا تھا۔

''تو آخر تمہارا مقصد پورا ہو گیا۔'' میری زندگی حیا کے ساتھ بیٹھے لڑکے نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

اس کا جی تو چاہا جا کے اس لڑکی کا گلا دبا دے جس کی محبت میں اس نے اپنی ماں کو کھو دیا تھا۔

''اس کے اعمال ہی ایسے ہیں کہ خود اس کی بیوی گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ بتاؤ ذرا، پہلے مجھے جھوٹی محبت کے، شادی کے دلاسے دیتا رہا، پھر مجھے چھوڑ کے ماں باپ کی پسند سے شادی کر لی اور جب بیوی گھر آ گئی تو چھپ چھپ کے باہر عشق لڑاتا رہا۔ میں نے بھی سوچ لیا تھا اس کو آخر وقت تک بے وقوف بنا کے چھوڑوں گی۔ جب اس کے ہاتھ میں کچھ نہ رہے گا، بے چارا نہ گھر کا رہا نہ گھاٹ کا۔ اس کو کیا پتا کہ میری منگنی تو جب ہی تم سے ہو گئی تھی جب اس نے مجھے چھوڑا تھا، حیا کو لڑکوں کی کمی نہیں، تم بہت اچھے ہو جو اس فراڈ کو پاگل بنانے میں میرا ساتھ دیا اور اس کے ٹھکرانے کے بعد بھی مجھے اپنایا۔'' یہ وہی حیا تھی جس کا لہجہ خالد کے لیے محبت سے چور ہوتا تھا۔ حیا کی باتیں سننے کے بعد خالد میں ہمت ہی نہ تھی کہ وہ اس کا سامنا کرتا۔ اگر وہ اسے دھوکا دے رہی تھی تو اس نے خود بھی تو اسے دھوکا ہی دیا تھا۔ وہ چپ چاپ ہوٹل سے باہر چلا آیا تھا۔ کانوں میں بس اس کے الفاظ گونج رہے تھے۔ ''نہ گھر کا رہا نہ گھاٹ کا'' مارے شرمندگی کے اس کا سر جھک گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

''موصوف ساری رات سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے رہے ہیں۔ ان کی محبوبہ کو تو کوئی اور ہی لے اڑا۔'' مزمل نے بریکنگ نیوز شائستہ کو دی۔

''تمہیں کیسے پتا یہ سب، تم کیا جاسوسی کرتے ہو اس کی۔'' وہ اس کا شوہر تھا، وہ جانتی تھی کہ اللہ نے ہی اسے اس کے نصیب میں لکھا ہے۔



Digitized by Google

"بس ایسا ہی سمجھ لو اور اب مطلع صاف ہوگیا ہے کالے بادل چھٹ چکے ہیں، سنہری دھوپ نکل چکی ہے۔" مزمل کا انداز شاعرانہ تھا۔

"آخر بتاؤ گے کھل کے یا مسخرہ پن کرتے رہو گے۔" شائستہ نے اس کے ایک چپت لگائی۔

"سچ سننا ہے تو سنو لڑکی..... حیا میری دوست اور باس ہے۔ میں اسی کے آفس میں کام کرتا ہوں۔ جب میں نے اسے تمہاری اور خالد بھائی کی شادی کی تصویر دکھائی تو اس نے مجھے کھل کر ساری حقیقت بتادی اور یہ بھی بتادیا کہ وہ اب بھی اس کے پیچھے پاگل ہے۔ وہ تو اچھا ہوا کہ خالد بھائی کو حیا کی منگنی کی بات معلوم نہ تھی سو میں نے پلان بنایا کہ وہ خالد بھائی کو بے وقوف بنائے، ان سے باتیں کرے اور آج اسی پلان کا کلائمکس تھا..... مائی ڈیئر سسٹر، خالد بھائی کو سچ پتا چل گیا۔ اب وہ حیا سے نفرت کریں گے، اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ ساری زندگی سراب کے پیچھے بھاگتے رہتے۔ بس اب شاید انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہوجائے۔" مزمل اتنا کچھ جانتا تھا اتنا کچھ کررہا تھا شائستہ، بھائی کی محبت پر حیران رہ گئی۔

"حیران نہ ہو مسکرادو، اپنی شادی پر حیا اور اس کے منگیتر سے بھی ملواؤں گا۔ میرے بعد حیا کی ہی شادی ہے۔ بس تم خالد بھائی کو معاف کردینا۔ بے چارے جیسے بھی ہیں کم سے کم خالہ کے کہنے پر ہی تم جیسی چڑیل کو اپنالیا۔" مزمل ہنستا چلا گیا اور شائستہ سوچ کے رہ گئی تھی کہ کیا واقعی وہ خالد کو معاف کرپائے گی۔

❁.....❁.....❁

ستواں ناک میں ہیرے جیسی لونگ لشکارے مار رہی تھی تو ماتھے پر بندیا جگمگا رہی تھی۔ پیلے غرارے میں سجی سنوری شائستہ خود کسی دلہن سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ آج مزمل کی مایوں تھی وہ دل کھول کے تیار ہوئی تھی۔ گورے ہاتھ حنا کی خوشبو سے مہک رہے تھے۔ وہ جانتی تھی وہ شرمندہ سا اس کے پاس لوٹ آئے گا اور وہی ہوا خالہ اور خالد آئے تھے۔

"جیتی رہ میری بچی..... میں کہتی تھی ناں تو صرف میرے خالد کی دلہن ہے۔ تیرا صبر رائیگاں نہیں گیا۔ میری بچی وہ لڑکی خود اس کی زندگی سے چلی گئی ہے۔ خالہ نے اس کو آتے ہی گلے لگایا تھا۔ خالہ کو دیکھ کے وہ خفگی سے دور چلی گئی تھی۔

"جانتا ہوں، گناہ گار ہوں، تمہارا حق مارا ہے، بہک گیا تھا یار..... کیا کرتا، کالج سے پیار کرتا تھا حیا سے اپنی بزدلی کے سبب میں نے اس کے ساتھ بھی دھوکا کیا اور تمہارے ساتھ بھی برا کیا۔ یار پلیز اب معاف کردو۔" وہ شرمندہ سا بیٹھا تھا۔

"معاف کردوں؟ کیا اتنا آسان ہے بھولنا۔" شائستہ کی آواز بھیگ ہوئی تھی۔

"میں جانتا ہوں آسان نہیں ایک کوشش تو کرسکتی ہو ناں معاف کرنے کی اور مجھے میری غلطی سدھارنے کا ایک موقع دینے کی، تم نہیں جانتیں میں جب بھی تمہارے ساتھ برا سلوک کرتا تھا تو پوری رات سو نہیں پاتا تھا، میرے دل کے کسی کونے میں تمہاری پروا اور فکر رہتی تھی، تمہارے جانے کے بعد پاگل ہوگیا تھا۔ اگر حیا میرے ساتھ ہوتی یقین کرو تب بھی میں تمہیں کبھی نہ چھوڑتا۔"

"کیسے بھروسا کروں؟" شائستہ نے منہ پھیرا۔

"جان دے دوں کیا؟" خالد اس کے قریب آکر گویا ہوا۔

"خبردار جو آئندہ ایسی فالتو باتیں کیں تو۔" شائستہ نے خالد کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور خالد نے اسے اپنی بانہوں میں بھرلیا تھا۔ دسمبر کی یہ آخری رات ان دونوں کے لیے ملن کی گھڑی لے کر آئی تھی۔ آخر شائستہ کے دل نے اپنی ساس کی دعاؤں سے اس دسمبر کی جدائی کو مات دے کر محبت کو ہمیشہ کے لیے اپنے نام کرلیا تھا۔

❁



Digitized by Google

# تم جیو ہزاروں سال

سلمیٰ فہیم گل

"ارے...... یہ کیا کررہی ہو......؟ یہ واز یہاں کیوں رکھ رہی ہو؟ جگہ کے انتخاب اور رکھنے کے انداز سے ہی پھوہڑ پن چھلک رہا ہے۔ ڈرائنگ روم کی ساری سیٹنگ کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ یہ دیکھو یہی واز اس کارنر میں کیسی ڈرائنگ روم کی شان بڑھا رہا ہے۔" میری بڑی نند نے میری نئی نویلی دیورانی سے واز لے کر ڈرائنگ روم کی سیٹنگ کی مناسبت سے واز کارنر میں رکھتے ہوئے دادطلب نظروں سے دیورانی کی جانب دیکھا۔

جواباً میری دیورانی (عالیہ) نے پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے شرمندگی سے نظریں جھکا دیں تھیں...... میں جانتی تھی اس پل اس کی آنکھوں میں آنسو ہلکورے لے رہے ہوں گے۔

"برا نا ماننا عالیہ، بڑی بھابی کے ساتھ رہ کر ذرا سی بدسلیقگی دیکھتی ہوں تو بولے بنا رہا نہیں جاتا...... حالانکہ میں جانتی ہوں نکتہ چینی کرنا کتنی بری بات ہے......مگر کیا کروں رہا نہیں جاتا...... یہ بھی جانتی ہوں کہ نند بھاوج کے بارے میں کتنا کچھ مشہور ہے پر پھر بھی تم برا نہ ماننا، میری تو عادت ہوگئی ہے ہر کسی کو سلیقہ سکھانے کی۔" تب ہی میری بڑی نند (شافعہ) اس کی شرمندگی کو نوٹ کرتے ہوئے اس کے قریب چلی آئی اور پیار سے گلے لگاتے ہوئے وضاحت دی۔

"ہائے مگر کیا کیجیے کہ نند اور بھاوج میں کتنا ہی پیار کیوں نہ ہو...... بات تنقید برائے تنقید کی ہو یا تنقید برائے اصلاح کی بری لگ ہی جاتی ہے۔"

"ہاں عالیہ...... اس کی بات کا برا نہ ماننا...... یہ نند ضرور ہے مگر بہنوں جیسی ہے۔ اگر یہ کسی بات پر ٹوکتی ہے تو اس کا مقصد ہماری اصلاح ہوتی ہے۔ دکھی کرنا نہیں، پوزیٹو سوچو گی تو پوزیٹو ہی ہوگا۔" اس گھر کی بڑی اب میں ہی تھی ساس، سسر تو گزر چکے تھے۔ اس لیے سب کو جوڑ کر رکھنا، ہر کسی کا خیال رکھنا اور سمجھانا میرا فرض تھا، اور اللہ کا شکر ہے کہ میں اس میں کامیاب تھی۔ تب ہی تو ہمارا گھر خوشیوں کا گہوارہ تھا سب مل کر رہتے تھے۔

"جی بھابی...... مجھے برا نہیں لگا۔" اس نے کہا تو تھا مگر میں جانتی تھی اسے برا ضرور لگا ہے۔ میں مسکراتے ہوئے اس کے قریب چلی آئی اور پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا۔ شافعہ بھی ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

"میں جانتی ہوں بیٹا جب کوئی لڑکی اپنا گھر چھوڑ کر آتی ہے تو ہر قدم پر اسے میکے کی یاد آتی ہے، ایسے میں کسی کی روک ٹوک پلکوں پر آنسو لے آتی ہے...... مگر بیٹا یہ تو ازل سے ہوتا آرہا ہے۔ لڑکی کا اصل گھر سسرال ہوتا ہے اور سسرال میں ایڈجسٹ ہونے کے لیے بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارا سسرال ٹیپکل سسرال نہیں ہے۔ یہاں ساس تھی تو ماں جیسی، سسر تھے تو باپ جیسے، دیور جیٹھ ہیں تو بھائیوں جیسے، نندیں ہیں تو بہنوں جیسی...... نندوں جیسی نہیں۔ اگر تمہیں شافعہ نے ٹوکا ہے تو سمجھو بڑی آپا نے پیار بھری دھونس جمائی ہے نا کہ نند نے اپنا ازلی رعب جھاڑا ہے۔"

میرے سمجھانے پر اس کی آنکھوں میں بے ساختہ آنسو در آئے تھے اس نے چند پل ڈبڈبائی آنکھوں سے میری جانب دیکھا اور ساتھ ہی آگے بڑھ کر میرے گلے لگ گئی۔

"آج مجھے لگا میں سسرال میں نہیں اپنے میکے میں بیٹھی ہوں۔ تھینک یو بھابی تھینک یو سو مچ۔"

"سسرال بھی اپنا ہی گھر ہوتا ہے بیٹا اگر سمجھا

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

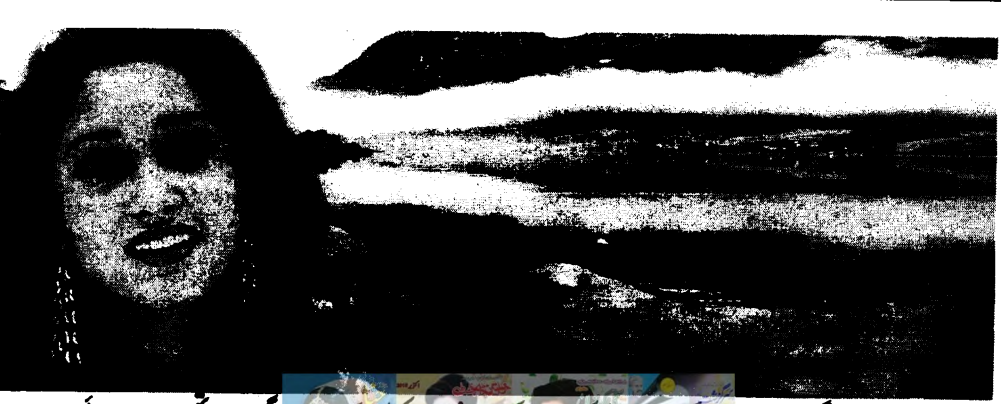

جائے' لوگوں نے جانے کیوں سسرال کو ہوا بنا رکھا ہے' یہ بھی وہی رشتے ہوتے ہیں جنہیں ہم اپنے میکے میں چھوڑ کر آتے ہیں۔ فرق اور دراڑ تب پڑتی ہے جب ہم اپنے شوہر کی ماں کی بات کو ساس کی نکتہ چینی اور شوہر کی بہنوں کی اصلاح کو پھڈے بازی کا نام دینے لگتے ہیں۔ اگر تم نے ہمیں میکے والا اور اس گھر کو میکہ سمجھا تو یہ تمہارا میکہ ہی ہے۔'' میں نے اس کے بال سنوارتے ہوئے مسکراتے ہوئے گویا دلاسا دیا۔

''ٹھیک کہتے ہیں سب کہ آپ بہت اچھی ہیں۔ ہر فن مولا' سلیقہ مند' سلیقہ شعار' ہر کسی کے دل پر راج کرتی ہیں آپ..... کبھی میں نے آپ کے بارے میں کسی کے منہ سے کوئی غلط بات نہیں سنی' سگھڑاپا آپ کے انگ انگ سے جھلکتا ہے..... زندگی کے گویا ہر راز کو پالیا آپ نے' آپ اتنی اچھی' اتنی سگھڑ' اتنی سلیقہ مند کیسے ہیں؟ آخر ایسا کیا راز ہے کہ ہر شخص آپ کے گن گاتا ہے۔ مجھے بھی تو بتائیں شاید مجھ میں بھی کوئی تبدیلی آجائے۔'' اس کی بات پر میں عاجزانہ سی ہنس دی۔

''مجھے اپنا پرانا دور یاد آگیا۔ وہ دور جب میں بہت' بہت زیادہ پھوہڑ ہوا کرتی تھی۔'' اس کی بات مجھے ماضی کے گم گشتہ گلیوں میں لے گئی تھی۔

❁.....❁.....❁

یہ اس وقت کی بات ہے جب میں یعنی (نغمانہ اختر) اسکول کے دور سے گزر رہی تھی۔ میں انتہائی درجے کی پھوہڑ' بدتمیز' بدسلیقہ اور بے ادب تھی' اماں سمیت ہر کوئی مجھ سے نالاں رہتا تھا..... مجھ سے چھوٹی میری بہنیں ہر کام میں آگے آگے ہوا کرتی تھیں مگر میں اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ ہر دوسرا بندہ مجھے سمجھاتا مگر میرے کانوں پہ جوں تک نہ رینگتی تھی۔ اماں الگ صلواتیں سناتی رہتی تھیں' جبکہ میں سن کے بھی ان سنی کردیتی تھی۔

میں ساتویں کلاس میں تھی جب میرے چاچو کی شادی ہوئی' میری چچی تھی تو ہماری رشتے دار مگر ملنا جلنا کبھی کبھار ہوا کرتا تھا۔ جب وہ شادی ہو کر ہمارے گھر آئیں تو میں ان سے بہت جھجکتی تھی..... مگر وہ مجھے ہر معاملے میں اپنے ساتھ گھسیٹتی تھیں..... وہ جانتی تھیں کہ میں کتنی بدتمیز اور پھوہڑ ہوں اس کے باوجود وہ مجھ میں دلچسپی لیتی تھیں۔

عجیب سی بات ہے ناں کہ ہر دوسرا بندہ مجھے ٹوکتا تھا..... نغمانہ یہ کرو' نغمانہ وہ کرو' مگر انہوں نے مجھے کبھی کچھ نہ کہا تھا۔

پھر ایک روز وہ میرے لیے میری برتھ ڈے کا گفٹ لائیں' بقول ان کے ''اسپیشل گفٹ'' میں بہت خوش ہوئی۔ مجھے تحفے لینا اور تحفے دینا بہت پسند تھا۔ انہوں نے جب مجھے گفٹ دیا' مجھے بہت اچھا لگا' ان کا دیا گیا گفٹ لے کر میں خوشی خوشی اپنے کمرے میں چلی آئی اور آرام سے بیٹھ کر گفٹ کا خوب صورت



Digitized by Google

ریپر بے دردی سے پھاڑ ڈالا...... مگر...... گفٹ دیکھ کر میرا سارا جوش وخروش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

یہ کیا؟ رنگین سرورق اور اس پہ جگمگاتا آنچل...... کا نام انہوں نے مجھے ماہنامہ آنچل گفٹ کیا تھا۔

''اوگاڈ...... اتنا بور تحفہ...... یہ میرے کس کام کا ہنہ......'' مجھے ڈائجسٹ وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لیے میں نے بے دلی سے اسے ایک طرف رکھ دیا۔ کافی دن ایسے ہی گزر گئے' میں اسے رکھ کر گویا بھول ہی گئی تھی۔

ایک روز ایسے ہی بے خیالی میں میری نظر سائیڈ ٹیبل پر رکھے اس شمارے پر گئی پہلے تو میں نے برا سا منہ بنایا پھر بے دلی سے اٹھالیا' ٹائٹل کو دیکھتے ہوئے ذرا سی دلچسپی پیدا ہوئی' ماڈل کے میک اپ' جیولری اور ڈریس وغیرہ نے میری توجہ بالآخر اپنی جانب کھینچ ہی لی تھی۔ پہلے تو میں نے ٹائٹل کو جی بھر کر دیکھا تھا' پھر آہستہ آہستہ صفحے پلٹنے شروع کیے اور یوں میرا تعلق ماہنامہ آنچل سے جڑ گیا تھا۔ شروع شروع میں میں نے مستقل سلسلے پڑھنا شروع کیے اور پھر افسانوں اور ناولز کی طرف بڑھتی گئی اور رفتہ رفتہ یہ لت ایسی پڑی کہ آج تک برقرار ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ والدین ہی تربیت کرتے ہیں' خصوصاً ماں کا رول اس سلسلے میں زیادہ اہم ہوتا ہے' میری ماں نے مجھے ہر طرح سے سدھارنے کی کوشش کی تھی مگر میری بدقسمتی کہ میں ان کا بھی لحاظ نہیں کرتی تھی۔ مگر جو کچھ میری ماں مجھ میں منتقل نہ کرسکی وہ ''ماہنامہ آنچل'' نے کردیا...... مجھے پھوہڑ سے سلیقہ مند بنادیا' میں جو کسی کا لحاظ تک نہیں کرتی تھی۔

مجھے فرماں بردار بنادیا تھا۔

''یہ جو آج لوگ میری مثالیں دیتے ہیں یہ اسی خوب صورت رنگوں سے بھرے ماہنامہ کی مرہون منت ہے اور اس سلسلے میں اس کی ہم جولی حجاب نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔''

''ایک دفعہ میری ایک ہمسائی نے مجھ سے کہا کہ یہ کیا تم ہر وقت ڈائجسٹ پڑھتی رہتی ہو' اتنی فضولیات لکھی ہوتی ہیں ان میں' یہ پرچے تم جیسی ٹین ایجر لڑکیوں کو بے راہ روی کا شکار کرتے ہیں۔ لوگوں کی عزتیں داؤ پر لگا دیتے ہیں یہ فضول تھرڈ کلاس ڈائجسٹ...... لڑکیوں کو لڑکوں کی جانب راغب کرنے کے طرح طرح کے طریقے' جنہیں پڑھ کر لڑکیوں کی آنکھوں سے گویا شرم ہی ناپید ہوجاتی ہے۔ کہیں لڑکیوں کو گھر سے بھاگنے کی ترغیب دے کر گھر کے گھر اجاڑ دیے۔ ہیروئن کی بہادری دکھا کر بڑوں سے بدتمیزی کی انتہا پر پہنچا دیتے ہیں' یہ ڈائجسٹ...... اور نہیں......''

''ایک منٹ آپا۔'' ان کا بے دریغ اور بے رحمانہ تبصرہ مجھے بالکل ہضم نہیں ہوا تھا' تب ہی میں نے انہیں ٹوک دیا۔ ''کبھی آپ نے اس ڈائجسٹ یا کسی اور پرچے کا مطالعہ کیا ہے؟'' میں نے بڑے صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''آں...... ہاں...... مجھے کیا ضرورت ہے...... میں ایسی فضولیات نہیں پڑھتی۔'' میری بات پر انہوں نے کسی قدر ناگواری سے استفسار کیا تھا۔

''تو پھر آپ اس کے بارے میں ایسی باتیں کیسے کرسکتی ہیں' جبکہ آپ نے کبھی اس کا مطالعہ ہی نہیں کیا۔''

''مجھے کیا پتا' بھئی' میری ایک دوست بتا رہی تھی۔'' انہوں نے گویا ناک پر سے مکھی اڑائی تھی۔

''ایک بات کہوں آپا' ضروری نہیں کوئی کچھ بھی کہے وہی سہی ہو' شعور وعقل تو ہر کسی میں ہوتی ہے ناں' ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں' منفی ومثبت۔ فرض کریں آپ کے سامنے دو راستے ہیں' اپنی منزل تک پہنچنے کے' ایک راستہ بے راہ روی کا شکار کرسکتا ہے اور دوسرا راستہ سیدھا اور صاف' بنا الجھے آپ کو منزل پر

URDU TUBE
www.urdutubes.com



Digitized by Google

پہنچا دے گا' تو یقیناً آپ دوسرا راستہ ہی چنیں گی؟ آپ ڈائجسٹ کی بات کررہی ہیں' بچپن سے جانتی ہیں ناں مجھے' پہلے کیسی تھی میں' اور اب کیسی ہوں؟ اچھی طرح جانتی ہیں آپ۔ مجھ میں جو بدلاؤ آیا ہے وہ اس ڈائجسٹ کی وجہ سے ہی ہے۔ اس ڈائجسٹ نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے' آج سب مجھے کہتے ہیں کہ میں بہت سلجھی ہوئی ہوں' بہت عقل مند ہوں' سلیقہ شعار ہوں' تو صرف اس ڈائجسٹ کی وجہ سے۔ آپ کو کیا پتا یہ رنگین ٹائٹل اپنے اندر کیا کیا خوبیاں لیے ہوتا ہے' لوگوں کو تو لگتا ہے کہ یہ رومانوی ناول پڑھ پڑھ کر بچیوں کے ذہن پراگندہ ہوتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ لڑکی انہی ناولز کی مثبت باتیں اپنا کر اپنے گھر کے ماحول کو کتنا خوب صورت بنالی ہے۔ لڑائی جھگڑوں سے دور' پیار و محبت سے گھر کو آباد کرتی ہے۔''

''ہنہ.....'' وہ میری باتوں پر بنا کوئی تبصرہ کیے محض ہنکارہ بھر کر وہاں سے چلی گئی تھیں کیونکہ وہ اس بارے میں جاننے کا اشتیاق ہی نہیں رکھتی تھیں۔ مگر اس رنگین ٹائٹل والے میرے خوب صورت آنچل نے میری زندگی رنگوں اور خوشیوں سے بھر دی تھی۔

❁.....❁.....❁

آج میری زندگی کے چالیس برس بیت چکے ہیں اکتالیسواں برس ہے اور مزے کی بات یا پھر اتفاق کہہ لو میرے اس رنگین ٹائٹل والے 'آنچل' کی سالگرہ بھی اپریل میں ہوتی ہے اور میری بھی۔ میں اپنی سالگرہ تو مناتی نہیں مگر آنچل و حجاب کی سالگرہ کا اہتمام ضرور کرتی ہوں۔ کیونکہ ان دونوں کے باعث ہی تو آج مجھے اتنی عزت اور تکریم دی جاتی ہے۔ اگرچہ حجاب کچھ عرصے قبل ہی زندگی کی رونق میں اضافہ کرنے آیا ہے لیکن چار سال کا یہ ساتھ بہت خوش گوار ہے۔

''دو روز بعد میرے پیارے حجاب کی سالگرہ ہے۔'' نومبر کے آنچل کو اٹھاتے ہوئے میں نے عالیہ کو بتایا تھا۔

''بھابی مائینڈ مت کیجیے گا' میں نے کبھی ڈائجسٹ کا مطالعہ نہیں کیا' مگر لوگوں سے وہی سنا ہے جو آپ کی پڑوسن آپا کہتی تھیں' مگر بقول آپ کے کہ یہ پرچے تو سکھڑاپے کا راز ہیں۔ آپ کو سلیقہ مند بنانے میں ان کا ہاتھ ہے' تو میں ضرور دونوں پرچوں کا مطالعہ کرنا چاہوں گی..... کیا آپ یہ مجھے دے سکتی ہیں؟''

''ارے کیوں نہیں بھئی ضرور' میرے لیے تو یہ انتہائی خوشی کی بات ہے۔'' میں نے بڑی مسرت سے دونوں پرچے اس کی جانب بڑھا دیے۔

''شکریہ بھابی.....! تھوڑی دیر قبل میں آپا کی بات پر بڑی دکھی ہوگئی تھی مگر اب ریلیکس ہوں' کیوں کہ آپ میرے ساتھ ہیں اور اب تو آنچل و حجاب بھی ہے ناں' تفریح بھی ہوجائے گی' سیکھنے کو بھی ملے گا' دوسروں کی باتوں کی چبھن بھی محسوس نہیں ہوگی' تھینک یو بھابی..... تھینک یو سو مچ۔'' اس کی بات پر میں دھیرے سے مسکرادی۔

دفعتاً مجھے خیال آیا کہ اس بار تو میں نے حجاب کو سالگرہ مبارک کہا ہی نہیں..... میں نے فوراً موبائل اٹھایا اور طاہر بھائی کے نمبر پر میسج ٹائپ کرنے لگی۔

''سالگرہ بہت بہت مبارک ہو میرے پیارے رنگوں سے بھرے حجاب۔ اسی طرح آنچل کے زیر سایہ ترقی کی منازل طے کرتے جاؤ۔

تم جیو ہزاروں سال اور ہر سال ڈھیروں لوگوں کے دلوں پر راج کرو اور خوشیاں' مسرتیں منتقل کرتے رہو.....

آمین ثم آمین!''

❁



Digitized by Google

# دیئے جلنے لگے

صباحت رفیق چیمہ

فیروز خان اور شیراں بی بی کو اللہ نے تین بچوں سے نوازا تھا۔ حیات فیروز خان، شہباز فیروز خان اور شہناز فیروز خان۔ اس زمیندار گھرانے کی ایک روایت برسوں سے چلی آرہی تھی۔ بچپن میں ہی اپنی اولاد کے رشتے طے کردینا' پھر وقت گزرنے کے ساتھ اُن کی ہر خواہش پوری کرنا' کبھی پھولوں کی چھڑی سے بھی نہ اُن کو چھونا' غرض اپنی محبت اپنی اولاد میں خون سے زیادہ بھر دینا لیکن جب شادی کا مرحلہ آتا تب اپنی اولاد کے آگے اپنے فیصلے رکھ دینا۔

تو اُن فیصلوں پہ سر جھکا دو یا پھر جائیداد سے دست بردار ہو کر اس گاؤں سے نکل جاؤ۔ آج تک سب ہی ان فیصلوں پہ مجبوراً سر جھکاتے آئے تھے اور بجائے ان رواجوں کو ختم کرنے کے ان ہی رواجوں پہ عمل کرتے آرہے تھے۔

فیروز خان نے شہباز خان کا رشتہ اپنے دوست چودھری امام علی کی بیٹی زہراہ سے اور اپنی بیٹی شہناز کا رشتہ امام علی کے بیٹے امتیاز علی سے وٹہ سٹہ میں طے کردیا' جبکہ حیات خان کا اپنے رشتے کے چچازاد بھائی کی بیٹی نازیہ سے۔ وقت آنے پہ سب نے والدین کے فیصلوں پہ سر جھکا دیا تھا۔

حیات خان اور ہاجرہ کے دو جڑواں بیٹے یوسف خان' سکندر خان اور ایک بیٹی وجیہہ خان تھی۔ شہباز خان اور نازیہ کا ایک بیٹا احسن شہباز خان اور دو بیٹیاں زُلیخا شہباز خان، مریم شہباز خان تھیں۔ جبکہ شہناز اور چوہدری امتیاز علی کو اللہ نے دو بچوں رمیز امتیاز علی اور زویا امتیاز علی سے نوازا تھا۔ فیروز خان نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بیٹوں کے بچوں کے بھی رشتے خود طے کردیے تھے۔ گویا اُن کے منہ سے نکلی بات پتھر پہ لکیر سمجھی جاتی تھی۔ گاؤں کے ایک سرے پہ واقع بڑی حویلی شہناز کے نام کردی گئی تھی۔ جبکہ حیات خان کے لیے حیات ولا اور اُس کے ساتھ ہی شہباز خان کے لیے شہباز ولا گاؤں کے دوسرے سرے پہ تعمیر کروایا گیا تھا۔ یوں سارے فیصلے خود کر کے وہ منوں مٹی تلے جا سوئے تھے۔

ایک سال بعد شیراں بی بی بھی اپنے شوہر کے پہلو میں جا سوئی تھیں۔ ماں باپ کی وفات کے بعد شہناز اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ بڑی حویلی آ گئی تھیں۔

❁.....❁.....❁

حیات خان اور شہباز خان کے سب بچے شہر سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد گاؤں لوٹ آئے تھے۔ ہمیشہ کی طرح آج رات حیات ولا اور شہباز ولا کو دُلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ کھانا پکوا کر سارے گاؤں میں تقسیم کیا گیا۔ سب رشتہ داروں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ اُن کے بچے بہت کافی عرصے بعد ایک دوسرے سے مل رہے تھے۔ اُن کی آپس میں نوک جھونک سے چھوٹے بڑے سب لُطف اندوز ہو رہے تھے۔ اسی خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ کھانے کے بعد بچوں' بڑوں سب کو حیات ولا کی بیٹھک میں اکٹھے ہونے کا حکم دیا گیا۔ کچھ دیر بعد سب بیٹھک میں بیٹھے حیات خان کے بولنے کا انتظار کر رہے تھے۔ محفل پر ایک نظر ڈال کر انہوں نے بات کا آغاز کیا۔

"اللہ کے فضل و کرم سے ہمارے بچوں نے اپنی تعلیمی منازل بخوبی طے کرلی ہیں۔ تو اب وقت آ گیا ہے آپ سب کو آپ کے دادا فیروز خان کے فیصلے سے آگاہ کردیا جائے۔ بڑے تو اس بات سے آگاہ ہیں۔ بچوں سے یہ بات اب تک اس لیے چھپائی گئی کہ آپ لوگ اپنا سارا دھیان صرف تعلیم پہ رکھیں۔ ہمارے بابا جان اور آپ کے دادا فیروز خان نے آپ کی پیدائش پہ ہی رواج کے مطابق آپ لوگوں کے رشتے طے کردیے تھے۔" اتنا کہہ کے وہ رُکے تو شہباز خان اور شہناز بیگم



Digitized by Google

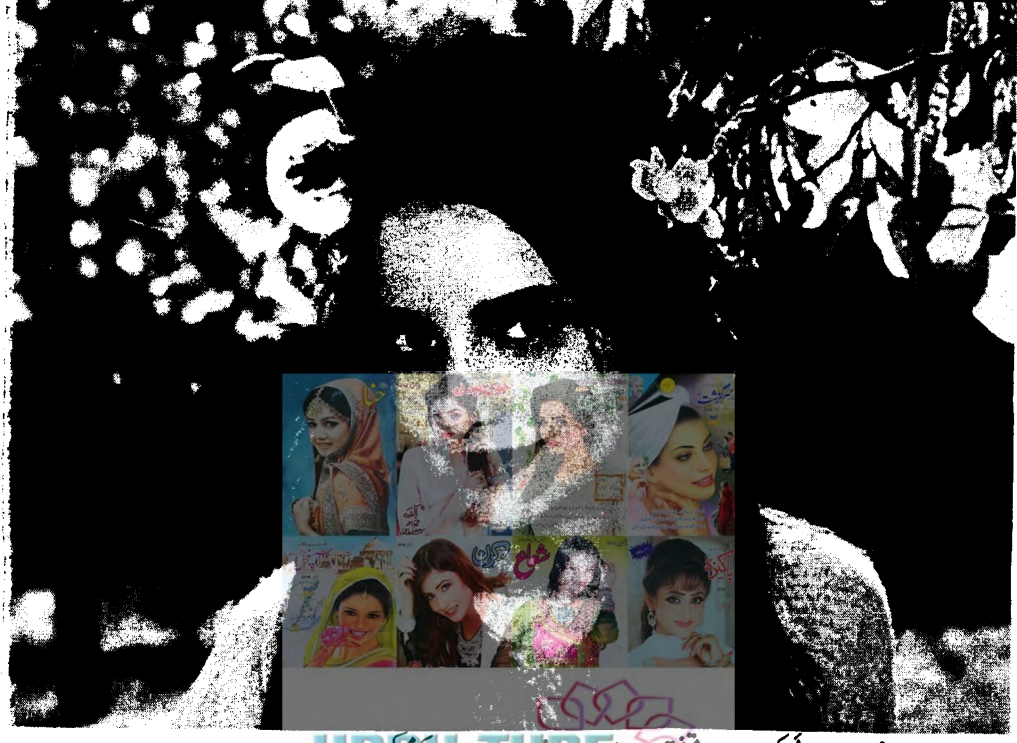

نے بڑے بھائی کی بات سے متفق ہوتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

یوسف' سکندر اور رمیز کی نظریں زُلیخا کی طرف اُٹھی تھیں جبکہ زُلیخا اور زویا کی یوسف کی طرف۔ وجیہہ اور احسن نے کن اکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

''زُلیخا' سکندر کی منگ ہے۔'' دو دلوں کی دھڑکنیں تھم گئی تھیں' جبکہ سکندر کے دل میں اطمینان در آیا تھا۔ یہ بات سن کے رمیز کے دل میں حسد کی آگ جل اُٹھی تھی جبکہ زویا نے سکون کا سانس لیا تھا۔ زُلیخا کو یوسف کے نہ ملنے پہ..... لیکن اُس کا یہ سکون عارضی تھا۔

''مریم' یوسف کی منگ ہے۔'' اب حسد کی آگ زویا کے دل میں اپنے بھائی سے زیادہ بھڑکی تھی۔ مریم کو کوئی اعتراض نہیں تھا کیونکہ اُس نے اپنے دل میں ابھی تک کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دی تھی۔

''اور وجیہہ' احسن کی منگ ہے۔'' وہ دونوں ہی یہ بات سن کر مسکرا دیے۔

''نکاح کے لیے اگلے مہینے کی بیس تاریخ ٹھیک رہے گی..... کیوں شہباز؟'' حیات خان نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے شہباز خان سے پوچھا۔

''بھائی جیسا آپ بہتر سمجھیں' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' اُنہوں نے اپنی رضامندی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ یوسف نے اعتراض کرنا چاہا۔

''لیکن بابا جان.....''

''یوسف..... مجھے لیکن ویکن کچھ نہیں سُننا۔'' اُنہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

''پہلی بات یہ ہمارے بابا جان کا فیصلہ ہے جسے ہر صورت ماننا ہوگا۔ اگر نہیں تو پھر اس گاؤں سے خالی ہاتھ جا سکتے ہو۔ ہم سمجھیں گے جانے والا مر گیا اور دوسری بات ہم نے اپنی اولاد میں سے کسی کو بھی اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ ہمارے آگے اپنی زُبان کھولنے اور ہمارے فیصلوں سے اعتراض کرنے کی ہمت کرے۔''

URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

اُنہوں نے کچھ اس طرح سخت لہجے میں بات کی کہ یوسف سمیت ہر انسان کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

یہ کہہ کر وہ اپنی نشست سے اُٹھے اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ شہباز خان اور امتیاز علی نے بھی ان کی تقلید کی۔ رمیز نے لبوں پہ مُنافقانہ مسکراہٹ لاتے اُن کو مبارک باد دی اور باہر نکل گیا۔ زویا نے بھی مسکراتے ہوئے اُن کو مُبارک باد دی۔

زُہرہ بیگم نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اور پھر گُم صُم بیٹھی زُلیخا کی طرف۔ وہ ماں تھیں اپنی اولاد کے دل تک اُن کی رسائی تھی لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔

"یوسف بیٹا غصے اور جذبات میں آ کر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنی ماں کے بارے میں ضرور سوچ لینا بیٹا بھلائی اسی میں ہے اپنے بابا جان کی بات مان لو۔" اُنہوں نے اُٹھتے ہوئے اُس کا کندھا تھپتھپاتے کہا۔

یوسف خاموشی سے اس زہر کا گھونٹ پینے کے لیے خود کو تیار کرنے لگا۔ اس لیے نہیں کہ وہ ڈرپوک تھا یا اُس کی محبت کھوکھلی تھی بلکہ اس لیے کہ نہ تو وہ اپنے بابا جان کے خلاف جا سکتا تھا۔ نہ ہی وہ اپنی ماں کو چھوڑ سکتا تھا اور نہ ہی وہ اپنی بہن کی خوشیاں چھین سکتا تھا..... ہاں اپنے ارمانوں کا قتل ضرور کر سکتا تھا۔

❁.....❁.....❁

پیپر دے کے آتے ہی خوشی خوشی گھر جانے کے لیے اپنی پیکنگ کی ہوسٹل میں اپنی آخری رات اُس نے اپنی دوستوں کے ساتھ گزاری تھی۔ صبح فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ ہوسٹل کے لان میں چہل قدمی کرنے لگی۔ وہ گاؤں جانے کے لیے بے چین ہو رہی تھی..... کیوں نہ ہوتی آخر اُس کے اکلوتے لالہ کی شادی تھی۔ بابا نے رات کال کر کے بتایا تھا کہ وہ کوشش کریں گے اُسے خود ہی لینے آئیں ورنہ وہ ڈرائیور کو بھیج دیں گے۔ اُس نے سوچا کہ اُسے بابا کو کال کر کے پوچھ لینا چاہیے کون آ رہا ہے لینے۔ ابھی وہ کمرے میں پہنچی ہی تھی کہ اُسے وارڈن کا پیغام ملا کہ اُسے لینے کے لیے ڈرائیور آیا ہے۔ اُس نے جلدی سے چادر لی اور بیگ اُٹھاتے ہوئے ہوسٹل سے باہر نکل آئی۔ سامنے کھڑی جیپ کے ساتھ مودبانہ انداز میں کھڑے ملازم نے اُسے دیکھتے ہی جیپ کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ اُس نے غور سے ڈرائیور کو دیکھا' وہ اُسے پہلی دفعہ دیکھ رہی تھی۔

"کیا تم مجھے لینے آئے ہو؟ مجھے نہیں لگتا میں نے تمہیں اس سے پہلے کبھی دیکھا ہے۔"

"بی بی صاحبہ..... ہم چوہدری امتیاز علی کے خاص ملازم ہیں۔ ڈرائیور کو چھوٹے صاحب نے کسی ضروری کام سے دوسرے شہر بھیجا ہوا تھا۔ اس لیے بڑے صاحب نے ہمیں آپ کو لینے کے لیے بھیجا ہے۔ آپ فون کر کے پوچھ لیں۔" وہ سر ہلا کر بیگ اُسے پکڑاتے ہوئے جیپ میں بیٹھ گئی۔ ملازم نے مستعدی سے دروازہ بند کیا اور ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ والی سیٹ پر بیگ رکھتے ہوئے جیپ اسٹارٹ کر دی۔ ہوسٹل کی حدود سے نکلتے ہی جیپ ایک دم سے رُکی۔ ملازم نے پھرتی سے جیب سے کلوروفارم کی شیشی نکالتے ہوئے پیچھے مڑ کے اُس پہ اسپرے کیا۔ وہ جو جیپ کے رُکنے کی وجہ پوچھنے لگی تھی کہ اچانک اسپرے کیے جانے پہ بے اختیار اُس نے ایک ہاتھ آنکھوں پہ اور ایک ناک پہ رکھا۔ اُس کا دماغ ماؤف ہونے لگا اور آنکھیں بند۔ ملازم نے اپنا کام کر کے دوبارہ جیپ اسٹارٹ کر دی۔ وہ مکمل غنودگی میں تھی۔ اُس کا سر سیٹ کی پشت سے جا لگا تھا۔

❁.....❁.....❁

وہ ہوش میں آئی تو اُس کا سر چکرا رہا تھا۔ اُس نے کراہتے ہوئے اُٹھنے کی کوشش کی۔ اچانک اُس کے ذہن میں کلک ہوا۔ ہوسٹل، جیپ ڈرائیور، وہ فوراً اُٹھ کے بیٹھ گئی۔ کسی انہونی کے احساس سے اُس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ یہ کمرہ اُس کا نہیں تھا۔ پھر وہ کہاں تھی؟ اُسے محسوس ہوا اُس کے علاوہ اس کمرے میں کوئی اور بھی ہے۔

اُس نے گردن گھما کے دائیں طرف دیکھا۔



Digitized by Google

صوفے پہ بیٹھے ہوئے انسان کو دیکھ کے اُس کا خوف جیسے اچانک دور ہوا۔ اُس کی آنکھوں میں شناسائی در آئی تھی۔ بچپن کی کچھ یادیں جو وہ اتنے سالوں کے گزر جانے کے باوجود بھی نہیں بھلا پائی تھی پھر تازہ ہوئیں۔

گاؤں کے ایک خاص حصے سے آگے جانا اُنہیں سختی سے منع تھا اسی طرح ان کے باغوں کے بھی ایک خاص حصے سے آگے جانا منع تھا۔ اُتنی جگہ پہ خاردار تاروں کی باڑ لگی ہوئی تھی۔ جو اُن بچوں کو اُس جگہ سے آگے جانے سے روکتی تھی۔ تب اُس کی عمر دس سال تھی۔ اُس دن وہ اپنے سے چھوٹی کزنز بسمہ اور ماہ نور کے ساتھ باغ میں جھولا جھولنے آئی تھی۔ اچانک جھولا جھولتے اُس کے دل میں نجانے کیا خیال آیا تھا۔ اُس نے اُن دونوں کو وہیں رکنے کا کہا اور خود ان کے لیے پھل توڑنے چلی گئی۔ پھل توڑنے کے بجائے وہ اُس حصے کی طرف آ گئی جہاں باڑ لگا کے آگے جانے سے روکا گیا تھا۔ وہ سوچتی تھی کہ اگلا حصہ بھی بالکل اُن کے حصے جیسا ہی ہے تو پھر وہ کیوں وہاں نہیں جا سکتے؟ اس لیے آج اُس نے سوچا کہ وہ باڑ پار کر کے اگلا حصہ بھی دیکھ کے آئے گی۔

وہ پھلانگ کے آگے آ تو گئی لیکن اُسے ڈر محسوس ہونے لگا۔ وہ واپس پلٹنے لگی کہ اُسے سامنے درخت کے نیچے اپنا ہم عمر ایک بچہ بیٹھا نظر آیا۔ جو دونوں بازو اپنی ٹانگوں کے گرد لپیٹے بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے اپنا سر درخت کے تنے سے ٹکایا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ بھی خاموشی سے اُس کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی۔ اُس کے بیٹھنے پہ وہ اُس کی طرف دیکھنے لگا لیکن کچھ کہا نہیں۔ اُس نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ اُٹھا کے اُس کی آنکھوں سے بہتے آنسو صاف کیے۔

"تم رو کیوں رہے ہو، کسی نے مارا ہے کیا؟"

"نہیں، مجھے کسی نے نہیں مارا۔ میرا دل کر رہا تھا رونے کو اس لیے رو رہا تھا۔" اب وہ خود ہی بتانے لگا۔

"اکیلے بیٹھ کے؟"

"اکیلا نہیں بیٹھا۔ اپنے دوست کے ساتھ بیٹھا ہوں۔" اُس نے اردگرد نظر دوڑائی۔ اُسے اپنے اور اُس کے علاوہ اُدھر کوئی بھی نظر نہ آیا۔ وہ پھر اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھول کے اُس کی طرف دیکھنے لگی۔ اُس کے یوں دیکھنے پہ وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"پاگل..... یہ درخت میرا دوست ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا یہ تمہارا دوست ہے؟"

"کیونکہ اس کا نام ہی مہربان دوست ہے۔"

"تمہیں کس نے بتایا کہ اس درخت کا یہ نام ہے؟"

"میری بی بی جان نے بتایا تھا۔"

"تمہاری ماما تمہیں اتنی دیر گھر سے باہر رہنے پہ ڈانٹیں گی نہیں؟" اُس کے سوال پہ اُس نے کوئی جواب نہ دیا کچھ دیر اُسے دیکھتا رہا اور پھر اپنا چہرہ دوسری طرف پھیر لیا اور کہا۔

"میری ماما نہیں ہیں۔" بچی یہ جانتی تھی کہ اگر کسی کی ماما نہ ہو تو یہ بہت دُکھ کی بات ہوتی ہے۔ اُسے بھی دُکھ ہوا تھا۔ لیکن اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے جس سے اُس کا دُکھ کم ہو جائے۔ وہ کچھ دیر اُسے دیکھتی رہی۔

"تم کل بھی یہاں آؤ گے؟" آنکھوں میں اُداسی لیے اُس نے پوچھا۔

"ہاں..... میں روز آتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے پھر میں بھی کل آؤں گی۔ ہم مل کے کھیلیں گے لیکن پلیز کسی کو بتانا مت کہ میں ادھر آئی تھی۔ بابا جان نے منع کیا ہے ادھر آنے سے۔ میں چھپ سے آئی ہوں۔" اُس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ تو وہ بھاگ گئی۔ وہ اُسے جاتا دیکھنے لگا۔ اُسے یہ بڑی بڑی آنکھوں والی لڑکی اچھی لگی تھی۔ ماں باپ کے پیار کو ترسے ہوئے بچے کی سوچ کا رُخ آج اپنے والدین سے ہٹ کے اُس بڑی بڑی آنکھوں والی لڑکی کی طرف مڑ گیا تھا۔

یہ شاہ ویز کے پہلے پیار کی ابتدا اور نازنین کے پہلے اور آخری عشق کی ابتدا بھی تھی۔



Digitized by Google

❁.....❁.....❁

حویلی کے سب مرد صبح سویرے، شہر میں نئی لگائی گئی فیکٹری میں چلے جاتے پھر شام کے وقت ہی واپس آتے تھے۔ سب بچے اسکول سے واپس آکر کھانا کھاتے تو اُن کی مائیں اُن کو سونے کے لیے کمروں میں بھیج کے خود بھی سونے کے لیے چلی جاتیں۔

وہ آج سونے کے بجائے آنکھیں بند کرکے باقی سب کے سونے کا انتظار کرنے لگی۔ پندرہ بیس منٹ بعد جب اُسے لگا سب سو گئے ہوں گے۔ تو وہ بنا آواز کیے حویلی کے پچھلے چھوٹے دروازے سے ہوتے ہوئے باغ کے اُس حصے کی طرف جا پہنچی جہاں جانا منع تھا۔ دور سے ہی وہ اُسے کل والی جگہ پہ ہی بیٹھا نظر آیا تھا۔ آج اُس کے چہرے پہ اُداسی کے بجائے مُسکراہٹ تھی۔

"کل رو رہے تھے۔ آج ہنس رہے ہو۔ کیا ایک دن روتے ہو اور اگلے دن ہنستے ہو؟"

"نہیں پاگل..... میں سب کے سامنے نہیں روتا، کے دیے تھے۔ میں نے ایک ہفتہ تک اُن سب کا بہت سب کے سامنے میں بہت بہادر بن کے رہتا ہوں وہ تو خیال رکھا۔ اُس کے بعد میں نے سب کو اُڑا دیا لیکن یہ کل تم اچانک آ گئی تھیں ورنہ ادھر کوئی نہیں آتا۔" کچھ پرندے پھر میرے پاس لوٹ آئے۔ اس لیے میں

"ویسے دیکھنے میں بھی بہادر ہی لگتے ہو۔" اُس نے نے انہیں قید نہیں کیا۔ کیونکہ یہ میرے وہ پرندے ہیں جو اثبات میں سر ہلا کے اپنی رائے دی۔ مجھے چھوڑ کے اب کہیں نہیں جائیں گے۔ ادھر ہی رہیں گے ہمیشہ۔" یوں وہ دونوں اپنے اپنے گھر والوں سے

"میرے پرندے دیکھو گی؟" بہت پیار سے اُس چھپ کے ایک مہینہ تک ملتے رہے۔ وہ دونوں ڈھیروں نے پوچھا تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ باتیں کرتے۔ اُسے شاہ ویز کی پسند ناپسند سب کچھ ازبر دونوں آگے درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھنے ہو گیا تھا۔ پھر ایک دن جب وہ اُدھر گئی تو شاہ ویز نہیں آیا لگے۔ تھا۔ وہ لگاتار کئی دن جاتی رہی لیکن شاہ ویز پھر بھی نہ آیا

"ایک بات پوچھوں؟" چلتے ہوئے سوال کیا تھا۔ تھا۔

"ہاں پوچھو....."

آخر تنگ آ کر اس نے وہاں جانا چھوڑ دیا تھا لیکن

"تمہاری آنکھیں اتنی بڑی کیوں ہیں؟" اُس کے اُس دس سالہ بچی کے ذہن میں وہ ایک مہینہ اتنا گہرا سوال پہ حیرت سے اُس کی آنکھیں اور کھل گئیں۔ بھلا نقش ہو گیا تھا کہ سالوں گزر گئے لیکن اُن گزرے ہوئے یہ بھی کوئی پوچھنے والا سوال تھا۔ دنوں کی ایک، ایک بات ایک ایک لمحہ اُسے حفظ تھا۔

"مجھے کیا پتا میری آنکھیں اتنی بڑی کیوں ہیں۔" حیرت سے اس نے جواب دیا۔ وہ خاموش رہا تھا۔

"کیا تمہیں اچھی نہیں لگیں؟" کچھ دیر بعد راز داری سے سوال کیا تھا۔

"اچھی لگی ہیں تو ہی پوچھا ہے ناں....." وہ کھلکھلا کے ہنس دی۔

وہ اُس جگہ پہنچ چکے تھے جہاں شاہ ویز کے پرندے تھے۔ دو خوب صورت رنگ برنگے پرندے اُس کے کندھے پہ بیٹھ گئے۔

"تم نے انہیں کھلا رکھا ہے۔ اگر یہ اُڑ گئے تو؟"

"جنہیں اُڑنا تھا وہ اُڑ چکے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"دیکھا..... ایک چھوٹی سی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔ تو تمہیں پاگل نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟"

"چلو ٹھیک ہے میں پاگل اور تم پاگلوں کے سردار، سردار آف پاگل اب بتاؤ ناں کہ یہ اُڑیں گے نہیں کیوں؟"

"میرے آغا جان نے مجھے بہت سارے پرندے لا

URDU TUBE
A HOUSE OF ENTERTAINMENT



Digitized by Google

اُسے دیکھ کے خوف کا سایہ چہرے سے ہٹ گیا تھا۔ اُن بڑی بڑی آنکھوں میں ڈر کی جگہ شناسائی نے لے لی تھی۔ نجانے کیا سوچ کر اس کی آنکھوں میں چمک آئی تھی۔ اُس کے ذہن میں کچھ کلک ہوا۔ اُسے لگ رہا تھا کہ اُس نے اُسے کہیں دیکھا ہے لیکن کہاں دیکھا ہے اُسے بالکل بھی یاد نہیں آرہا تھا۔ آخراتنی جلدی یاد بھی کیسے آتا؟ پندرہ سال گُور گئے تھے۔ وہ اُس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔

"شاہ ویز......!" بیڈ سے اُٹھتے ہوئے اُس لڑکی کے لبوں سے اُس کا نام ادا ہوا۔ اُس کا اندازہ ٹھیک تھا۔ وہ ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ اُسے بھی آخر یاد آہی گیا تھا۔ اُس نے اُس خوب صورت آنکھوں والی لڑکی کی طرف دیکھا۔ جو حیرت سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ اُس کی آنکھوں سے سُنہرے موتی بکھرتے، شاہ ویز کے لبوں نے ایک لفظ بند کمرے کی فضا کے سپرد کیا۔

"پاگل......" موتی پھر بھی اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کے بکھر گئے، لیکن مُسکراہٹ کے ساتھ۔ اچانک ملنے والی خوشی کے ساتھ۔

"سردار آف پاگل۔" اُس نے سُنا تو مُسکرا دیا۔ دل پہ ہاتھ رکھ کے سر کو جھکا کر آداب پیش کیا۔

گُورے وقت کی یادیں شاہ ویز کے ذہن میں بھی ایک ایک کر کے تازہ ہو رہی تھیں۔ نازنین بھول گئی کہ اُسے اغوا کیا گیا ہے۔ اُسے بس یاد تھا تو وہ بہادر لڑکا۔ جسے بچپن کی طرح اپنے سامنے بیٹھا دیکھ کے اُس کا دل مسرور تھا۔ شاہ ویز بھی بھول گیا کہ اُس نے اُسے کس مقصد کے لیے اغوا کروایا ہے۔

بچپن کی طرح اب پھر وہ اُسے دیکھ کے اپنی ہر پریشانی بھول گیا تھا۔ حتیٰ کہ انوشے کو بھی......بس اب یاد تھی تو وہ بڑی بڑی آنکھوں والی لڑکی جو اُس کے سامنے اُس کے ساتھ کچھ فاصلے پہ ہی بیٹھی تھی۔

نازنین کے دل میں ہزاروں سوال مچل رہے تھے۔

وہ اُن گُورے پندرہ سالوں کا حساب لینا چاہتی تھی۔ کتنا انتظار کیا تھا اُس کا، گھنٹوں وہ اُس کے مہرباں دوست کے پاس بیٹھ کے اُس کا انتظار کیا کرتی۔ اُس کا دوست اُس کے انتظار کے لمحات کا گواہ تھا۔ وہ اُس کی آنکھوں کو پڑھ رہا تھا۔

"میرا کا رزلٹ آچکا تھا لیکن آغا جان اور بی بی جان نے مجھے سرپرائز دینے کے چکر میں نہیں بتایا تھا۔ اُنہیں پتا تھا کہ مجھے پڑھائی کا کس حد تک جنون ہے۔ اس لیے وہ میرے شہر میں داخلے کی تیاری کرتے رہے۔ جب اُنہوں نے سارے انتظام مکمل کر لیے تب مجھے بتایا۔ اگلے دن صبح بی بی جان اور آغا جان کے ہمراہ مجھے شہر کے لیے نکلنا تھا۔ پڑھنا میرا جنون تھا لیکن تمہارے لیے میں شاید گاؤں میں ہی رُک جاتا اگر ذرا بھی مجھے اندازہ ہوتا کہ آغا جان کا یہ ارادہ ہے۔ اب سب کچھ ہو چکا تھا۔ مجھے ہر صورت جانا ہی تھا...... ہاں تم بس کچھ عرصہ مجھے یاد رہیں پھر میں تمہیں بھولنے لگا۔ پھر ایک مہینے بعد میں گاؤں آیا تب میں باغوں کی طرف سب سے پہلے گیا تھا۔ لیکن تم نہیں تھیں۔ تمہیں کیسے بُلاتا؟ پھر اُس کے بعد سالوں میں نے گاؤں کا رُخ نہیں کیا۔ بی بی جان اور آغا جان مجھ سے شہر آکر مل جاتے تھے۔ دو تین مہینوں بعد تم میرے ذہن میں کہیں بھی نہیں تھیں۔ تب میرا ایک ہی مقصد بن گیا تھا۔ اپنی تعلیم اچھے گریڈز میں مکمل کرنے کا۔" ڈھیر سے ڈھیر سے وہ اُسے بتاتا رہا۔

وہ اُس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ ان آنکھوں کو اُداس نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہ آنکھیں اُسے مُسکراتی ہوئی ہی اچھی لگتی تھیں۔ وہ جانتا تھا اس وقت وہ اُداس ہوں گی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا اُس کے برعکس وہ اُسے نہیں بھولی ہوگی۔ اُس نے ایک ایک لمحہ اُس کا انتظار کیا ہوگا۔ اُس نے میز پہ رکھے سگریٹ کے پیکٹ سے ایک سگریٹ اور لائٹر ہاتھ میں لے کے اُس سے اجازت طلب کی۔

"کیا میں اسموکنگ کر سکتا ہوں؟"

"نہیں......" آنکھوں میں ڈھیروں ناراضی لیے



Digitized by Google

کہا۔

اُس نے خاموشی سے سگریٹ اور لائٹر دوبارہ میز پہ رکھ دیا۔ یہ نازنین تھی۔ جس کے ساتھ وہ کوئی بدتمیزی نہیں کرسکتا تھا۔ جب وہ دس سال کی چھوٹی سی بچی تھی تب بھی وہ بے اختیار اُس کی ہر بات پہ سر جھکا دیا کرتا تھا اور اب تو وہ اُردو ادب میں پی ایچ ڈی کرنے والی ایک حسینہ کے سامنے بیٹھا تھا۔ جس کی بڑی بڑی آنکھیں پہلے سے زیادہ پُرکشش ہوگئی تھیں۔ جنہیں وہ دیکھتا تو پہلے سے کہیں زیادہ اُن میں ڈوب جاتا۔ تو پھر اب کیا یہ ممکن تھا کہ وہ کچھ کہتی اور وہ نہ مانتا؟

❁.....❁.....❁

ضوباریہ نے اپنی بیٹیوں کے لیے جلد ہی خود کو ایڈجسٹ کرلیا تھا۔ بزنس کو سنبھالنا اگرچہ اتنا آسان نہیں تھا لیکن وہ جب جب اپنی بیٹیوں کی طرف دیکھتی تو اُسے نئی طاقت ملتی۔ وہ اُن کے لیے کچھ بھی کرسکتی تھی۔

ابھی دو مہینے ہی گزرے تھے کہ پلوشہ رات کو ٹھیک ٹھاک سوئی تھی۔ وہ اُس کے ساتھ معمول سے زیادہ کھیلی بھی تھی اور پھر تھک کے سوگئی۔ چار بجے کا وقت تھا کہ اُس کے رونے کی آواز سے اُس کی آنکھ کھلی۔ اُس نے اُٹھ کر اُسے گود میں اُٹھایا۔ اچانک پلوشہ نے خون کی اُلٹی کردی۔ وہ انوشے کو آیا کے حوالے کرکے اُسے لے کے فوراً ہسپتال کی طرف آئی لیکن اس نے اُس کی بانہوں میں ہی دم توڑ دیا تھا۔

ابھی تو شوہر کو گئے ایک سال بھی نہیں ہوا تھا ابھی تو پہلے دُکھ ہی ہرے تھے وہ ہمت ہارنے لگی تھی۔ اُس کا دل چاہا، وہ بھی اپنے عبدالحنان اور پلوشہ کے پاس چلی جائے۔ پلوشہ منوں مٹی جا سوئی تھی۔ اسے کسی کل چین نہیں تھا۔ رات کے دس بجے کا وقت تھا وہ اندھیرے میں بیٹھی ماضی میں کھوگئی تھی۔

اُس نے اپنے ماں باپ اور بھائی کا بے تحاشا پیار پایا تھا۔ اُس کے منہ سے نکلی ہر بات کو پورا کرنا جیسے اُن کا فرض تھا۔ اُس کی زندگی میں کوئی دُکھ نہیں تھا۔ زندگی بہت حسین تھی۔ پھر یک طرفہ محبت کے ناگ نے اُسے ڈس لیا تھا۔ اُس کا محبوب کسی اور سے محبت کرتا تھا۔ اُس نے یہ دُکھ بھی صبر سے برداشت کیا تھا۔ عبدالحنان کو اُس کے والدین نے چُنا۔ اُس نے سب کچھ بھول کے اُن کی خواہش پہ سر جھکا دیا۔ اُس کا شوہر اُس سے خوش تھا اور اللہ نے اپنی رحمت سے بھی نواز دیا تھا۔ زندگی ایک بار پھر اچھی گزرنے لگی تھی۔ شاید خوشیاں اُسے راس ہی نہیں آرہی تھیں۔ شوہر جُدا ہوا پھر اب بیٹی بھی چھوڑ گئی تھی۔

ماضی سے حال تک کا سفر کہنے کو تو وہ آدھے گھنٹے میں طے کرآئی لیکن اُسے لگ رہا تھا وہ صدیوں کا فاصلہ طے کر کے آئی ہے۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"ضوباریہ....." اُسے اپنے نام کی صدا سُنائی دی۔ آواز اُس کے بائیں جانب سے آئی تھی۔ گردن اُس طرف موڑ کے دیکھا۔ اُس سے کچھ ہی فاصلے پہ جو شخص بیٹھا تھا اُسے اُس نے اندھیرے میں بھی پہچان لیا تھا۔ کیسے نہ پہچان پاتی؟ وہ سکندر تھا..... سکندر ہی تھا۔ سکندر کو دیکھ کے اُس کے آنسوؤں میں مزید روانی آگئی تھی۔

جیسے دُکھ کے وقت کسی اپنے کو پاس پا کر وہ اپنا ضبط کھو بیٹھی تھی۔ ایسے ہی سکندر کو کسی مخلص انسان کی ضرورت تھی۔ جس سے وہ اپنا درد کہہ سکتا اور پھر اُنہوں نے ایک دوسرے کے آنسو سمیٹ لیے تھے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سکندر اور ضوباریہ نے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کیا تھا۔

یہ وہ ہی جگہ تھی جہاں انوشے اور شاہ ویز پہلی بار ملے تھے۔

❁.....❁.....❁

حیات ولا سے آنے کے بعد اُس نے ایک ہی بات کی رٹ لگا رکھی تھی۔ ماموں جان اور پھوپو سے جا کے زُلیخا کا رشتہ مانگیں۔ شہناز کب سے اُسے سمجھا رہی تھیں کہ زُلیخا سکندر کی منگ ہے۔


Digitized by Google

''میں نہیں مانتا کسی رسم ورواج کو..... مرنے والے مر گئے، ہم پہ اپنے فیصلے تھوپ گئے ہیں۔'' اس نے خاصی بدتمیزی سے کہا۔ یہ سن کران کا ہاتھ اٹھا اور اس کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا۔

''یہ آپ اچھا نہیں کر رہیں اگر زُلیخا میری نہ ہوئی تو میں اُسے کسی اور کا بھی نہیں ہونے دوں گا۔'' تھپڑ کا اُس پہ کوئی اثر نہیں ہوا وہ پہلے سے زیادہ بدتمیزی سے کہہ کے اُن کے کمرے سے نکل گیا۔

شہناز اپنا سر تھام کے بیٹھ گئیں۔ ابھی وہ اسی پریشانی میں مبتلا تھیں کہ اُنہیں شور کی آواز سُنائی دی۔ وہ زویا کے کمرے کی طرف آئیں۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کی ہر چیز اُٹھا اُٹھا کے پھینک رہی تھی۔

''زویا..... تم ہوش میں تو ہو..... کیا بچپنا ہے یہ؟''

''چھوڑ دیں مجھے..... نہیں ہوں میں ہوش میں اچھا ہوا، اُسے زُلیخا نہیں ملی۔ اُس نے مجھے ٹھکرایا تھا۔ اُسے اس کی سزا ملی ہے۔ یوسف صرف میرا ہے لیکن میں اُسے کسی اور کا ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔ نہیں دیکھ سکتی۔''

وہ اپنے بھائی سے بھی دو ہاتھ آگے تھی۔

اِن کے دلوں میں مرض اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اُنہیں کچھ سجھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ وہ دونوں بہن بھائی مُنافقت کا لبادہ اوڑھے دلوں میں حسد کی آگ جلائے خود ہی اُس میں جل رہے تھے۔

شہناز نے اپنی طرف سے بہت سختی سے اپنے بچوں کی پرورش کرنے کی کوشش کی لیکن اُن کے باپ کے بے جالاڈ پیار نے اُن دونوں کو بگاڑ دیا تھا۔ زویا کی بات باہر دروازے کی اوٹ میں کھڑے رمیز نے بھی سُن لی تھی اور ماں کے جانے کے بعد وہ اُس کے کمرے میں آیا۔

''تم فکر نہ کرو۔ بس تھوڑا صبر کرو۔ دیکھنا میں اُن سے کیسے انتقام لیتا ہوں۔ بس مجھے تمہارا ساتھ چاہیے۔''

''میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' لبوں پہ مسکراہٹ سجائے ایک عزم سے کہا تھا۔

❁.....❁.....❁

''میری تعلیم مکمل ہوئی تو میں گاؤں واپس آ گیا۔ میرا ارادہ گاؤں میں فیکٹری لگانے کے ساتھ لڑکیوں کے لیے کالج بنانے کا تھا۔ ابھی مجھے گاؤں واپس آئے کچھ دن ہی گزرے تھے کہ کسی نے مجھ پہ قاتلانہ حملہ کرنے کی کوشش کی میرے ملازم نے اُس دشمن کا کھوج لگا لیا تھا۔ پھر کوئی میری مسلسل جاسوسی کرنے لگا۔ ایک دن مجھے گاؤں واپس آتے ہوئے دیر ہوگئی جب کسی نے رات کے اندھیرے میں مجھ پہ فائر کیا لیکن میں بچ گیا۔ آغا جان کا ایک ہی دشمن ہے شہباز خان۔ وہ سمجھ رہے ہیں مجھ پہ قاتلانہ حملے وہ کروا رہا ہے لیکن مجھ پہ حملہ کروانے والا کوئی اور ہے۔ آج اُس شخص کی حویلی میں سب مہمان جمع ہیں۔ آج اُس کے بیٹے کا نکاح تھا اور اُس شخص کی بیٹی اس وقت میرے سامنے بیٹھی ہے۔''

اُس نے اُس کے سارے سوالوں کے جواب دے دیے تھے۔ اُس گزارے سب ہی سالوں کا حساب دے دیا تھا سوائے انوشے کے ساتھ گزارے چند دنوں کے۔

''میرے بابا ایسا نہیں کر سکتے۔ تمہیں ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔'' اس نے شدت سے اس کی بات کی نفی کی۔

''کیا تمہارے والد کا نام رمیز امتیاز علی نہیں؟'' اب کسی شک کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ شاہ ویز نے آہستگی سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''اگر تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو پھر مجھے کوئی پروا نہیں تھی لیکن اب مجھے تمہاری پروا ہے کہو تو گاؤں چھوڑ آتا ہوں۔ جاتے ہوئے دو ڈھائی گھنٹے تو ضرور لگ ہی جائیں گے۔ شام ہو جائے گی۔ کبھی بھی تمہاری بات پہ یقین نہیں کیا جائے گا۔ رُسوائی کا دھبہ تمہاری ذات پہ لگ چکا ہے۔ تمہارے گھر والے تمہیں پاگلوں کی طرح ہر جگہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ تم ملو تو وہ تمہیں زندہ درگور کر سکیں۔ ہوسٹل وارڈن کی بھی شامت آئی ہوئی ہے۔ ان سب حالات میں کیا تم واپس جانا چاہو گی؟ اگر جانا بھی چاہو تو میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔ یہ تم بھی اچھی



Digitized by Google

طرح جانتی ہو کہ میں جو کہہ رہا ہوں بالکل سچ ہے۔ تمہارے والد کی غلطیوں کی سزا تمہیں بھگتنا پڑ رہی ہے۔ میں تمہیں تکلیف پہنچانے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔ جو ہوا انجانے میں ہوا۔ تمہارا مجرم تمہارے سامنے ہے۔ اُسے تمہاری دی گئی ہر سزا دل و جان سے قبول ہے۔''

''بابا جان کی تم سے کیا دشمنی ہے..... وہ کیوں تمہیں قتل کروانا چاہیں گے؟'' وہ اپنے ہی یقین کو جھٹلا رہی تھی۔ وہ چاہ رہی تھی بس کسی طرح یہ بات جھوٹ ثابت ہو جائے۔

''یہ بات ہی تو میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ دو دفعہ میں اُن کے حملوں سے بچ چکا ہوں۔ اب میں اُن کے تیسرے حملے کا تو انتظار نہیں کر سکتا تھا، نہ ہی کہیں یہ لکھا ہے کہ میں ہر دفعہ ہی بچتا رہوں گا۔ اس لیے میں نے اپنے ملازم سے رمیز امتیاز علی کی بیٹی کو اغوا کرنے کے لیے کہا۔ اس طرح میں اُس شخص کو اپنے سامنے لانا چاہتا تھا اُس سے اپنا قصور پوچھنا چاہتا تھا۔ جو وہ ویسے تو کبھی نہ بتاتا۔'' یہ جان کر دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔

''شاہ ویز..... اب کیا ہوگا؟'' آنکھوں میں بے پناہ ڈر تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی آنکھیں چھلک پڑیں۔

''کچھ نہیں ہوگا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں ناں۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ دُنیا کے سامنے میں بہت بہادر ہوں۔ جیسا کہ دیکھنے میں بھی بہادر لگتا ہوں، ہے ناں؟'' اس نے آنسو پونچھتے ہوئے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''تمہیں فی الحال یہیں رہنا ہوگا۔ میرا آج گاؤں میں موجود ہونا ضروری ہے۔ میں تمہارے لیے ملازمہ کا بندوبست کر دیتا ہوں۔ وہ رات کو بھی تمہارے پاس ٹھہری گی..... فریج میں کھانے پینے کا سب سامان موجود ہے، ڈرنا نہیں، میں ایک دو دن میں لوٹ آؤں گا۔ پھر کوئی حل سوچیں گے۔ ٹھیک ہے..... رہ لوگی ناں؟'' دوسرے ہاتھ سے اُس نے جیب سے چابیاں نکال کے میز پر رکھتے ہوئے اُس سے پوچھا۔

''اب اور کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے..... یہ بازی بھی کھیل ہی لوں۔''

❁.....❁.....❁

## چوتھا باب
## مکافاتِ عمل

شاہ ویز شام کے بعد حیات ولا پہنچا۔ آغا جان اب بیمار رہنے لگے تھے۔ شاہ ویز سیدھا اُن کے کمرے میں گیا تھا۔ اُن سے کافی دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے اُن کا دھیان بٹاتا رہا۔ پھر انہیں دوا کھلا کر ان کے سو جانے کی تسلی کرتا وہ کچن میں بی بی جان کے پاس آ گیا جو اُس کے لیے روٹی پکا رہی تھیں۔ اُن کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولا۔

''بی بی جان..... آپ کو نہیں لگتا کہ اب آپ کو کام نہیں آرام کرنا چاہیے۔ میں اس عمر میں آپ کو کام کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔''

''ہٹو پیچھے، روٹی جل جائے گی۔ ویسے ہی کہو کہ اب میری شادی کرو۔''

''روٹی کیا، میں ہوں ہی اتنا خوب صورت کہ مجھے دیکھ کے ہر کوئی جل جاتا ہے۔ ویسے میں بتا دوں میرا دو دو شادیاں کرنے کا ارادہ ہے۔ ایک سے میرا کچھ نہیں بننے والا۔'' اس نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

''دو دو شادیاں کس خوشی میں؟ اچھا سمجھ گئی ایک تو اپنے آغا جان کے دوست کی بیٹی نور بانو سے، جس سے بچپن سے بات طے ہے اور دوسری اپنی پسند سے کرو گے۔''

''میرے سامنے بچپن کے کسی رشتے کا نام نہ لیں۔ ویسے بھی میں اُنہیں انکار کر چکا ہوں کہ میں آپ کی بیٹی کو خوش نہیں رکھ سکتا۔ اس بات کو ختم ہی سمجھیں۔ میں دونوں شادیاں اپنی پسند سے کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔'' بی بی جان سمجھ رہی تھیں کہ وہ مذاق کر رہا ہے جب ہی اس کے انداز میں بولیں۔

''اچھا..... کون ہیں وہ؟''



Digitized by Google

''ایک کو بچپن میں، میں نے پسند کیا تھا۔ جب کہ دوسری مجھ سے محبت کرنے لگی ہے۔''

''بس کرو خوش فہمیاں ہیں تمہاری اُس کی نظر کمزور ہوگی۔''

''خوش فہمیاں نہیں..... حقیقت ہے بی بی جان، آپ کو کیا پتا۔''

''ہاں ہاں..... میں اب بڈھی ہوگئی ہوں مجھے کیا پتا ہوگا۔'' بی بی جان کے انداز پہ اُس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''کہاں بی بی جان..... آپ تو اب بھی جوان ہیں۔''

''مجھے اس عمر میں چھیڑتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟ یہ لو کھانا کھالو اب۔''

''آج آپ کھلا دیں ناں۔'' شاہ ویز کے اس طرح لاڈ سے کہنے پہ بی بی جان کو سکندر یاد آ گیا تھا۔ وہ بھی اسی طرح کہا کرتا تھا کہ آج آپ کھلا دیں۔ یکا یک اُن کی آنکھوں میں ڈھیروں پانی چلا آیا۔ جسے چھپانے کے لیے اُنہوں نے رُخ موڑ لیا لیکن شاہ ویز دیکھ چکا تھا۔

''کیا ہوا بی بی جان؟'' کندھوں سے تھام کر اُن کا رُخ اپنی طرف کرتے ہوئے پوچھا۔

''سکندر یاد آ گیا تھا۔'' یہ کہہ کے وہ رونے لگیں۔ وہ بی بی جان کو لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

''بی بی جان..... جب میں آٹھ سال کا تھا تب میں نے آغا جان سے اپنے بابا جان کے بارے میں پوچھا تھا تب آغا جان نے غصے سے یہ کہا تھا کہ آئندہ تمہاری زُبان پہ اپنے بابا کا نام نہ آئے۔ اُس نے تمہاری ماں کو زہر دے کے مار ڈالا تھا۔ وہ اس قابل نہیں کہ حیات ولا میں اُس کا ذکر کیا جائے۔ ہمارے لیے وہ مر چُکا ہے۔ اُس کے بعد میرے دل میں اپنے باپ کے لیے نفرت پیدا ہوتی گئی۔ آغا جان سے بھی زیادہ لیکن میں نے آپ کو بہت بار چھپ چھپ کے روتے دیکھا ہے۔ اگر سکندر حیات خان نے ایسا کیا تھا تو پھر آپ کے دل میں اُس شخص کے لیے نفرت کیوں نہیں ہے؟''

''کیونکہ میرا دل نہیں مانتا..... میرا دل کہتا ہے کہ سکندر نے ایسا نہیں کیا۔ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ میں نے اُس کی آنکھوں میں زُلیخا کے لیے بے پناہ محبت دیکھی تھی۔''

''مجھے آپ تفصیل سے بتائیں کہ ہوا کیا تھا۔ میں جاننا چاہتا ہوں۔''

❁.....❁.....❁

دوپہر کا وقت تھا۔ سارے گاؤں میں خاموشی تھی۔ جو کسی طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ سکندر مزارعوں کو ہدایات دیتے دیتے رُک گیا۔

اُس کی چھٹی حس نے اُسے کسی انہونی کا احساس دلایا۔ پہلا دھیان ہی زُلیخا کی طرف گیا۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے حیات ولا کی جانب بھاگا۔ صحن میں اماں زویا کے ساتھ مل کے ساگ بنا رہی تھیں۔

''امی جان..... زُلیخا کہاں ہے؟''

''زُلیخا کے سر میں درد تھا میں نے اُسے کمرے میں بھیج دیا کہ جا کے آرام کرو۔'' وہ بات سن کے سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اپنے کمرے میں آیا تھا۔

دونوں ماں بیٹا سو رہے تھے۔ سکندر نے زُلیخا کے ماتھے پہ ہاتھ رکھا۔ بخار میں تپ رہی تھی۔ اُس نے اُس کا چہرہ تھپتھپایا۔

''زُلیخا..... زُلیخا..... اُٹھو آنکھیں کھولو۔'' اس کی آواز سے شاہ ویز اُٹھ گیا۔ زُلیخا نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھول کے پھر بند کر لیں۔ سکندر اُسے نیم بے ہوشی کی حالت میں دیکھ کے پریشان ہو گیا تھا۔

اُس نے روتے ہوئے شاہ ویز کو اُٹھایا اور نیچے آ گیا۔ شاہ ویز کو جلدی سے اماں کو پکڑا کے کچن میں گیا۔ ٹھنڈا دودھ گلاس میں ڈال کے برآمدے میں آیا۔

''زویا..... یہ دودھ زُلیخا کے لیے لے جاؤ۔ نیم بے ہوشی کی حالت میں ہے صبح تو ٹھیک تھی۔ امی جان آپ شاہ ویز کو سنبھالیں۔ میں ڈاکٹر کو لینے جا رہا ہوں۔'' زویا کو دودھ کا گلاس پکڑاتے ہوئے نازیہ سے کہہ کر وہ باہر



Digitized by Google

کی طرف بھاگا تھا۔

نازیہ، ژلیخا کا سن کے پریشان ہوگئی تھیں۔ ابھی دو گھنٹے پہلے تو وہ ٹھیک تھی۔ بس معمولی سا سر میں درد تھا۔ سردیوں کی وجہ سے اُن کے گھٹنوں میں درد تھا اس لیے وہ سیڑھیاں چڑھنے سے پرہیز کرتی تھیں۔ وہ اُدھر ہی برآمدے میں بیٹھ کے شاہ ویز کو بہلانے لگیں۔

زویا نے اُٹھتے وقت چارپائی پہ پڑا اپنا موبائل بھی اُٹھالیا اور دودھ کا گلاس لے کے اوپر آگئی۔ موقع خود چل کے اُس کے پاس آیا تھا۔ رمیز کے نمبر پہ میسج بھیجا۔ پانچ منٹ بعد ہی شہباز ولا کی چھت پہ رمیز اپنا مکروہ چہرا لیے نمودار ہوا۔ دیوار کے پاس آ کے اُس نے کاغذ میں لپٹی کوئی چیز زویا کے ہاتھ میں دی اور اس نے وہ سفوف دودھ کے گلاس میں انڈیل دیا۔ رمیز چپکے سے واپس لوٹ گیا تھا۔ زویا گلاس تھامے ژلیخا کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اُسے سہارا دیتے ہوئے تکیے سے ٹیک لگا کے بٹھایا۔ بخار سے اُس کی آنکھیں بھی نہیں کھل رہی تھیں۔ وہ اُس کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے بولی۔

''ژلیخا ہوش کرو یہ لو دودھ پی لو۔'' ژلیخا نے ہاتھ سے گلاس پرے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''نہیں، میرا دل نہیں چاہ رہا، مجھے پانی دو۔''

''ٹھنڈا دودھ پیو گی تو سکون ملے گا۔ ویسے بھی یہ سکندر بھائی نے تمہارے لیے بھیجا ہے۔ وہ ڈاکٹر کو لینے گئے ہیں۔ تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہے یہ پی لو۔'' زویا نے یہ کہتے ہوئے گلاس دوبارہ اُس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ ژلیخا نے دو تین گھونٹ ہی بمشکل بھرے تھے۔

زویا نے اُسے زبردستی آدھے سے زیادہ دودھ پلا کے ہی دم لیا۔ اب کچھ ہی دیر میں زہر اپنا اثر دکھانا شروع کر دیتا۔

''میں پھوپو کو بلا کے لاتی ہوں۔'' وہ ژلیخا سے کہتے اُس کے کمرے سے باہر نکل آئی۔

ژلیخا کی امی زُہرہ زویا کی مامی بھی لگتی تھیں لیکن وہ اُن کو پھوپو ہی کہتی اور نازیہ کو مامی۔

وہ جا کے زُہرہ کو بُلا لائی۔ نازیہ بھی شاہ ویز کو زویا کو پکڑا کے زُہرہ کے ساتھ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھ کے اوپر آگئیں۔ اُن کے پیچھے رمیز اور زویا بھی تھے۔ جب وہ ژلیخا کے کمرے میں داخل ہوئیں تو ژلیخا کو خون کی اُلٹیاں کرتے دیکھ کے ان کا دل ہولنے لگا۔

''رمیز جاؤ اپنے تایا جان اور پھوپا کو بلا کے لاؤ۔ ژلیخا کو ہسپتال لے کے جانا ہوگا۔ اے اللہ...... میری بچی کی حفاظت کرنا۔'' زُہرہ یہ کہتے ہوئے رو دیں۔

''زویا تم سکندر کو فون کرو...... کب سے ڈاکٹر کو لینے گیا ہے ابھی تک آیا کیوں نہیں، میرا دل ہول رہا ہے۔ صبح تو ٹھیک تھی میری بچی نجانے کس کی نظر لگ گئی۔''

نازیہ بھی بے چینی سے ٹہلنے لگی تھیں۔ آنسو اُن کی آنکھوں سے بھی چھلکنے کو بے تاب تھے۔ زویا نے منافقت کا لبادہ اوڑھ کے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''مامی حوصلہ رکھیں اللہ بہتر کرے گا۔ میں کرتی ہوں سکندر بھائی کو فون۔'' سکندر کے آنے تک حیات خان، شہباز خان، امتیاز علی، شہناز بیگم، وجیہہ اور احسن بھی حیات ولا پہنچ گئے تھے۔ جب تک سکندر ڈاکٹر کو لے کے پہنچا زہر ژلیخا کا اندرونی نظام تباہ کر چکا تھا۔ سکندر ژلیخا کے سرہانے بیٹھ گیا۔

ڈاکٹر نے اُس کے نیلے پڑتے جسم کو دیکھ کے نبض اور اُس کے دل کی دھڑکن چیک کی۔

''انہوں نے کیا کھایا تھا؟'' ڈاکٹر نے دریافت کیا۔

''صبح ناشتہ ہی کیا تھا اس کے بعد تو کچھ نہیں کھایا اور ابھی صرف آدھا گلاس دودھ پیا تھا۔'' نازیہ نے جواب دیا۔

''پلیز آپ لوگ دیر نہ کریں انہیں ہسپتال لے جائیے۔ ان کے جسم میں زہر پھیل چکا ہے۔'' ڈاکٹر کی بات سن کے وہاں موجود ہر فرد ساکت ہوا تھا سوائے رمیز اور زویا کے۔ سکندر نے اُسے اُٹھانے کے لیے اپنا بازو اُس کے سر کے نیچے رکھا ہی تھا کہ ژلیخا کے لبوں نے


Digitized by Google

آخری دو لفظ ادا کیے۔
"سکندر شاہ ویز......" اور پھر سکندر کی بانہوں میں ہی دم توڑ دیا تھا۔
سکندر کی تو گویا سانسیں ہی رُک گئی تھیں۔ ڈاکٹر نے آگے بڑھ کے دوبارہ نبض اور دھڑکن چیک کر کے موت کی تصدیق کر دی تو کمرہ زُہرہ کی چیخوں سے گونج اُٹھا تھا۔
ڈاکٹر جانے ہی لگا تھا کہ اُس کی نظر سائیڈ ٹیبل پہ رکھے دودھ کے گلاس پہ پڑی۔ ڈاکٹر نے وہ گلاس اُٹھا کے دیکھا تو گلاس کی تہہ میں کچھ موجود تھا۔
"سکندر بھائی نے مجھے یہ دودھ کا گلاس زُلیخا کو پلانے کے لیے دیا تھا۔" زویا فوراً بولی۔ جبکہ سکندر تو اس الزام پہ ہی سُن ہو گیا۔ باقی سب اب بے یقینی سے سکندر کو دیکھنے لگے۔
"آئیں ڈاکٹر میں آپ کو چھوڑ آؤں۔" رمیز ڈاکٹر کو لے کے چلا گیا۔
"سکندر آخر میری بیٹی کا کیا قصور تھا جو تم نے اُسے زہر دے کے مار ڈالا؟" زُہرہ نے روتے ہوئے پوچھا تھا۔
"سکندر کیوں زہر دے گا؟ وہ میرے سامنے کچن سے دودھ لایا تھا۔" زُہرہ کی بات سُن کے نازیہ نے کہا۔
بھلا اُن کا خون اُن کا سکندر کسی کی جان لے سکتا تھا؟ وہ بھی زُلیخا کی؟
"رہنے دیں بھابی! آپ ماں ہیں پردہ تو ڈالیں گی۔ ہائے میری پھول جیسی بچی کو مار ڈالا ان ظالموں نے ہائے میری زُلیخا۔" سکندر اس الزام پہ پھٹی ہوئی آنکھوں سے زُہرہ کو دیکھنے لگا تھا۔
اُس کی بیوی موت کی آغوش میں سر رکھے ابدی نیند سو گئی تھی۔ اُس کی تو جیسے دُنیا ہی اندھیر ہو گئی تھی۔ اوپر سے یہ الزام...... اُس کا سر چکرانے لگا تھا۔
شہباز خان کو بیٹی کی موت نے جیسے توڑ دیا تھا۔ وہ اُن کی سب سے لاڈلی بیٹی تھی اُن کے دل کا ٹکڑا تھی۔
"سکندر...... مجھے اگر پتا ہوتا تم میری بیٹی کے ساتھ ایسا سلوک کرنے والے ہو تو میں تمہیں اپنی بیٹی کبھی نہیں دیتا۔" اُنہوں نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں سکندر سے کہا۔
سکندر شہباز خان کے سامنے جا کر کھڑا ہوا اور اُن کے ہاتھ سے وہ گلاس لے لیا۔
"اگر آپ سب کو لگتا ہے کہ میں نے زُلیخا کو اس دودھ میں کچھ ملا کے پلایا ہے جس سے اُس کی موت واقع ہوئی ہے۔ تو ٹھیک ہے یہ باقی دودھ میں پی لیتا ہوں۔ ویسے بھی زُلیخا کے بغیر سکندر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" اُس نے یہ کہتے ہوئے گلاس ہونٹوں سے لگایا ہی تھا کہ وجیہہ نے ہاتھ مار کے گلاس گرا دیا۔ گلاس ٹوٹ کے چکنا چور ہو گیا۔ اُس نے وجیہہ کی طرف دیکھا تھا۔
"نہیں لالہ...... پلیز آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔" اُس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے آنسوؤں کے درمیان کہا تھا۔
"احسن اُٹھاؤ بہن کو...... ان قاتلوں کے ہاں ہم ایک منٹ بھی اور رُکنا گوارا نہیں کریں گے۔ میری بیٹی کا جنازہ اُس کے باپ کے گھر سے اُٹھے گا۔ میرے گھر کے دروازے حیات ولا کے لوگوں کے لیے بند ہیں۔ میں آپ لوگوں سے ہر رشتہ توڑتا ہوں۔" شہباز نے غصے اور تلخی لہجے میں کہا۔
"اور اُن سب کے لیے بھی شہباز ولا کے دروازے بند ہیں جنہوں نے حیات ولا کے مکینوں سے کوئی رابطہ رکھا۔" جاتے وقت نازیہ نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔
اُن کے پیچھے سب چلے گئے۔ وجیہہ کو نازیہ نے زبردستی بھیج دیا کہ اب تمہارا گھر وہ ہے، تمہارے لیے وہ لوگ اہم ہونے چاہیں۔ جاتے وقت وہ سکندر کے کندھے سے سر ٹکا کر روئی تھی۔ اب کمرے میں بس چار نفوس رہ گئے تھے۔
آنسوؤں سے تر چہرہ لیے نازیہ اُن کی گود میں اس قیامت سے بے خبر سویا ہوا ایک ماہ کا شاہ ویز ریزہ ریزہ

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT



Digitized by Google

ہوا سکندر اور بت بنے دیوار سے ٹیک لگا کے کھڑے حیات خان۔

”سکندر...... مجھے اپنے خون سے ایسی حرکت کی اُمید ہرگز نہیں تھی۔ تم نے مجھے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ میرے لیے آج سے تم مر گئے ہو۔ میں یہ سمجھوں گا میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ ابھی اور اسی وقت میرے گھر سے اس گاؤں سے نکل جاؤ۔“ اُنہوں نے مضبوط لہجے میں اپنا آخری فیصلہ سُنا دیا تھا۔ نازیہ تو ہول کے رہ گئیں۔

”بابا جان...... کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ آپ تو میرا یقین کریں۔ میں اپنی جان لے سکتا ہوں لیکن زُلیخا کی نہیں۔“ سکندر نے حیات خان کے مقابل کھڑے ہوتے ہوئے اُن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”کاش تم نے زُلیخا کی جگہ اپنی ہی جان لے لی ہوتی۔“ حیات خان نظریں چُراتے ہوئے بولے۔

”بابا جان......!“ انتہائی بے یقینی سے سکندر نے فقط اتنا کہا۔

”میں یہ نام آئندہ کبھی تمہاری زبان سے نہ سنوں۔ تمہیں سُنائی نہیں دے رہا میں کیا کہہ رہا ہوں۔ نکل جاؤ میرے گھر سے۔“ سکندر نے شاہ ویز کو نازیہ سے لینا چاہا لیکن حیات خان نے اسے دور کرتے ہوئے کہا۔

”خبردار...... جو تم نے اسے ہاتھ بھی لگایا۔ بیوی کو مار سکتے ہو تو بیٹے کو بھی مار دو گے۔ اس گھر سے تم خالی ہاتھ جاؤ گے۔“

”وہ میرا بیٹا ہے میری زُلیخا کی نشانی ہے۔ کم از کم اُسے تو مجھے لے جانے دیں۔“ وہ سسکتا رہا اُن کے آگے گڑگڑاتا رہا لیکن اُنہوں نے اُس کی ایک نہ سُنی۔ اُسے حیات ولا سے باہر دھکیل کے دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔

سکندر گاؤں چھوڑ کے چلا گیا اور کبھی واپس نہیں آیا۔ شہناز ولا کے لوگ ولا چھوڑ کے حویلی جا بسے۔ جائیداد کا بٹوارہ ہو گیا اور دونوں بھائی ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ پہلے شاہ ویز کو پتا نہیں تھا کہ رمیز اس پر حملے کیوں کروا رہا ہے مگر سارے واقعات جان کر اس نے غور کرنا شروع کیا تو اسے احساس ہوا کہ اس کی ماں کے لیے دودھ زویا لے کر گئی تھی اور زویا رمیز کی بہن ہے۔ ممکن ہے دودھ میں زہر زویا نے ملایا ہو۔ وہ جوں جوں غور کرتا گیا اس کا شک یقین میں بدلتا گیا۔ بی بی جان سادہ دل تھیں انہوں نے تو کبھی اس بات پر غور نہیں کیا تھا۔ مگر رمیز کے اس پر قاتلانہ حملے کچھ اور ہی کہانی سنا رہے تھے۔ بالآخر وہ فیصلہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

”آپ مجھے بابا جان کے کمرے کی چابی دیں۔ میں اُن کے کمرے میں جانا چاہتا ہوں۔“ وہ بی بی جان سے چابی لے کر اس کی طرف آ گیا۔ کمرے کا تالا کھول اندر آیا تو کمرہ دھول مٹی اور جالوں سے اٹا ہوا تھا۔

وہ ایک ایک چیز کو دیکھتے ہوئے الماری کی طرف آیا اور اسے کھول کر دیکھا۔ نفاست سے ایک طرف اُس کی ماں کے کپڑے رکھے ہوئے تھے دوسری طرف اُس کے باپ کے۔ اس نے الماری کے دراز کو ہاتھ بڑھا کے کھولا۔ اوپر ہی بلیک کور والی ایک ڈائری رکھی تھی۔ وہ ڈائری لے کے بیڈ پہ بیٹھ گیا اور اُسے پڑھنے لگا۔

اس میں اُس کے بابا جان نے اپنی محبت کی کہانی لکھی ہوئی تھی کہ کس طرح سکندر حیات خان بچپن سے زُلیخا کی محبت کو دل میں بسائے جوان ہوا تھا۔ ڈائری میں لکھی آخری کچھ سطریں اُس کی ماں کی لکھی ہوئی تھیں۔

”سکندر نے مجھے یہ ڈائری ہماری شادی کے بعد دی ہے اور مجھے کہا ہے کہ میں اسے پڑھنے کے بعد اپنے خیالات لکھوں۔ میں صرف یہ لکھنا چاہوں گی کہ اسے پڑھنے کے بعد میں اس بات پہ ایمان لے آئی ہوں کہ اللہ تعالیٰ جو بھی فیصلہ کرتا ہے وہ ہمارے لیے بہترین ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے جو میں اللہ سے مانگ رہی تھی وہ میرے حق میں بہتر نہ ہوتا۔ اس لیے اللہ نے مجھے بہترین سے نوازا۔ سکندر نے اپنی محبت کی جو شدت اس ڈائری میں لکھی ہے اُس سے زیادہ شدت میں نے اُن کی محبت

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

میں دیکھی ہے۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گی کہ اس محبت کی قدر کرسکوں کیونکہ انہیں اللہ نے میرے لیے چُنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا سایہ ہم پہ ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین!

زُلیخا سکندر حیات خان۔"

شاہ ویز نے ڈائری بند کردی۔ آنکھوں سے بہنے والے آنسو صاف کیے۔ اب اُسے یقین ہوگیا تھا۔ اُس کے بابا جان بے گناہ ہیں۔

"بابا جان..... میں آپ کو غلط سمجھتا رہا۔ مجھے معاف کردیں۔ میں نے کبھی خود سے تمام حقائق جاننے کی کوشش ہی نہ کی لیکن میں آپ کو آپ کا مقام واپس دلا کے رہوں گا۔" وہ ڈائری لیے اپنے کمرے میں آگیا۔ آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وہ بیڈ پہ ٹیک لگا کے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر ہی گزری تھی کہ شاہ ویز کو انوشے کا خیال آیا۔

اُس نے اُسے ان بلاک کرنے کے خیال سے فیس بک کھولی۔ ایک میسج ریکویسٹ آئی ہوئی تھی۔ وہ انوشے کے نیو اکاؤنٹ سے بھیجی گئی نظم پڑھنے لگا۔ وہ انوشے کے ساتھ کیے گئے سلوک پہ شرمندہ تھا۔ وہ جان گیا تھا انوشے کا اُس سے رابطہ صرف ایک اتفاق تھا۔ اُس نے "انوشے" لکھ کے میسج سینڈ کیا۔ فوراً جواب آیا۔

"جی؟"

"ابھی تک جاگ رہی ہو؟"

"مجھے اب نیند نہیں آتی لیکن آپ کیوں جاگ رہے ہیں؟"

"بس ایسے ہی نیند نہیں آرہی تھی۔"

"آپ ٹھیک تو ہیں؟"

"ہاں ٹھیک ہوں۔ الحمدُ للہ۔" دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔ چند منٹ بعد انوشے کا میسج آیا۔

"شاہ ویز..... ایک بات بتاؤں آپ ناراض تو نہیں ہوں گے؟"

"نہیں۔"

"میں نے کچھ دن پہلے بابا کو آپ کے بارے میں بتادیا تھا۔ میں اُن سے پوچھنا چاہتی تھی آپ کا اُن سے کیا رشتہ ہے اور آپ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟"

"پھر.....؟"

"پھر بابا نے مجھے سب بتادیا کہ کیوں باقی سب لوگوں کے ساتھ آپ بھی بابا سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ بے گناہ ہیں شاہ ویز! بابا آپ کو بہت یاد کرتے ہیں وہ آپ سے دُنیا میں سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ زُلیخا ماما سے بھی زیادہ۔"

"جانتا ہوں۔"

"پھر آپ نے ایسا کیوں کیا؟"

"کیونکہ پہلے نہیں جانتا تھا۔ اب سب جان گیا ہوں۔"

"تو کیا میں اُن کو بتادوں؟"

"نہیں..... مجھے اُن کا نمبر سینڈ کردو۔ ایک دو ضروری مسئلے ہیں وہ حل کرلوں۔ پھر میں خود اُن سے بات کروں گا۔"

"اوکے میں کردیتی ہوں۔ آپ بہت اچھے ہیں۔"

❁.....❁.....❁

شاہ ویز نماز فجر کے بعد مسجد سے نکل کے سیر کی غرض سے کھیتوں کی طرف چلا آیا۔ سورج نکلنے کے بعد ہی حیات ولا واپس پہنچا تھا۔ اپنے کمرے سے ڈائری اُٹھا کے وہ بی بی جان کے پاس آیا۔

"بی بی جان..... آپ سچ کہتی تھیں آپ کا بیٹا بے گناہ ہے۔ جب تک آغا جان بھی اس بات کو تسلیم نہیں کرلیتے..... میں آرام سے نہیں بیٹھوں گا اور اپنی ماں کے قاتلوں کو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" وہ آغا جان کے کمرے کی طرف چل دیا۔ اُس کے پیچھے بی بی جان نے بھی قدم بڑھائے لیکن شاہ ویز نے اُنہیں منع کردیا۔

"صرف مجھے بات کرنے دیں۔" بی بی جان صحن میں بچھی چارپائی پہ بیٹھ کے سب اچھا ہونے کی دُعا کرنے لگیں۔ شاہ ویز نے آغا جان کو دوا کھلا کے اُن کا



Digitized by Google

بُخار چیک کیا۔ بُخار اُتر چُکا تھا۔

''شاہ ویز بیٹا..... اب تو میں اس بستر سے اُٹھ سکتا ہوں ناں؟ تم نے تو مجھے ناکارہ بنا کے رکھ دیا۔ معمولی سا بُخار ہی تو تھا۔'' وہ مُسکرا دیا۔ ''یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟''

''آپ کے پڑھنے کے لیے لایا ہوں۔''

''اچھا..... تو پھر لاؤ دو۔'' آغا جان نے سائیڈ ٹیبل سے اپنی عینک اٹھا کر آنکھوں پہ لگاتے ہوئے کہا۔

''نہیں ایسے نہیں۔ اس میں کچھ راز ہیں' آپ کو وعدہ کرنا ہوگا' اسے مکمل پڑھیں گے۔''

''اچھا یار وعدہ..... اب دے بھی دو.....'' وہ سمجھ رہے تھے یہ شاہ ویز کی ڈائری ہوگی' وہ پڑھنے لگے۔ پہلی لائن ہی پڑھ کے اُنہوں نے غصے سے اُس کی طرف دیکھا۔

''آغا جان..... آپ نے وعدہ کیا ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ وعدہ نبھانے والوں میں سے ہیں۔'' یہ بات سُن کے آغا جان نے پڑھنا جاری رکھا۔

شاہ ویز خاموشی سے پاس بیٹھا آغا جان کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ دیکھتا رہا۔ پھر اُن کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو دیکھتا رہا۔ وہ ڈائری بند کر کے بہتے آنسوؤں کو لرزتے ہاتھوں سے صاف کرنے لگے۔

''آغا جان..... آج میں اپنے بابا جان کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے منع نہیں کریں گے۔'' شاہ ویز نے اُن کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

''آپ مجھے بتائیں آغا جان' جس وجود سے کسی انسان کی سانسیں وابستہ ہوں۔ کیا وہ اُسے مارنے کا سوچ بھی سکتا ہے؟'' آنسو پھر اُن کی بوڑھی آنکھوں سے بہنے لگے۔ اُنہوں نے نفی میں سر ہلاتے شاہ ویز کا چہرہ اپنے جھریوں زدہ ہاتھوں میں تھام لیا۔

''تو پھر بتائیں آغا جان..... آپ نے بابا جان کے ساتھ کیوں ایسا کیا؟ کیوں اُن کی بات پہ اعتبار نہ کیا؟''

''تب جس طرح میرا اپنا بھائی مجھ پہ اُنگلی اُٹھا رہا تھا۔ اسی طرح باقی لوگ بھی مجھ پہ اُنگلیاں اٹھانا شروع کر دیتے اگر میں ایسا نہ کرتا تو۔'' شاہ ویز اُنہیں دیکھتا رہ گیا۔

''آپ اپنے بھائی سے نفرت کرتے ہیں' آپ کو لگتا ہے آغا جان..... شہباز خان مجھ پہ حملے کروا رہے تھے؟ لیکن آپ یہاں بھی غلط ہیں۔ میری جان کے دُشمن وہ نہیں بلکہ رمیز امتیاز علی ہیں۔'' اس کی بات پر وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

''آپ فکر نہ کریں میں اپنی ماں کے قاتلوں کو سب کے سامنے لا کے رہوں گا۔ آپ مجھے یہ بتائیں یوسف تایا نے کیوں شادی کے بعد یہ گاؤں چھوڑ دیا تھا؟ کیوں کبھی وہ آپ سے ملنے بھی نہیں آئے؟'' یہ اعتراف کا لمحہ تھا اُنہیں اعتراف کرنا ہی تھا۔

''وہ شادی سے پہلے میرے پاس آ کر گڑگڑایا تھا' اُس نے کہا وہ اور زُلیخا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ میں اپنا فیصلہ بدل لوں لیکن میں نے اُس کی ایک نہ سنی۔''

''آپ کے لیے یہ فضولی روایت جو نسل در نسل چلی آ رہی ہے اور اس روایت کے بھینٹ آپ نے اپنوں کو ہی چڑھا دیا۔'' شاہ ویز نے آنکھوں میں افسوس لیے کہا۔ اب اس کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ کیوں یوسف تایا اُس سے اتنی محبت کرتے ہیں۔

''آپ کو پتا ہے آپ مجھ سے کیوں اتنی محبت کرتے ہیں؟'' آغا جان نے نم آنکھوں کے ساتھ اُسے دیکھا۔

''کیوں کہ میں اپنے بابا جان کی کاپی ہوں۔ مجھ میں آپ کو اپنا بیٹا دکھائی دیتا ہے۔'' اُس کی بات سُن کے آغا جان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اُسے سینے سے لگا لیا۔

شاہ ویز جب کافی دیر گزرنے کے بعد بھی باہر نہ آیا تو بی بی جان بھی کمرے میں آ گئیں۔ اُن دونوں کو ایک دوسرے کے گلے لگ کے روتے دیکھ کے وہ بھی رونے

URDU TUBE
A HOME OF INTERTAINMENT
www.urdutube.com



Digitized by Google

لگیں۔

''آپ بی بی جان کو دیکھیں، کیسے اپنی اولاد کو دیکھنے کے لیے تڑپتی رہتی ہیں لیکن آپ کو کبھی بھی بی بی جان پہ ترس نہیں آیا۔ ایک ماں کے لیے اُس کی اولاد ہی اُس کی کُل کائنات ہوتی ہے۔ آپ نے ایک ماں سے اُس کی کُل کائنات ہی چھین لی؟'' آغا جان کے پاس اب آنسوؤں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

''آغا جان آپ نے کبھی سوچا ہے کہ آپ کے صرف ایک فیصلے سے کتنی زندگیاں برباد ہوئیں؟'' آغا جان نے اپنے جھریوں زدہ ہاتھ اُن کے آگے جوڑ دیے۔

''میں..... میں آپ سب کا گُناہ گار ہوں۔ مجھے معاف کردو، کاش..... تب میں یوسف کی بات مان لیتا۔ کاش..... میں یہ بات سمجھ لیتا کہ مرنے والے تو مر گئے وہ تو اب واپس نہیں آسکتے لیکن جو زندہ ہیں اُن کی خوشی کو مدنظر رکھ کے فیصلے کرتا لیکن مدتوں سے چلتے ان رسم و رواج کو اپناتے ہوئے میں نے اپنے بچوں کو کھو دیا۔ کتنا بدنصیب باپ ہوں میں۔'' شاہ ویز نے اُن کے ہاتھوں کو تھام کے چوم لیا۔

''آغا جان..... آپ نے بھی تو اتنے سال اپنے بچوں کو یاد کرتے گزارے ہیں۔ میں نے آپ کی آنکھوں میں ہمیشہ اُن سے ملنے کی تڑپ دیکھی ہے لیکن اب میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔ میں حیات ولا کے مکین حیات ولا میں واپس لاکر رہوں گا۔ میں اس خاندان کو جوڑ کے رہوں گا۔''

❁.....❁.....❁

رمیز کی حالت پاگلوں جیسی ہوگئی تھی۔ ان دو دنوں میں اُس کا سارا غرور جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ ایک باپ کے لیے اس سے زیادہ ذلت آمیز اور کیا بات ہوگی کہ اُس کی بیٹی دو دنوں سے گھر سے غائب ہو۔ رمیز کا بیٹا وقاص اُسی کا پرتو تھا۔ وہ بھی بدنامی اور جگ ہنسائی کے ڈر سے دو دنوں سے گھر سے باہر نہیں نکلا تھا۔ وہ تاک میں تھا کہ نازنین اُسے نظر آئے اور وہ اسے جان سے مار دے۔ نکاح کی رسم دھری کی دھری رہ گئی تھی۔

شاہ ویز نے نازنین والی بات سب سے چھپا کے رکھی تھی۔ وہ یہ جنگ خود لڑنا چاہتا تھا۔

دو دن گاؤں میں رہنے کے بعد وہ پھر شہر چلا گیا۔ وہ ایک انسان کے کیے کا بدلہ دوسرے انسان سے لینے والوں میں سے ہرگز نہیں تھا۔ اُس نے الف سے ی تک ساری بات نازنین کو بتادی تھی۔

''پہلے میرا شک زویا نامی خاتون پہ تھا۔ جو وہ گلاس لے کے میری ماما کے پاس گئی تھی لیکن تمہارے بابا جان کا مجھ پہ حملہ کروانا میرے شک پہ یقین کی مہر ثبت کر گیا، تمہارے بابا کی ضرور میرے بابا سے کوئی ذاتی دشمنی ہوگی جس وجہ سے میری ماں کی جان لے کر میرے بابا کو پہلے گاؤں سے نکلوایا اور اب مجھے جان سے مارنے کی کوشش کی جارہی ہے کیونکہ میں سکندر حیات خان کا بیٹا ہوں۔'' نازنین نے بہت صبر اور حوصلے سے شاہ ویز کی ساری بات سُنی۔ جس باپ کو وہ اپنا آئیڈیل سمجھتی رہی تھی آج اُسی باپ کی بیٹی ہونے پہ اُسے شرمندگی ہونے لگی۔ وہ ظلم کرنے والے لوگوں کا ساتھ دینے والوں میں سے ہرگز نہیں تھی۔

''اگر یہ میرے بابا اور زویا پھوپو کی سازش تھی تو پھر اُن کو ان کے کیے کی سزا ملنی ہی چاہیے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' شاہ ویز کے ہاتھ پہ اپنا نازک ہاتھ رکھتے ہوئے فیصلہ کُن انداز میں وہ بولی۔ شاہ ویز اپنے اگلے قدم کے بارے میں سوچنے لگا۔

''اس کا مطلب وجیہہ خالہ آپ کے بابا کی بہن ہیں مطلب آپ کی پھوپو؟'' شاہ ویز نے اثبات میں سر ہلایا۔ نازنین نے اپنا نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔

''کیا ہوا؟''

''میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اُنہیں آغا جان (شہباز خان) اور بی بی جان (زُہرہ) کی زبان کے نشتر کا نشانہ بنتے دیکھا ہے۔ مجھے کبھی یہ بات سمجھ میں



Digitized by Google

نہیں آئی کہ وجیہہ خالہ اتنی اچھی ہیں پھر بلاوجہ اُن کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا جاتا ہے۔"

"اللہ نے چاہا تو ان شاء اللہ جلد ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اپنے بابا جان کا نمبر دے سکتی ہو؟" نازنین نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اُسے نمبر لکھوایا۔

شاہ ویز نے ایک پی سی او سے رمیز کا نمبر ملایا۔ انتہائی سادہ لہجے میں صرف اتنا کہا۔

"میں شاہ ویز سکندر حیات خان ہوں۔ تمہاری بیٹی نازنین میرے پاس ہے۔ اگر اُسے زندہ سلامت دیکھنا چاہتے ہو۔ تو میرے دیے گئے ایڈریس پہ اکیلے شام ہونے سے پہلے پہنچ جاؤ۔ تم نے میری ماں کو بہت سیدھے طریقے سے مروایا تھا لیکن تمہاری بیٹی کو میں عبرت ناک موت دوں گا کہ تمہاری آنے والی نسلیں یاد رکھیں گی۔ شام ہونے سے پہلے ورنہ رات تک تمہاری بیٹی مردہ حالت میں تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔ پولیس کو انوالو کرکے یا مجھے دھوکا دینے کی غلطی بھول کے بھی مت کرنا۔ انتظار رہے گا۔" فون سن کے رمیز کی یہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

وہ سمجھتا تھا یہ بات اُسی دن دفن ہوگئی تھی۔ کسی کے فرشتوں کو بھی کانوں کان خبر نہیں ہوئی ہوگی۔ وہ جسے کل کا بچہ سمجھتا تھا وہ اپنی ماں کے قاتلوں کو ڈھونڈ سکتا تھا تو پھر اپنی ماں کی موت کا انتقام لینے کے لیے اُس کی بیٹی کو مار بھی سکتا تھا۔ رمیز نے دُنیا میں صرف ایک انسان سے محبت کی تھی اور وہ اُس کی اپنی بیٹی تھی۔

❁ ❁ ❁

صبح کا وقت تھا وہ اکیلا ہی جیپ لے کے شہر جانے کے لیے روانہ ہوا۔ دوپہر کے دو بجے وہ شاہ ویز کے دیے گئے پتے پہ موجود تھا۔ وہ لاہور کا ایک سنسان علاقہ تھا۔ اُسے ایک جوان لڑکا اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ اُسے پہچاننے میں ذرا دیر نہیں لگی۔ وہ ہوبہو سکندر کی کاپی تھا۔ وہ اُسے جیپ میں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی جیپ کا اگلا دروازہ کھولتے ہوئے بیٹھ گیا۔

"میری ماں کو قتل کرنے میں تمہارے ساتھ اور کون کون شامل تھا؟"

"اگر مجھے یہ یقین دلایا جائے کہ میری بیٹی ٹھیک ہے اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا تو میں بتانے کو تیار ہوں۔"

"تمہاری بیٹی ابھی تک تو ٹھیک ہے اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا گیا لیکن اب اگر جواب کے علاوہ کوئی اِدھر اُدھر کی بات تمہارے منہ سے نکلی تو پھر اُس کے ٹھیک رہنے کا میں یقین نہیں دلا سکتا۔"

"زویا کا......"

"سب کے سامنے چوپال میں اپنا جرم مان لو...... اللہ کی قسم تمہاری بیٹی کو اُسی حالت میں واپس کردوں گا جس حالت میں اُٹھایا تھا۔" ایک طرف چوپال میں اپنا جرم ماننا گویا گاؤں بدر ہونا اور اُن کی منتخب کردہ سزا بھگتنا۔ ورنہ اپنی جان سے پیاری بیٹی سے ہاتھ دھونا۔ بیٹی کی محبت کا پلڑا بھاری تھا وہ جھک گیا۔

"مجھے منظور ہے۔"

"ٹھیک ہے پھر گاؤں چلتے ہیں اور آج رات ہی سب کے سامنے فیصلہ ہوجائے گا۔" نازین کے پاس پہنچ کر اُس نے سب سے پہلا فون یوسف کو کیا اُنہیں گاؤں جانے کے لیے تیار رہنے کا کہا اور پھر آغا جان کو گاؤں کے سب معزز افراد اور حویلی والوں کو چوپال میں اکٹھا ہونے کا پیغام پہنچانے کا کہتے ہوئے خود بھی گاؤں کے لیے نکل پڑا۔ یوسف کو لے کے شام کے بعد وہ گاؤں پہنچ چکا تھا۔ بابا جان نے یوسف کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے اُس سے معافی مانگی تھی۔ یوسف نے بھی تقدیر کا لکھا سمجھ کر گزرے تمام حالات کو قبول کرلیا تھا۔

❁......❁......❁

آسمان نے کالی چادر اوڑھ لی تھی۔ گاؤں کی پنچائیت کی طرف سے حویلی والوں کو بھی پیغام پہنچ چکا تھا۔ شہباز خان، احسن اور رمیز چوپال پہنچے تو سب گاؤں کے بڑے موجود تھے سوائے حیات خان کے۔ شہباز

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

خان پنچائیت بٹھانے کی وجہ پوچھنے ہی لگے تھے کہ حیات خان، یوسف اور شاہ ویز کے ساتھ چوپال میں داخل ہوئے۔ جب سب بیٹھ گئے تو شاہ ویز نے بات شروع کی۔ سب سے پہلے اُس نے یہ پنچائیت بٹھانے کا مقصد بیان کیا اور پھر اُس نے اپنے باپ کو بے گناہ قرار دیتے اُس کی ماں کے قاتل سے سب کو متعارف کروایا۔ رمیز نے سب کے سامنے روتے ہوئے اپنے گناہوں کا اقرار کیا کہ کیسے اُس نے زویا کے ذریعے زہریلی دوا زلیخا کو پلوائی تھی۔

امتیاز علی کی ایک سال پہلے وفات ہوچکی تھی۔ شہباز خان صدمے سے اپنی جگہ ساکت رہ گئے۔ کتنے سالوں سے وہ اپنی بیٹی کے قاتل کے ساتھ ایک ہی چھت تلے رہ رہے تھے۔ احسن نے رمیز کا گریبان پکڑ لیا۔ اُس کا ہاتھ رمیز کا گال لال کرچکا تھا۔ چوپال میں موجود لوگ اگر نہ چھڑواتے تو وہ اُسے جان سے مار کے ہی دم لیتا۔

دونوں بھائیوں شہباز خان اور حیات خان نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ شہباز خان پہل کرتے ہوئے اُٹھے۔ اپنے بڑے بھائی حیات خان سے معافی مانگتے ہوئے اُن کے گلے لگ گئے۔ شاہ ویز نے احسن کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اُسے پکارا۔

''ماموں جان.....'' احسن اُسے غور سے دیکھنے لگا وہ دیکھنے میں سکندر کی طرح لگتا تھا لیکن اُس کی آنکھیں ہو بہو زلیخا جیسی تھیں۔

احسن نے اپنے بازو وا کرتے ہوئے اُسے اپنے سینے میں بھینچ لیا۔ شہباز خان بھی کافی دیر اُسے اپنے سینے سے لگائے روتے رہے تھے۔ شاہ ویز نے سب کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف بھی کرلیا کہ کیسے اُس نے رمیز سے سچ اُگلوانے کے لیے اُس کی بیٹی کو اغوا کیا تھا۔ پنچائیت یہ کہتے ہوئے برخاست کردی گئی کہ سکندر کو واپس بُلایا جائے تاکہ وہ اپنے مجرم کو از خود سزا دے سکے۔

اگلے دن وعدے کے مطابق شاہ ویز نے نازنین کو بخیر و عافیت حویلی پہنچا دیا تھا۔ اُسے دیکھ کے رمیز کی جان میں جان آئی۔ وہ کتنی ہی دیر اپنی بیٹی کو سینے سے لگائے سسکتا رہا۔ بار بار اُسے چومتا۔ سب سے ملنے کے بعد جب وہ وجیہہ کے پاس گئی تو اُنہوں نے اُسے گلے لگاتے ہوئے پوچھا۔

''کیسا ہے میرا شاہ ویز؟'' وہ اُن کے کان میں بولی۔

''بچپن سے بھی زیادہ خوب صورت۔''

''تم نے اُسے بچپن میں کب دیکھا تھا؟'' جواباً اس نے ماضی کی تمام باتیں دہرائیں۔

''اوہ.....! اچھا تو یہ بات تھی۔''

''نہیں آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ تب شاہ ویز پڑھنے کے لیے شہر چلا گیا تھا' لیکن مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔ یہ تو بس ایک اتفاق تھا۔''

''اچھا تو محبت کرتے ہوا ایک دوسرے سے؟''

''محبت نہیں خالہ ہماری سانسیں ایک دوسرے سے جُڑی ہیں۔''

''یہ تم دونوں آپس میں کیا کھُسر پھُسر کررہی ہو؟'' زُہرہ نے اُنہیں راز داری سے بات کرتے دیکھا تو پوچھا۔

''کچھ نہیں امی..... ویسے ہی یہ مجھے تنگ کررہی ہے۔ کہ میں احسن سے زیادہ محبت کرتی ہوں یا احسن مجھ سے؟'' وجیہہ نے نازنین کو آنکھ مارتے ہوئے زُہرہ سے کہا۔

شہباز خان اور زُہرہ رات کو سب پتا چلنے کے بعد وجیہہ سے اپنے غلط رویے کی معافی مانگ چکے تھے۔ احسن کا تو اُس سے ہمیشہ سے ہی اچھا رویہ رہا تھا۔ احسن اور وجیہہ کی دو بیٹیاں تھیں۔ یوسف اور مریم کا صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ زویا کی شادی اُس کے چچازاد سے ہوئی تھی۔ اتنے سال گزر جانے کے باوجود وہ بے اولاد تھی۔ اُس کا گاؤں آنا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ آغا حیات خان نے شاہ ویز کے ذریعے سکندر کو فون کرکے اُس سے


Digitized by Google

معافی مانگی اور انہیں گاؤں واپس آنے کا کہا۔

تمام بات جان کر شہناز بیگم نے اپنے بھائیوں سے معافی مانگنے کی کوشش کی تو دونوں بھائیوں نے انہیں خود سے لگا کر مان دیا اور ویسے بھی اس تمام قصے میں ان کا کیا قصور تھا' انہوں نے تو اپنی طرف سے بچوں کو راضی کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ ضد میں آ کر یہ سب کر گئے تھے۔

آج جمعہ کی نماز کے لیے سب حویلی والے سوائے رمیز اور وقاص کے حیات ولا میں جمع تھے۔ مرد حضرات سب نماز جمعہ کے لیے مسجد کی طرف روانہ ہوئے تو حویلی کی عورتیں اپنے اپنے کمروں میں نماز کی ادائیگی کے لیے چلی گئیں۔

نازنین نماز ادا کرنے کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگی کہ اسے اپنے کمرے میں داخل ہوتے بھائی وقاص کا پتہ ہی نہ چلا۔ وقاص نے دبے پاؤں کمرے میں داخل ہونے کے بعد اندر سے کنڈی لگا دی تھی۔ اُس نے ہاتھ میں تیز دھار چاقو تھام رکھا تھا۔ وہ غیرت مند مرد تھا اُس کی غیرت کو یہ بات ہرگز گوارا نہیں تھی کہ اُس کی بہن تین دن گھر سے باہر رہی ہو اور وہ اُسے زندہ چھوڑ دے۔ نازنین کو تب پتا چلا جب اُس نے اُس کے بال ہاتھ میں جکڑ کے "بے غیرت" کہتے ہوئے اُس کے پیٹ میں چاقو گھونپا۔ درد سے اُس کی چیخ بند کمرے میں گونجی۔ حویلی کی خواتین چیخ سن کر کمرے کی طرف بھاگیں اور نازنین کا کمرہ اندر سے لاک ہونے کی بنا پر باہر سے ہی اسے پکارنے کے ساتھ دروازہ پیٹنے لگی تھیں مگر وقاص نے تب تک اسے نہ چھوڑا جب تک اُس کی سانسوں نے اُس کا ساتھ نہ چھوڑ دیا۔ وقاص چاقو اُدھر ہی پھینک کے دروازہ کھول کے خواتین کو پیچھے دھکیل کے حویلی سے بھاگ نکلا۔

مسجد سے واپس آتے افراد میں رمیز بھی شامل تھا۔ اُس کی نظر کھیتوں سے نکل کے کچی سڑک کی طرف جاتے وقاص پہ پڑی۔ جس کی سفید قمیص پہ خون کے داغ اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہے تھے۔

"میری بیٹی..... مار ڈالا اُس نے میری بیٹی کو۔" یہ کہتے ہوئے وہ حویلی کی طرف بھاگے۔ کمرے کے دروازے پر رک کر انہوں نے اندر کا منظر دیکھا' سامنے ہی نازین مردہ حالت میں پڑی تھی اور اس کے جسم سے تیزی سے خون بہہ رہا تھا۔ ہر دیکھنے والی آنکھ اشک بار تھی۔ رمیز اپنی بیٹی کو اس حالت میں دیکھ کے ہوش کھو بیٹھا۔

شاہ ویز نے آج بچپن کی دوست کو کھو دیا تھا۔ کتنے عرصے بعد ملے تھے اور اب طویل جدائی تھی۔

نازنین کا قتل کرنے کے بعد وقاص کے فرار ہونے پہ اُسے گرفتار کرنے کے لیے پولیس کو فون کر دیا گیا۔

قدرت بھی کیسے بدلہ لیتی ہے۔ یہ مکافاتِ عمل تھا۔ اُس نے کسی دوسرے کی بیٹی کی سانسیں ختم کی تھیں۔ اُس کے اپنے بیٹے نے اپنی بہن کی سانسیں اس بے دردی سے ختم کی تھیں کہ انسانیت چیخ اُٹھی تھی۔ وہ اس سفاک حقیقت کو قبول نہیں کر پائے اور نتیجتاً پاگل پن کے شدید دورے پڑنے لگے تھے۔

سکندر نے ایک مہینے کے اندر آنے کا کہا تھا۔ وہ وہاں سے اپنا بزنس ختم کر کے اپنی فیملی کے ساتھ ہمیشہ کے لیے گاؤں واپس آنا چاہتا تھا۔

نازنین کے مرنے کے ایک ہفتے بعد زویا پہ فالج کا اٹیک ہونے کی خبر ملی تھی۔ قدرت کا انتقام مکمل ہوا بہت ہی بھیانک طریقے سے..... شہناز بیگم اپنے بچوں کی اس حالت پہ فقط اتنا کہتیں۔

"کاش کہ میرے بچے میری بات مان لیتے..... کاش میرے بچے یوں غلط راستے پہ نہ چلتے۔"

اُنہوں نے تو اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی اُنہیں اچھا انسان بنانے کی اُب اُن کے پاس اُن کی اس حالت پہ آنسو بہانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

❁.....❁.....❁

نازنین کے جانے کے بعد شاہ ویز کو چپ لگ گئی



Digitized by Google

تھی۔ نہ اُسے کھانے کا ہوش تھا نہ پینے کا۔ کسی سے بھی اُس کی یہ حالت دیکھی نہ جاتی۔ یوسف اور وجیہہ کے علاوہ سب ہی وجہ جاننے میں ناکام تھے لیکن وہ خاموشی سے اُنہیں دیکھتا رہتا۔ آج کتنے ہی دنوں بعد اُس نے حیات ولا سے باہر قدم نکالا تھا اور پھر وہ باغوں کی طرف نکل آیا تھا۔

کتنی ہی یادیں اس جگہ سے وابستہ تھیں۔ اُس کی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب ہو رہی تھیں۔ اُس نے آج اُنہیں چھلکنے دیا تھا...... وہ رو رہا تھا۔ اُس کا دل کر رہا تھا کاش! چپکے سے نازنین لوٹ آئے اپنے نازک ہاتھوں سے اُس کے آنسو پونچھ کے اُسے مسکرانے پہ مجبور کردے۔ وہ اپنے آنسو صاف کرتا خود پر ضبط کرتا واپس آ گیا۔

جب ہی وجیہہ اُس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے پاس بیٹھتے ہوئے دھیرے سے کہنے لگی۔

"جب نازنین حویلی آئی تھی تو اُس نے مجھے بتایا تھا تمہارے بارے میں۔ میں نے پوچھا محبت کرتے ہو ایک دوسرے سے؟ تب وہ بولی' نہیں خالہ ہمارا محبت کا رشتہ نہیں ہے۔ ہماری سانسیں ایک دوسرے سے جڑی ہیں۔ تم دونوں کی سانسیں ایک تھیں ناں؟ ایک کی سانسیں ختم ہوجانے کا یہ مطلب نہیں کہ اب دوسرے کی سانسیں بھی آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی سانسیں بھی تمہارے حوالے کر گئی ہے...... اب تمہارے پاس یہ اُس کی امانت ہیں۔ تمہیں اُنہیں سنبھال کے رکھنا ہوگا۔ تم اُسے جب بھی محسوس کرو گے وہ تمہیں اپنے بہت قریب محسوس ہوگی۔" شاہ ویز نے اُن کی بات سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ وہ اُس کا ماتھا چومتے ہوئے اُٹھ گئیں۔ شاہ ویز اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کے اپنے دل کی دھڑکن سُننے لگا تھا۔

❁......❁......❁

یوسف بھی مریم اور اپنے بیٹے کے ساتھ ہمیشہ کے لیے گاؤں لوٹ آیا۔ ایک مہینے بعد سکندر بھی اپنی بیوی ضوباریہ اور بچوں کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گاؤں واپس آ گیا۔ حیات ولا اور شہباز ولا والوں نے اُن کا پُرجوش استقبال کرتے ہوئے سکندر کی دوسری بیوی ضوباریہ اور اُن کے بچوں ہالے سکندر خان' اشعر سکندر خان کے ساتھ انوشے عبدالحنان کو بھی کھلے دل سے قبول کرلیا تھا۔ سارا خاندان پھر سے ایک ہو گیا تھا۔ شاہ ویز نے بی بی جان اور آغا جان سے کیا اپنا وعدہ نبھا دیا تھا۔

اگلے دن صبح فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ اُنہیں ساتھ لیے اپنا کالج دکھانے لے آیا جو ابھی تعمیر کے مراحل میں تھا۔ سکندر نے اپنے بیٹے کی کاوش کو سراہا اور پھر اپنے قدم حیات ولا کی جانب بڑھا دیے۔

"کالج کی بنیاد میرے بیٹے نے رکھی ہے۔ اس گاؤں میں ایک بڑے سے ہسپتال کی بنیاد میں رکھوں گا۔"

"بابا جان...... یہ آئیڈیا مجھے کیوں نہیں آیا۔ ہسپتال تو کالج سے بھی زیادہ ضروری ہے۔"

"پُتر جی...... جتنے مرضی جینیس ہو جاؤ لیکن باپ سے آگے نہیں نکل سکتے۔" شاہ ویز کا اُن کے انداز پہ قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"بابا جان ایک دفعہ پھر کہیے گا۔"

"کیا......؟" سکندر نے ماتھے پہ تیوری چڑھا کے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"پُتر جی......" شاہ ویز نے اُن کے انداز میں پُتر جی کہا۔

"باپ کی نقلیں اُتارتے ہوئے شرم نہیں آتی؟"

"بابا جان میں نقل تھوڑی اُتار رہا ہوں' میں نے تو بس ایک چھوٹی سی فرمائش کی ہے۔" شاہ ویز نے اپنا کان چھڑواتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا۔

یوں ہی باتیں کرتے حیات ولا کا گیٹ پار کرتے ہوئے دونوں باپ بیٹوں نے اندر قدم رکھا۔

صحن میں چار پائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ انوشے کے

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com


Digitized by Google

علاوہ سب ہی وہاں موجود تھے۔ اُن باپ بیٹے کو آتا دیکھ کے سب اُن کی طرف متوجہ ہوئے۔ بی بی جان سے چپک کے بیٹھی ہالے نے جھوٹی ناراضی سے منہ پھلاتے ہوئے کہا۔

”بابا جان...... آپ تو اِدھر آ کے ہمیں تو بھول ہی گئے ہیں۔“ اشعر بھی اُس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے شاہ ویز سے مخاطب ہوا۔

”تو اور کیا‘ یار بھائی...... آپ سے یہ اُمید نہیں تھی‘ آپ کو چاہیے تھا آپ ہمیں اپنا گاؤں دکھاتے لیکن آپ تو خود ہی بابا جان کو ساتھ لیے اکیلے اکیلے نکل پڑے۔ میں تو بہت خوش تھا مجھے ایک پارٹنر مل گیا لیکن آپ نے تو میری ساری اُمیدوں پہ پانی پھیر دیا۔“

”یار...... میں نے سوچا آپ لوگ تھکے ہوئے ہو جہاں تک گاؤں دیکھنے کی بات ہے تو شام کو چلیں گے سب۔“ شاہ ویز اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولا۔

ایک مہینے بعد......

حیات ولا برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ دائیں طرف بڑا سا اسٹیج گیندے کے پھولوں سے سجا ہوا تھا۔

مرد حضرات سفید کلف لگے سوٹوں میں ملبوس جبکہ خواتین کی اکثریت زیادہ تر پیلے رنگ کے کپڑوں میں تھی۔ اُبٹن‘ مہندی اور پھولوں کی سوندھی سوندھی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔

انوشے پیلے لہنگے اور چولی میں ملبوس۔ آنکھوں میں کاجل‘ ماتھے پہ بندیا، ہونٹوں پہ سُرخی‘ کانوں میں جھمکے‘ پیلے اور سفید تازہ پھولوں سے بنا تاج سر پہ ٹکائے، پاؤں میں نفیس سا کھسہ پہنے مکمل تیاری میں نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔

شاہ ویز سفید شلوار قمیص‘ پاؤں میں کھسہ‘ کلائی میں گھڑی پہنے بڑی ہوئی شیو اور گھنی مونچھوں کے ساتھ آج کچھ زیادہ ہی جاذب نظر لگ رہا تھا۔

ایک طرف سے دوپٹے کی چھاؤں میں خواتین کے گھیرے میں دُلہن کو اسٹیج تک لایا گیا۔ دوسری طرف شاہ ویز اسٹیج پہ آ کے انوشے کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ حیا کی لالی انوشے کے چہرے پہ بکھر گئی۔ حویلی کی عورتیں مہندی لگانے کے لیے اسٹیج پہ آئیں۔ شاہ ویز نے اُنہیں ہاتھ اُٹھا کے روک دیا۔

”دیکھیں بھئی، سب سے پہلے دُلہن اور دُلہا ایک دوسرے کو مہندی لگائیں گے پھر کوئی اور لگائے گا۔“ فضا اوئے ہوئے کی آوازوں سے گونج اُٹھی۔

”نہیں بھئی ایسا تو بالکل بھی نہیں چلے گا۔ پہلے بڑے لگائیں گے پھر بعد میں تم دونوں لگاتے رہنا ایک دوسرے کو۔“ وجیہہ نے اسے تنگ کرنے کے لیے کہا۔

”شاہ ویز بیٹا...... لگے رہو‘ ہمیں تو اپنے دل کے ارمان پورے کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔“ احسن نے تیزی سے کہا۔

”تو اب کرلو ہماری طرف سے اجازت ہے۔“ یوسف نے جوابی فقرہ اچھالا۔

”رہنے دو یار...... اب اس عمر میں کرتا اچھا لگوں گا؟“

”تو پہلے کون سا اچھے لگتے۔“ سکندر نے مُسکراہٹ دباتے ہوئے کہا تو ہال میں قہقہے گونج اُٹھے۔

مہندی کی رسم کے بعد ہال میں ایک طرف لڑکیاں ڈھولک تھام کے بیٹھ گئیں اور اس موقع کا بھرپور فائدہ اُٹھاتے شاہ ویز نے چپکے سے انوشے کا ہاتھ تھام کے اُس کے کان میں سرگوشی کی۔

”بہت بُرا ہوں میں۔ ابھی بھی وقت ہے‘ سوچ لو یہ نہ ہو کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔“ انوشے نے پلکوں کی جھالر اُٹھا کے اُس کی آنکھوں میں دیکھا اور شاہ ویز کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے مُسکرا دی۔

چہار سُو محبت کے دیے جلنے لگے تھے۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

# تیرے سنگ پیا

حمیرا تبسم

وہ لانگ کوٹ میں ملبوس اور سر پہ اونی ٹوپی پہنے چھوٹی سی پہاڑی پہ بیٹھی تھی۔ اس نے شال کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹا اور گود میں بیٹھی چھوٹی سی نرم سفید روئی کے گالوں جیسی بھیڑ پہ ہاتھ پھیرا۔

''تم اس کا خیال تو رکھو گی ناں؟'' کسی کا پوچھا گیا سوال اس کی سماعت سے ٹکرایا۔

''اپنی جان سے بھی زیادہ۔'' اور ساتھ ہی چھوٹی سی بھیڑ کو بانہوں میں اٹھالیا۔

''میں جلد آؤں گا..... پریشان مت ہونا۔'' وہ بیگ پیک کرتا ہوا اس کے قریب آیا۔

''کب آؤ گے؟'' وہ بھیگی آواز سے بولی تو چند آنسو بھی بہہ نکلے۔

''دسمبر میں.....'' وہ اس کے گال سے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں پر چنتے ہوئے بولا۔

''یعنی ایک سال بعد..... اتنا عرصہ رہ پاؤ گے مجھے دیکھے بنا؟'' وہ شکوہ کناں نگاہیں اس کے مردانہ وجاہت سے بھرپور چہرے پہ ڈالتے ہوئے بولی۔

''مجبوری ہے آخر وہاں اتنی اچھی جاب کی آفر ملی ہے سیٹل ہوتے ہی تمہیں اپنے سنگ لے جاؤں گا۔'' اس کے لہجے میں اتنی محبت گھلی تھی کہ چشمان نے ہار مان لی اور وہ جو اس کی محبت اور اس کا اپنا تھا' جز منی چلا گیا اور اس کی آنکھوں میں خواب دے گیا۔

''لاڈو..... گھر چلی جاؤ ورنہ بیمار پڑ جاؤ گی۔'' گلزار چچا کی آواز اسے ماضی سے واپس کھینچ لائی۔ ورنہ اس کا بس چلتا تو یادوں میں ہی جیتی رہتی۔

''میں بیمار نہیں ہوتی چچا اور اس دھند اور سرد موسم سے تو ویسے بھی مجھے عشق ہے۔'' وہ خود کو سنبھالتے ہوئے خوش مزاج لہجے میں بولی تو چچا گلزار اسے دیکھ کر مسکرائے اور بکریوں کے ریوڑ کی جانب دوڑے جہاں پہ ایک بکری اپنے بڑے سینگوں سے بھیڑ کو مار رہی تھی باقی بھیڑیں بھی سہمی ہوئی تھیں جبکہ کچھ بکریاں گھاس چرنے میں مصروف تھیں۔

یہ منظر دیکھ کر چشمان کے چہرے پہ مسکان بکھر گئی۔ وہ بھی چھوٹی تھی تو بکریاں چرایا کرتی تھی لیکن تعلیم کی وجہ سے اس نے بکریاں چرانا ترک کردیا تھا۔ ماں اس کے بچپن میں ہی وفات پا چکی تھی' بس دادی جان اور ابا جان ہی اس کی کل کائنات تھے' وہ اکلوتی تھی اس لیے اچھے اور مہنگے اسکول میں پڑھتی تھی۔ ابا جان نے دوسری شادی فقط اس لیے نہیں کی کہ سوتیلی ماں نہ جانے اس سے کیا سلوک کرے' ویسے بھی چشمان کی نیلی آنکھیں اور گلابی گال اپنی ماں جیسے تھے اس لیے اپنے ابا کو وہ بہت پیاری تھی۔

ابا جان کی لکڑیوں کی ٹال تھی۔ اس لیے بہت کام چلتا تھا۔ پیسے کی کمی نہیں تھی۔ جب اس نے ایف اے اچھے نمبروں سے پاس کیا تو ابا جان نے اسے ایک لیپ ٹاپ گفٹ کیا' وہ اتنی خوش ہوئی کہ ساتھ والے گھر یعنی ماموں کے گھر کی جانب دوڑی تھی۔

''عبداللہ..... دیکھو ابا جان نے مجھے بھی لیپ ٹاپ لے دیا' تم ہاتھ تک نہیں لگانے دیتے تھے ناں اپنے لیپ ٹاپ کو؟'' وہ فخر سے اٹھلاتے ہوئے ماموں کے صحن میں کھڑی گلا پھاڑ پھاڑ کے ماموں کے اکلوتے بیٹے کو جو اسی کا ہم عمر تھا اور دونوں کی سالگرہ ایک ہی دن منائی جاتی تھی' کو پکار رہی تھی۔

''کیا مصیبت ہے یار؟'' میری ساری نیند خراب کردی وہ آنکھیں ملتا اس کے قریب آیا اور اس



Digitized by Google

کے ہاتھ میں موجود لیپ ٹاپ دیکھ کر پوری آنکھیں کھولے غور سے دیکھنے لگا۔

"میری بیٹی کیسی ہے؟" نازمہانی نے پیار سے اسے گلے لگایا اور پاس کھڑے اپنے لاڈلے بیٹے کو ڈانٹا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو میری بیٹی کو؟ مبارک باد نہیں دو گے اسے؟ بھائی صاحب بتا رہے تھے کہ اس نے تم سے زیادہ نمبر لیے ہیں اس لیے لیپ ٹاپ لے کے دیا ہے اور تم ہمیشہ میری بیٹی سے پیچھے ہی رہنا۔" تب ہی عبداللہ کے چہرے کے تاثرات یک دم بدلے اور وہ شرارت سے منہ چڑاتی چشمان کی طرف لپکا' اگلے ہی پل وہ اپنے گھر کی جانب جانے والے راستے پہ دوڑ رہی تھی اور وہ اس کے پیچھے پیچھے۔

"رکو ابھی بتاتا ہوں ایک تو تم میری سالگرہ کا کیک بھی شیئر کرتی ہو اوپر سے میری امی ابا کو بھی اپنا بنالیا اور اب منہ چڑاتی ہو؟" وہ پھولی سانسوں کے ساتھ دوڑتے ہوئے تھک گیا تو درخت سے ٹیک لگائے اس کی طرف دیکھ کر حلق کے بل چلایا۔

"تو میں نے کہا تھا کہ اسی دن دنیا میں نازل ہو جاؤ جس دن مجھے ہونا ہے یا پھر پڑھائی سے زیادہ بھیڑوں کو ٹائم دو؟" وہ رکتے ہوئے پیچھے مڑی اور جب بولی تو آنکھوں میں شرارت کے رنگ واضح تھے' ماحول میں پھیلی ہلکی خنکی اور جنگلی پھولوں کی خوشبو کافی خوابناک تاثر پیدا کررہی تھی۔ اکتوبر کا مہینہ تھا اس لیے فضا میں ٹھنڈ پھیلنا شروع ہوچکی تھی۔ وہ اس کی بات سن کر مسکرایا غور سے اسے دیکھا اور گمبھیر آواز میں بولا۔

"ہماری پیدائش کا دن اور سال ایک' کلاس بھی ایک تو کیا خیال ہے اگر زندگی کا راستہ بھی ایک ہی ہو جائے اسی دسمبر میں؟ سالگرہ کے موقع پہ ایک دوسرے کے نام ہو جائیں؟" اس کا دل ایک پل کے لیے دھڑکا' محبت کا اتنا واضح اظہار سن کے اس کے چہرے پہ شرم کی لالی پھیل گئی ایسا لگا جیسے یہاں پہ موجود سب پھولوں کے رنگ اس کے چہرے پہ بکھر گئے ہوں۔

وہ سانسیں روکے' پلکیں جھکائے' دھڑکتے دل کے ساتھ وہیں کھڑی رہی جہاں کھڑی تھی' اس پل وہ عبداللہ کو ان پریوں میں سے ایک پری کی مانند محسوس ہوئی جو کہ سیف الملوک جھیل پہ آنے کے لیے مشہور تھیں' وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا' اس پر بھرپور نگاہ ڈالتا قریب آکر بولا۔

"دل ہار گئی ناں...... میرا سب کچھ جیتنے والی؟"

چشمان کا سر اثبات میں ہلا تو عبداللہ نے اسے خوشی

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube...



Digitized by Google

سے ہاتھوں سے پکڑتے ہوئے گھما ہی ڈالا۔

''ارے چھوڑو مجھے...... بچے نہیں ہیں ہم۔'' وہ شرماتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں جکڑے اپنے ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔

''وہی تو' بچے نہیں ہیں ہم۔ اب بتاؤ اماں ابا کو کب لے کر آؤں...... دسمبر میں ٹھیک رہے گا ناں؟'' وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے ہونٹ کا نچلا کونا دانت تلے دباتے ہوئے بولا تو وہ شرما گئی اور گھر کی جانب دوڑ لگادی جو سامنے ہی تھا۔

اس دسمبر میں دونوں گھروں میں دو دو خوشیاں منائی گئیں ان کی سالگرہ اور منگنی کی' سب ہی خوش تھے' ابا جان' دادی جان' ماموں ممانی اور وہ دونوں بھی...... یہ دسمبران کے لیے محبت اپنی گود میں لیکر اترا تھا۔ جنگلی پھولوں کے زیور پہنے اور سادہ پیلے رنگ کی فراک پہنے چشمان بہت خوبصورت لگ رہی تھی اور سفید کاٹن کی شلوار قمیص کے پر بلیک واسکٹ پہنے عبداللہ کسی شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

جیسے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنائی' فضا مبارک باد اور دعاؤں سے گونج اٹھی۔ وہ محبت سے اسے ہی دیکھ رہی تھی جو نہ جانے کب سے اس کے دل میں موجود تھا لیکن وہ جانتی نہیں تھی' کاش میں ہمیشہ تمہارے ہی سنگ رہوں' اس کے دل سے دعا نکلی۔

''ارے دونوں ادھر آؤ۔ اب کیک بھی کاٹو۔'' دادی جان نے انہیں بلایا تو انہیں جانا پڑا' کیک پہ اس بار دو جملے تحریر تھے' ہیپی برتھ ڈے اینڈ ہیپی انگیجمنٹ چشمان اور عبداللہ' دونوں کے دل کیک ایک ساتھ کاٹتے ہوئے پہلی بار ساتھ دھڑک رہے تھے۔

کچھ دنوں بعد ہی وہ جرمنی چلا گیا واپسی کا وعدہ کر کے اور چشمان نے اس سے بھیڑ کا وہ بچہ مانگ لیا جسے وہ بہت پیار کرتا تھا۔

جیسے ہی بارش شروع ہوئی' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب کم ہوتی دھند کے ساتھ بارش کی چادر سی تن گئی تھی' ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ جنت میں کھڑی ہو' بکریاں قلانچیں بھرتی گھاس کو چھوڑے' بھاگتی پھر رہی تھیں جبکہ چرواہے ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ دیو قامت درخت ہوا کی دوش پہ سر ہلاتے بارش کا استقبال کررہے تھے' وہ سردی اور بارش میں ٹھٹھرتی ہوئی اور گود میں چھوٹی سی سہمی ہوئی بھیڑ کو سنبھالے' دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی خوبصورت لکڑی سے بنے اپنے گھر کا گیٹ پار کر گئی۔

''ارے چشمان بیٹی...... آگئیں تم؟ سردی بڑھ رہی ہے اور تم پتا نہیں کیوں باہر نکل جاتی ہو۔ اب یوں بھیگ کے آگئیں۔'' اس کو آتا دیکھ کر دادی جان نیچے برآمدے کے فرش پہ لکڑیاں رکھ کر فکر مندی سے بولیں اور اس کی گود سے بھیڑ کا بچہ لے کر چھوٹے سے لکڑی کے گھر میں داخل کر دیا۔ ساتھ میں ایک پلیٹ میں رکھے پھلوں اور سبزی کے پتے بھی اسے ڈال دیے۔

''دادی جان...... آپ بھی ناں بس میری ایسے فکر کرتی ہیں جیسے میں گم ہو جاؤں گی یا پھر بارش میں پیار......'' گیلی شال اور ٹوپی اتار کہ اس نے سامنے تخت پہ پھینکی اور دادی جان کے گال پہ پیار کیا۔

''اچھا اچھا اب زیادہ مسکہ مت لگاؤ' لکڑیاں لے کر کچن میں آؤ۔ میں تمہارے لیے سبزیوں کا سوپ بنا دیتی ہوں' سردی لگ رہی ہوگی۔'' دادی اسے خود سے دور کرتے ہوئے لکڑیاں اٹھائے کچن میں چلی گئیں تو وہ بھی پیچھے ہولی۔

URDU TUBE
A HOUSE OF ENTERTAINMENT
www.urdutube...com



Digitized by Google

بارش ابھی تک ہو رہی تھی اور آج پھر وہ اسے شدت سے یاد آرہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا بات کرنے کو لیکن وہ خفا تھی اس سے۔

دادی جان انگیٹھی میں لکڑیاں جلائے سوپ بنانے میں مصروف تھیں۔ چشمان کو اپنی بوڑھی دادی پہ پیار سا آیا جو اس عمر میں بھی چاق و چوبند تھیں اور اپنا ہر کام خود کرتی تھیں۔ ان کا چہرہ جھریوں سے بھرا ہوا تھا لیکن جلد چمکتی ہوئی اور شفاف تھی۔ وہ جوتے سائیڈ پہ اتار کر فرش پہ بچھی دری پہ بیٹھ گئی‘ کچن کے گرم اور حرارت سے بھرپور ماحول میں اس کو جسم میں توانائی سی اترتی محسوس ہوئی۔ وہ ہاتھ ملتے ہوئے انگیٹھی کے مزید قریب ہوئی اور ہاتھ سینکنے لگی۔

’’عبداللہ کیسا ہے؟‘‘ دادی جان نے سوپ کا پیالہ اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے سوال کیا ساتھ ہی مزید لکڑیاں انگیٹھی میں ڈال دیں۔

دادی جان کے غیر متوقع سوال پہ وہ تھوڑی جز بز ہوئی اور اپنے چہرے کے تاثرات چھپاتے ہوئے نارمل لہجے میں بولی۔

’’وہ ٹھیک ہے اور آپ کا پوچھ رہا تھا‘ سلام کہہ رہا تھا۔‘‘ اس نے جھوٹ بولا اور سوپ سے بھرا چمچ منہ تک لے گئی جبکہ سچ یہ تھا کہ وہ کافی دنوں سے عبداللہ سے خفا تھی۔ بات تک نہیں کررہی تھی۔ عجیب سا خوف اور وہم تھا جو اس کو گھیرے رکھتا‘ جبکہ عبداللہ نے کافی ایس ایم ایس بھی کیے کہ مسئلہ کیا ہے‘ کوئی پریشانی ہے تو بتاؤ۔ وہ جواب دیے بنا ہی لمبی گہری سانس لیے ایس ایم ایس ڈیلیٹ کردیتی۔

’’بہت پیارا بچہ ہے‘ بس جلدی سے آئے تو میں تمہارے ہاتھ پیلے کردوں۔‘‘ دادی جان نے دوبارہ سے گفتگو کا سلسلہ جوڑتے ہوئے اسے پیار سے دیکھا جو ان کی لاڈلی پوتی تھی۔

’’میں آپ اور ابا جان کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی‘ مجھے آپ کے پاس ہی رہنا ہے۔‘‘ وہ ایک دم اداس ہوئی۔

’’لو اب یہ کیا بات ہوئی۔ لگتا ہے میری بیٹی کا دماغ چل گیا بھلا بیٹی بھی ساری زندگی ساتھ رہتی ہے؟ جھلی نا ہو تو۔‘‘ دادی جان مسکرائیں اور سوپ کا پیالہ لبوں سے لگالیا وہ چمچ استعمال نہیں کرتی تھیں۔

’’میں کچھ نہیں جانتی بس آپ کو چھوڑ کر مجھے عبداللہ کے ساتھ نہیں رہنا‘ مجھے آپ اور ابا کی یاد آئے گی۔ آپ مجھے خود سے دور مت کریں۔‘‘ چشمان کے یوں جذباتی ہونے پر دادی جان اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھیں اور سینے سے لگاتے ہوئے حیران ہوئیں۔

’’لگتا ہے میری بیٹی کو نظر لگ گئی ہے ورنہ آج سے پہلے اتنی اداس تو نہ تھی۔‘‘ اسے روتا دیکھ کر سب سے پہلے دادی جان کے ذہن میں یہی بات آئی۔ وہ کچھ آیات پڑھتے ہوئے اس پہ پھونکنے لگیں۔

’’چپ ہو جاؤ چندا‘ تم میرے پاس ہی رہوگی۔ بس تم چپ ہوجاؤ ورنہ خاور تمہیں اس طرح روتا دیکھ لے گا تو پریشان ہوجائے گا۔ کیا تم چاہتی ہو کہ تمہارے ابا جان پریشان ہوں۔‘‘ انہوں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھاما تو وہ بے اختیار آنسو صاف کرتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے اٹھ کر کچن سے باہر نکل گئی جبکہ دادی جان کچھ نہ سمجھتے ہوئے پریشانی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

وہ آنسو صاف کرتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی اور بیڈ پہ بیٹھتے ہی پھر سے اداس ہوگئی‘ وہ عجیب الجھن کا شکار تھی ساتھ میں عبداللہ پہ جو اعتماد تھا وہ بھی ڈگمگا رہا تھا‘ اسے کھونے کا ڈر رات دن چین نہ لینے دیتا۔ شروع شروع میں وہ اس سے ہر روز اسکائپ

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT



Digitized by Google

پہ بات کرتا یا پھر فون کرتا لیکن آہستہ آہستہ آفس کے کام میں مصروف ہوگیا تو چشمان نے بھی اسے تنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور نہ ہی ہر وقت فون کرتی' دن رات اس کی یاد میں انگلیوں پہ گنتے گزار رہی تھی۔

محبت نے اسے سرتا پا بدل دیا تھا' کبھی دادی اماں سے کھانے بنانا سیکھتی تو کبھی کڑھائی سلائی کیونکہ منگنی کے بعد اس نے پڑھائی چھوڑ دی تھی اور مکمل طور پہ گھر داری سیکھ رہی تھی' نمانی اور ماموں اسے دیکھ کر صدقے واری جاتے۔

اسے آج بھی یاد تھا جب آخری بار عبداللہ نے اسے اسکائپ پہ کال کی تھی۔ وہ اس کی پسند کا گلابی فراک پہنے' مسکراتا چہرہ لیے اس سے بات کر رہی تھی تو اچانک ہی ایک لڑکی جو یورپین تھی اس سے بات کرتے عبداللہ کے پیچھے آکر کھڑی ہوگئی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں عبداللہ گھبرا گیا جبکہ وہ پریشان بیٹھی چشمان کو دیکھ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے انگلش میں بولی۔

''ہائے..... ہاؤ آر یو بے بی؟'' عبداللہ کے چہرے کا رنگ فق ہوا اس سے پہلے کہ وہ چشمان کو کچھ بتاتا چشمان نے خود ہی لیپ ٹاپ بند کر دیا' تب ہی سے محبت کے رنگ پہ شک کا گہرا رنگ نمودار ہونا شروع ہوگیا تھا' اس نے تو یہ تک سوچ ڈالا کہ عبداللہ گوریوں کے چکر میں جرمنی گیا ہے اور مجھ سے صرف فلرٹ کیا ہے اور لڑکیوں کے تو دل ویسے بھی نازک ہوتے ہیں ذرا سی چوٹ لگے تو ٹوٹ جاتے ہیں۔ وہ بھی ٹوٹ گئی تھی۔ بدگمانی محبت کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے لیکن یہ کیسی بدگمانی تھی جو اسے ہی چاٹ رہی تھی اور وہ مزے سے دور بیٹھا انجان تھا۔

جبکہ اس کے دل میں امڈنے والے خدشات دریائے کنہار کی گہرائی اور اس کے بہتے پانی کے شور سے بھی زیادہ پُرشور اونچے لمبے ڈراتے سائے کی مانند درختوں سے بھی زیادہ لمبے' جنگلی پھولوں کے ساتھ لگے کانٹوں سے بھی زیادہ تیز اور نوکیلے تھے' دکھ اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔ وہ ڈر رہی تھی' بھاگ رہی تھی لیکن بچ نہیں پا رہی تھی۔ کمرے میں کھلی کھڑکی سے تیز ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا تو اس کے کھوئے ہوئے حواس لوٹے۔ وہ اٹھی اور کھڑکی بند کر دی۔ بارش بھی رک چکی تھی۔

اس نے وضو کیا اور جائے نماز بچھا کر سجدے میں گر گئی۔ آنکھوں سے بہنے والے آنسو جاء نماز بھگو رہے تھے۔ وہ سراپا دعا بنی اللہ سے دل کا سکون مانگنے لگی تھی۔

❁.....❁.....❁

دسمبر شروع ہوتے ہی برف باری کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔ وہ بیلچہ اٹھائے گھر کے آگے سے برف ہٹا کر راستہ صاف کر رہی تھی۔ تاحد نگاہ برف ہی برف دکھائی دے رہی تھی۔ راستے بند تھے' اس لیے اسکول بھی بند تھے۔ بچے سامنے میدان میں کھیل رہے تھے جبکہ مائیں بلا بلا کر تھک گئی تھیں۔ کاش یہاں بھی کوئی ایسی مشین ہوتی جس سے برف منٹوں میں صاف کر لی جاتی لیکن ایسا یہاں کہاں ممکن تھا' چشمان نے دکھ سے پھیلی برف کو دیکھ کہ تاسف سے سوچا اور ایک بار پھر بیلچہ اٹھائے شروع ہوگئی۔ اس نے کافی دنوں سے دن گننا بھی چھوڑ دیے تھے' دسمبر سے کافی یادیں جڑی تھیں اور یہ دسمبر تو ویسے بھی خاص تھا لیکن وہ خاموشی کی چادر تانے بس جی ہی رہی تھی۔ موبائل بھی آف کر رکھا تھا۔ کئی بار دل چاہا کہ عبداللہ سے رابطہ کرے' پوچھے۔

''کب آؤ گے' دسمبر تو آگیا۔'' لیکن جلد ہی خیالات پر پہرہ لگا لیا۔ ''وہ مصروف ہوگا کسی گوری



Digitized by Google

میم کے ساتھ..... میں اس کے دل میں تو کیا شاید اب یادوں میں بھی نہیں ہوں گی۔'' وہ برف کو ایک طرف ہٹاتی سوچوں میں الجھی گھر میں داخل ہوئی تو دادی جان اور ابا جان اس کی سالگرہ کے متعلق بات کررہے تھے جو کل تھی۔

چشمان نے ایک نظر ان کو دیکھا اور بیلچہ دیوار کے ساتھ رکھتے ہوئے نہایت دکھ سے بولی۔

''ابا جان' مجھے نہیں کرنی اس بار سالگرہ' اب بڑی ہوگئی ہوں' خوامخواہ فضول خرچی ہوگی۔'' جبکہ ایسا کہتے ہوئے اس کا دل دکھ رہا تھا' عبداللہ کی یاد ستا رہی تھی لیکن پھر بھی بول گئی۔ خاور حیات نے اپنی گڑیا جیسی بیٹی کو دکھ سے دیکھا جو کہ کافی اداس لگ رہی تھی۔ نہ جانے کون سا دکھ دل میں آن بسا تھا۔

''یہ سالگرہ ہوگی اور ضرور ہوگی' بلکہ دھوم دھام سے ہوگی اور میری بیٹی کے لیے یادگار رہوگی اور فضول خرچی کا تم نام مت لینا ورنہ خفا ہو جاؤں گا' بیٹی کو خوشیاں دیتے وقت باپ کا سینہ خوشی سے چوڑا ہو جاتا ہے' مجھ سے یہ حق مت چھینو۔ اب تم ہی تو ہو جس کو دیکھ کے میں جیتا ہوں۔'' وہ محبت سے بولتے ہوئے اس کے قریب آئے اور اسے سینے سے لگالیا۔ باپ کے سینے سے لگتے ہی وہ تمام دکھ بھول گئی اور مسکراتے ہوئے بولی۔

''ابا جان آپ کو مکمل حق ہے مجھ پہ لیکن کیک میری پسند کا ہوگا اور وہ بھی چاکلیٹ والا۔''

''اور سوٹ ہماری طرف سے۔'' ممانی کی آواز پہ اس نے ابا جان سے الگ ہوتے ہوئے دروازے کی جانب دیکھا تو وہ ہاتھوں میں شاپنگ بیگ پکڑے' مسکراتی ہوئی محبت پاش نظروں سے دیکھتی اس کے پاس ہی آرہی تھیں جبکہ ماموں جان بھی ساتھ تھے۔

''کیسی ہے میری بہو؟'' ممانی جان نے اسے پیار سے گلے لگاتے ہی پوچھا تو ان کے بہو کہنے پہ وہ شرما گئی اور صرف مسکرا ہی سکی جبکہ دل میں انجانا سا درد اٹھا۔

اگر ممانی کو معلوم ہو جائے کہ ان کا بیٹا کیا گل کھلا رہا ہے تو دکھ سے نڈھال ہی ہو جائیں لیکن میں انہیں خود سے کچھ نہیں بتاؤں گی جب تک سچ خود نہیں سامنے آجاتا' وہ یہ سب سوچتے ہوئے ماموں کو سلام کرنے اور سوٹ اٹھانے اپنے کمرے میں آگئی۔ شاپر سے نکال کر دیکھا تو بس دیکھتی ہی رہ گئی۔ فیروزی رنگ کی کامدار فراک نہایت ہی خوب صورت تھی' ساتھ میں چوڑیاں اور جیولری بھی تھی' کاش ایسا نہ ہوتا' وہ اتنی دور نہ جاتا تو آج ہم ہمیشہ کی طرح اکٹھے سالگرہ مناتے' اس کی بھی تو سالگرہ ہے کل۔

چشمان کے چہرے پہ اس کی یادوں کے ساتھ ساتھ فکرمندی کے بھی سائے لہرائے لیکن بہت جلد ہی اس نے خود کو نارمل کیا اور سب کچھ الماری میں رکھتے ہوئے ماموں ممانی کے لیے چائے بنانے کچن میں آگئی جہاں پہلے ہی دادی جان بیٹھی گڑ والی چائے بنا رہی تھیں' باقی سب دریوں پہ بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے' وہ بھی وہاں بیٹھتے ہوئے ان سب کی خوشیوں کی دعا مانگنے لگی' جن کے دل میں صرف محبت بستی تھی' جو رشتوں کا پاس رکھنا جانتے تھے' جو اس کے اپنے تھے' نہ جانے عبداللہ کس پہ چلا گیا' اس کی سوچ بھٹک کر ایک بار پھر سے اس کی جانب پلٹی' نہ آئے مجھے کیا! وہ خود کو سمجھانے لگی جبکہ دل تھا کہ اسے دیکھنے کو بضد تھا اور وہ تھی کہ خفا' شک اور بدگمانی کی فضا میں سانس لے رہی تھی۔

❁.....❁.....❁

گھر روشنیوں میں نہایا ہوا تھا' سب بہت خوش



Digitized by Google

تھے' ہمیشہ کی طرح آج بھی ماموں' ممانی' ابا جان اور دادی جان اسے گھیرے ہوئے تھے' باقی رشتہ دار بہت دور رہتے تھے انہیں مدعو کرنا مشکل تھا بس سادگی سے ہی سالگرہ منائی جاتی تھی لیکن آج اتنا ضرور ہوا تھا کہ گھر کو سجایا گیا تھا کئی قسم کے کھانے ممانی جان نے پکا لیے تھے۔

وہ نک سک سے تیار' پھولوں کا تاج پہنے' آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ خود کو ادھورا محسوس کر رہی تھی۔ اس بار وہ اکیلی تھی۔ کیک پہ صرف اس کا نام لکھا جانے والا تھا کیونکہ وہ دور تھا۔

''تم نہیں آئے ناں؟'' اس کے دل سے شکوہ نکلا اور آنکھوں میں نمی چمکی لیکن وہ زبردستی مسکراتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی جہاں سب کیک سجائے اسی کا انتظار کر رہے تھے۔

''تم جیو ہزاروں سال۔'' ابا جان نے اس کے ماتھے پہ بوسہ دیا جبکہ ماموں جان نے اسے گلے سے لگایا۔

''بھئی اب کیک بھی کاٹو۔'' وہ دادی جان کے گلے سے لگی دعائیں لی رہی تھی کہ ممانی جان نے اسے پکارا اور ساتھ ہی چھری بھی تھما دی۔

کیک پہ لکھی عبادت دیکھ کر وہ چونکی' جہاں پہ ''ہیپی برتھ ڈے چشمان اینڈ عبداللہ'' لکھا چمک رہا تھا' اس کا دل ایک پل کے لیے دھڑکا عبداللہ کے مخصوص پرفیوم کی خوشبو اسے آس پاس محسوس ہوئی تو اس نے سر گھما کے چاروں جانب نظر گھمائی۔ مایوس ہو کر کیک پہ چھری رکھی ہی تھی کہ کوئی چلتا ہوا اس کے قریب آ کھڑا ہوا اور اس کے ہاتھ میں تھامی کیک کاٹتی چھری پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو چشمان۔'' چشمان نے رکتی سانسوں اور یقین نہ کرتی نگاہوں سے سامنے کھڑے عبداللہ کو دیکھا' جو پہلے سے کافی وجیہہ ہو گیا تھا جبکہ سب کے بلند و بانگ قہقہوں سے اسے اندازہ ہوا کہ عبداللہ کی آمد سے سب واقف تھے سوائے اس کے۔

''صرف مجھے ہی بے خبر رکھا گیا۔'' وہ بت بنی اسے دیکھتی رہی جبکہ اس نے کیک کا ٹکڑا اٹھا کہ اس کو کھلانا چاہا۔ اس نے نم ہوتی آنکھوں سے اس کے ہاتھ سے کیک کھایا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ میں وعدہ وفا نہ کروں' اس دسمبر میں نہ آؤں؟'' وہ مسکراتے ہوئے اس ہونق بنی لڑکی کو جواب دیتے ہوئے کیک دادی جان کو کھلانے لگا۔

''بیٹی..... ہم نے عبداللہ کے کہنے پہ ہی تمہیں اس کے آنے کا نہیں بتایا تھا۔ یہ تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا۔'' ماموں جان نے پریشان کھڑی چشمان کو وضاحت دی۔

وہ بس مسکرا کے رہ گئی' لیکن خوش تھی کہ وہ آ گیا تھا' سب کے چہروں پہ مسکان سجی تھی۔ وہ بھی بہت خوش تھا' کھانا کھا کر وہ چائے کا مگ لیے اپنے کمرے میں آ گئی اور کھڑکی سے باہر آسمان کو دیکھنے لگی جہاں پر ابھی تک بادلوں نے ڈیرہ جمایا ہوا تھا۔

''کیسی ہو..... تم خفا تھیں مجھ سے؟'' وہ بھی چائے کا مگ اٹھائے اس کے پیچھے چلا آیا اور برابر میں کھڑا ہو گیا' نگاہیں اس پری وش کے چہرے پہ ٹکا دیں' جو خفا چہرا لیے چائے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔

''زندہ ہوں..... خفا نہیں بلکہ دکھی ہوں' تم سب گھر والوں کے ساتھ ساتھ میرے دل سے بھی کھیل رہے ہو۔'' اس کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا' وہ مشکل سے ضبط کیے کھڑی تھی جبکہ گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا اٹکا ہوا تھا۔

چشمان کی بات سن کہ وہ ساکت رہ گیا' اس کی



Digitized by Google

آنکھوں میں جلتی محبت کی روشنی مانند پڑنے لگی جبکہ ہونٹ خشک ہوگئے' وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھے گیا اور جب بولا تو لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا چشمان کہ تمہاری محبت اتنی اندھی ہوگی' بھروسا اتنا کچا ہوگا کہ تم مجھے شک کے کٹہرے میں کھڑا کردو گی۔ وہ مارٹی تھی' میری آفس کولیگ' آزاد ذہنیت کی مالک' وہ تو سب کے ساتھ ہی بے تکلفی برتتی ہے تم نے اتنی سی بات پہ میری سالوں کی محبت بھلادی' مجھ پہ اعتماد نہیں کیا۔'' وہ بولتا گیا اور اس کے الفاظ پر چشمان شرمندہ ہوتی گئی' اس نے خود کو کسی گہرے کنوئیں میں گرتا پایا۔

''اگر تمہیں واقعی مجھ پہ اعتبار نہیں تو توڑ دو یہ رشتہ.....''

''پلیز ایسا دوبارہ مت کہنا۔'' اس کی آخری بات سن کے چشمان کے جسم سے جیسے روح نکلنے لگی اس نے تڑپ کے اپنا ہاتھ عبداللہ کے ہونٹوں پہ رکھا۔

''کیا مجھے معافی نہیں مل سکتی؟'' وہ روتے ہوئے بولی۔ اسے روتا دیکھ کہ عبداللہ کے دل کو کچھ ہوا' وہ نادان تھی لیکن تھی تو اس کی محبت۔

''معافی مل سکتی ہے لیکن ایک شرط پر۔'' وہ پچھلی تمام باتیں بھلائے مسکراتے ہوئے بولا تو چشمان کے چہرے پہ خوشی کے رنگ بکھر گئے۔

''کیسی شرط؟'' وہ بے اختیار بولی۔

''یہی کہ چند دنوں تک ہماری شادی ہے۔ سب نے ڈیٹ فکس کردی ہے اور تمہیں شادی پہ میری مرضی کا ڈریس پہننا ہوگا۔'' اس کی بات سن کہ چشمان کے چہرے پہ حیاء کی لالی بکھر گئی' اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور تمام وہم' خدشات دھواں بن کے اڑ گئے تھے۔ وہ لرزتے ہونٹوں سے بمشکل ہاں بول پائی۔

''تم دادی جان اور ابا جان سے دور نہیں رہ سکتی ناں؟ چلو میں ایسا کرتا ہوں ادھر ہی اپنا کروبار شروع کرتا ہوں تاکہ تم خوش رہو اور میں تمہیں خوش دیکھ کر خوش۔'' وہ اسے حیران کررہا تھا۔ شوخ نگاہوں سے اسے دیکھنا بہت ہی پیارا لگ رہا تھا۔

''تمہیں یہ سب.....''

''دادی نے بتایا۔'' وہ اس کی مکمل بات سنے بنا سمجھتے ہوئے جواب دے کہ ہنسنے لگا تو خوب شرمندہ ہوئی اور دل میں سوچا' یہ دادی بھی ناں کیا ضرورت تھی میری باتیں عبداللہ کو بتانے کی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' ٹھنڈی ہوتی چائے کا گھونٹ بھرتے ہی وہ اسے والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''کچھ نہیں' چائے گرم کردوں؟'' وہ اس کی شوخ نگاہوں سے دور جانا چاہتی تھی اس لیے بولی۔

''واہ..... ابھی سے خدمتیں شروع؟'' وہ مزید شوخ ہوا اور چائے کا مگ ایک ہی سانس ختم کردیا۔

''بس تم سامنے کھڑی رہو اور یہ وقت تھم جائے' میرے سنگ خوش تو رہو گی ناں؟'' وہ اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلاتے ہوئے بولا۔

''جی رہوں گی۔'' اس نے شرماتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔

دل سے سارے وہم مٹائے وہ اسے دیکھ رہی تھی جو اس کا ہمسفر تھا' یہ دسمبر اس کے لیے محبت لیے آیا تھا۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT



Digitized by Google

# رحمت اللعالمین ﷺ

## فائقہ

انبیا کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے اور ہر قوم کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا ہر نبی نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور ان کی اصلاح کے لیے کام کیا۔ مگر بعض بدبخت قوموں نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا جس پر اللہ کا عذاب نازل ہوا اور رہتی دنیا تک کے لیے وہ عبرت کا نشان بن گئے۔ ایسے دور میں جب ہر طرف جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی اور لوگ ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھے تو ان کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بھیجا جو تمام انبیاء کرام کے سردار ہیں۔

آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تشریف آوری اس دنیا میں بارہ ربیع الاول بروز پیر کو ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے والد ماجد آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پیدائش سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا نام "محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم" رکھا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پرورش بھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دادا نے کی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے "رحمت اللعالمین" بنا کر بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ ایک دن حضرت قتادہؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا' آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اخلاق کیا تھے؟" تو آپؓ نے جواب دیا کہ "کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔" قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ

ترجمہ: "بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم اخلاق کے بڑے درجے پر ہیں"۔

حضرت محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم صادق اور امین تھے۔ امانت داری اور دیانت داری کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو "امین" کا خطاب ملا تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہمیشہ سچ بات کی اور جھوٹ سے گریز کیا' یہاں تک کہ مذاق میں بھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جھوٹ نہیں بولا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جھوٹ کو تمام برائیوں کی جڑ قرار دیا۔ ایک دن ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم! مجھ میں تین برائیاں ہیں۔ چوری کرتا ہوں' جھوٹ بولتا ہوں اور شراب پیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دین اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے بہت اذیتیں برداشت کیں۔ دشمنان اسلام نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھیوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور صحابہؓ نے ہر مصیبت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم دین اسلام کی تبلیغ کے لیے طائف گئے تو طائف والوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دین کو جھٹلایا اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی دعوت قبول کرنے کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر پتھر برسائے جس سے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جوتے مبارک تک خون سے بھر گئے۔ اسی دوران حضرت جبریلؑ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے فرمایا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم چاہیں تو طائف والوں کو پہاڑوں کے درمیان نیست و نابود کر دوں' تاکہ ان کا نشان بھی باقی نہ رہے۔

آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ "نہیں ایسا نہ کریں کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے "رحمت اللعالمین" بنا کر بھیجا ہے۔ ان میں سے نہیں تو شاید ان کی اگلی نسلوں میں سے کوئی دین اسلام قبول کر لے۔

ایک عورت جو روزانہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر کوڑا پھینکا کرتی تھی۔ ایک دن اس نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر کوڑا نہ پھینکا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے اس کا سبب پوچھا۔ صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ وہ عورت بیمار ہے جو روزانہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر کوڑا پھینکا کرتی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس عورت کی عیادت کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا حسن سلوک دیکھ کر ایمان لے آئی۔ اسی طرح ایک یہودی بچہ جو صحابہ کرامؓ کے بچوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا' نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی اسے دیکھا کرتے تھے۔ ایک دن وہ بیمار ہو گیا اور کھیلنے کے لیے نہ آ سکا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے استفسار پر صحابہ کرامؓ نے جواب دیا کہ وہ لڑکا بیمار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس بچے کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اس بچے کے سرہانے بیٹھ کر دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جو اس بچے نے باپ سے اجازت لینے کے بعد قبول کر لی اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہمیشہ عفو و درگزر کا درس



Digitized by Google

دیا۔ خود بھی معاف فرماتے اور دوسروں کو بھی معاف فرمانے کی تلقین کرتے تھے۔ کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا یہاں تک کہ جانی دشمنوں کو بھی معاف کردیا۔

فتح مکہ کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے پوچھا۔

"تم لوگ کیا توقع رکھتے ہوں کہ میں تم لوگوں سے کیسا سلوک کروں گا؟"

لوگوں نے جواب دیا کہ "آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مہربان ہیں اور معاف کرنا پسند کرتے ہیں۔" آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جواب دیا کہ "آج میں تم لوگوں سے وہی کہوں گا جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

گھر کے کام کاج بھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خود کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم اپنی جوتی مرمت کر لیتے تھے۔ اپنے کپڑے سی لیتے تھے اور جس طرح تم گھر کے کام کرتے ہو اسی طرح گھر کے کام کرتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم غریبوں کی مدد کرتے تھے۔ یتیموں پر رحم کھاتے اور غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے۔ حاجت مندوں کی ضرورت پوری کرتے تھے۔ کبھی کوئی سائل آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم سخاوت کرنے والے تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم رمضان کے مہینے میں کرتے تھے حتیٰ کہ رمضان ختم ہو جاتا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس حضرت جبریلؑ تشریف لاتے تھے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم انؑ کے ساتھ قرآن کریم کو دہراتے تھے اور جب حضرت جبریلؑ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ملتے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم برسانے والی ہواؤں سے زیادہ سخاوت کرتے تھے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے چہرۂ انوار پر ہمیشہ بشاشت رہتی تھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم بہت نرم مزاج تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بات کرنا بہت آسان تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سخت دل اور بدمزاج نہ تھے نہ لوگوں کے عیوب بیان کرتے۔ نہ بخل کرتے جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پاس کوئی امید لے کر آتا تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس کو مایوس نہیں کرتے تھے۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم گفتگو فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہم مجلس اس طرح اپنے سروں کو جھکا لیتے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خاموش ہوتے تب وہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے بات کرتے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ان کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے عورت کو اس کا مقام و اعزت دی اور فرمایا۔ "عورتوں کا بھی تم پر ایسا ہی حق ہے جیسا کہ تمھارا ان پر ہے"۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے تمام نسلی امتیازات کا خاتمہ کر دیا۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا "تم میں سے کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر کسی عجمی کو عربی پر اور کسی عربی کو عجمی پر کوئی برتری نہیں۔ سوائے تقویٰ کے"۔

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے "تم زمین والوں پر رحم کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا۔" آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم غلاموں اور باندیوں کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آتے۔ کبھی کسی پر سختی نہیں کی۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ "میں نے دس سال تک آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت کی ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے مجھے کبھی اف تک نہیں کہا اور نہ ہی کبھی ڈانٹا۔"

غیر مسلموں نے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اخلاق اور شخصیت کی تعریف کی ہیں۔ باسورتھ اسمتھ کہتے ہیں۔ "سیرت محمدی پورے دن کی روشنی ہے جس میں محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو روز روشن کی طرح نمایاں ہے"۔

آرتھر گل مین آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی فتح درحقیقت دین کی فتح تھی سیاست کی فتح تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ذاتی مفاد کی ہر علامت کو پس پشت ڈالا اور کروفر شاہی کے ہر نشان کو مسترد کر دیا اور جب قریش کے مغرور اور متکبر سردار ان کے سامنے سرنگوں ہو کے آئے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان سے پوچھا تم مجھ سے کیا توقع رکھتے ہو؟ وہ بولے رحم کی تو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جواب دیا جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

مختصراً یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر دین و دنیا کی فلاح پا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین



Digitized by Google

# جیسا میں نے دیکھا

رفاقت جاوید

پروین اپریل 1992ء کی ایک شام میری برتھ ڈے اسٹینڈ کرنے ایک وزنی اور بڑے پیکٹ کے ہمراہ کامرہ پہنچی تو اتنا بڑا برتھ ڈے گفٹ دیکھ کر میرا تجسس بڑھا۔ میں نے فوراً پروین کے سامنے ہی اسے کھول دیا۔ اس میں کتابیں اور پیپرز تھے۔ میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر خوشگوار لہجے میں بولی۔ کچھ باتیں آپ کو زیب نہیں رف! رائٹنگ چھوڑنے پر ہر وقت سیلف پٹی کرنے سے بہتر ہے کہ آپ ایم اے کی ڈگری حاصل کریں۔ زندگی کے اتنے سال گزرنے کی خبر نہیں ہوئی تو آنے والے وقت کے گزر جانے کا بھی علم نہیں ہوگا۔ اپنی زندگی کو ضائع کرنا خود سے نا انصافی اور زیادتی ہے۔ آج کی برتھ ڈے کو نا قابل فراموش بنا دیں رف! ایک فیصلہ ابھی اور اسی وقت کریں۔ میری رف اسٹوڈنٹ کے روپ میں بہت بھلی لگے گی۔ اس کے لہجے میں پیار کے ساتھ تاسف بھی تھا۔ میں خاموشی سے کتابوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے اپنا موازنہ کرنے لگی کہ سالہا سال بتانے کے بعد اس مہم کو کیسے سر کروں گی جبکہ پروین میں چیلنج قبول کرنے کا بے تحاشہ حوصلہ اور ہمت تھی۔ وہ فوراً میدان میں کود جاتی اور مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر دم لیتی تھی۔

نجانے کیوں؟

25 دسمبر بروز اتوار موسم ابر آلود تھا۔ سردی زوروں پر تھی۔ ہم ہمیشہ اتوار کی دوپہر کا کھانا مل کر کھایا کرتے تھے۔ میں نے پروین کی پسند کا کھانا پکوایا تھا کیونکہ چھٹی کا دن تھا اور کھانے سے انصاف کرنا لازمی تھا میں اس کا انتظار کر رہی تھی کہ اس کا فون آ گیا میں نے اسے بتایا کہ میں نے چکن کارن سوپ اپنے ہاتھ سے اس کے لیے بنایا ہے وہ جلدی پہنچے کیونکہ ہمیں بھی بھوک ستا رہی ہے اور سردی نے بھی ناک میں دم رکھا ہے تو اس نے نہ آنے کی وجہ بتائی کہ میں نے بالوں میں مہندی لگا رکھی ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ گھر میں پانی کی ایک بوند نہیں۔ میں نے اسے کہا کہ "اپنا ایک جوڑا اٹھاؤ اور ادھر آ جاؤ۔ غسل کے بعد کھانا کھائیں گے اور پھر کافی کے لیے باہر نکل جائیں گے۔"

تو جب میں گھر واپس آؤں گی تو پانی پھر بھی نہیں ہوگا آج اتوار ہے۔ لوگ چھٹی کے موڈ میں ہیں۔ ڈرائیور اور خانساماں بھی غائب ہیں گیتو نے ناک میں دم کر رکھا ہے کہ عمر کے گھر چلیں لیکن میں سردی میں اس حالت میں گھر سے باہر نکلنا نہیں چاہتی وہ سنجیدگی سے بتا کر خاموش ہوگئی تو میں نے اسے پانی کا ٹینکر اور دوپہر کا کھانا بھیجنے کا کہہ کر فون بند کر دیا۔ آدھے گھنٹے میں پروین کے گھر ٹینکر بھی پہنچ گیا اور میرا ڈرائیور اسے کھانا بھی دے آیا۔ ہمیں اکیلے کھانا کھاتے ہوئے پروین کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ مجھے پریشان دیکھ کر جاوید نے مجھے دوبارہ کہا کہ کالف کے لیے جا رہا ہوں تم پروین کے گھر چلی جاؤ بچوں کی ملاقات ہو جائے گی اور تمہیں پروین سے مل کر تسلی بھی ہو جائے گی لیکن میں نے فون پر ہی رابطہ رکھنے کو بہتر سمجھا تھا۔

شام سات بجے پروین کا فون آیا کہ آج وہ ڈنر کے لیے پہنچ نہیں پائے گی کیونکہ وہ تھک چکی ہے۔ نیند سے آنکھیں بھی بوجھل ہیں اور بچا ہوا دوپہر کا کھانا بھی ہم دونوں کے لیے کافی رہے گا۔

ان شاء اللہ صبح آفس جاتے ہوئے میں آپ سے ملتی جاؤں گی آپ سے ضروری کام بھی ہے۔ یہ سن کر میں نے اسے آنے کے لیے مجبور نہ کیا۔ پندرہ منٹ تک وہ مسلسل مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ باتوں کا محور مراد ہی تھا۔ وہ مراد کے مستقبل کے لیے فکرمند تھی۔

رات کا کھانا کھا کر جاوید اپنے کمرے میں جا چکے تھے بچے اپنے کمروں میں سونے کے لیے چلے گئے۔ میں نے ملازم کے جانے کے بعد گھر میں آخری چکر لگا کر تمام لائٹیں آف کر دیں۔ اپنے کمرے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ مین ڈور کی بیل بجی میں نے لاؤنج کی بجلی آن کی اور دروازہ کھول دیا۔ اپنے سامنے پروین اور گیتو کو دیکھ کر میں چونک گئی اور بے اختیار سے بولی پروین خیریت تو ہے اتنی رات گئے اس



Digitized by Google

سردی اور بارش میں کیسے آنا ہوا؟ رات کے گیارہ بجے اکیلے ڈرائیو کر کے آنا قطعاً درست نہیں۔ میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ جاوید کو خبر نہیں ہونی چاہیے۔ بہت خفا ہوں گے تمہاری اس حرکت پر۔"

اس نے اپنی دھیمی آواز میں مخصوص جی کہا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

"رف! آئس کریم کھانے کا دل چاہ رہا ہے۔ باہر چلتے ہیں دور نہ سہی اپنی اسی E/9 مارکیٹ سے آئس کریم مل جائے گی۔

"امپاسبل ہے کیونکہ اس وقت جاوید سے اجازت لینا آسان کام نہیں۔ کل کا پروگرام رکھتے ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا تو وہ پلکیں جھکا کر بولی۔ دل آج چاہ رہا ہے آپ بات کل کی کر رہی ہیں۔

"سوپ پینے کا موسم ہے گرما گرم کافی اور ڈرائی فروٹ کھانے کے دن ہیں۔" میں نے نرمی سے کہا اور کچن کی طرف چل دی کیونکہ میں ہمیشہ اس کی وقت بے وقت آمد پر سوپ کا انتظام کیے رکھتی تھی اور ملازم ہمیشہ کافی پھینٹ کر ہر وقت فریج میں محفوظ رکھتا تھا۔

"رف! دوپہر کو سوپ ہی تو لیا تھا۔ آج ٹھنڈ کو ٹھنڈ سے مارتے ہیں۔" وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر پرس کھولنے لگی اور ایک پاؤچ نکال کر مجھے تھماتے ہوئے بولی۔ "یہ آپ کے زیورات ہیں۔ سوچا آج یہ بھی واپس کر دوں ہر دفعہ بھول جاتی ہوں۔"

"کیوں بھئی کیا! یہ زیورات بھاگے جا رہے تھے یا آپ کہیں جانے کی تیاری میں ہیں کہ ایمرجنسی میں زیورات مجھے دینے کی ضرورت پیش آ گئی۔" میں نے حیران کن لہجے میں کہا تھا۔

یہ وہ زیورات تھے جو پروین نے لاہور آغا افضال صاحب کے بھانجے کی شادی میں پہنے تھے کیونکہ پروین آپا اس وقت اسلام آباد سے باہر تھیں اور پروین کی خزانچی وہ تھیں۔ میرے پاس اس کی عام پہننے والی ہلکی جیولری رکھی ہوئی تھی۔ میں نے اسے اس کی پسند کا میچنگ پرنز اور ڈائمنڈ کا سیٹ بمع کڑوں اور انگوٹھیوں کے لا کر سے نکال کر دیے تھے کیونکہ تقریب میں اس نے میرا ہی ڈیزائن کیا ہوا سفید رنگ کا سوٹ پہنا تھا۔

مجھے حیرت سے دیکھ کر پروین نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ "زندگی کا کیا بھروسہ کیا خبر رف! یہ آپ کی امانت تھی میرے پاس۔" اس کے لہجے کی اداسی اور مایوسی نے مجھے چونکا دیا تھا۔

"پروین فار گاڈ سیک! ابھی تو تم نے پوتے اور پوتی کی دادی ماں بننے کا شرف حاصل کرنا ہے۔ اتنی جلدی پروگرام بنانے کا کوئی فائدہ نہیں۔" میری بات پر وہ خاموش رہی اور مجھے اداس اور اضطراری نظروں سے دیکھتے ہوئے مراد کو چلنے کا اشارہ کیا اور تیزی سے باہر نکل کر موسلا دھار بارش میں گاڑی میں جا بیٹھی۔ میں اسے روکتی رہی مگر اس نے میری ایک نہ سنی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی وہ مجھے بہت عجیب نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔ میں قدرے جھینپ بھی گئی پریشان بھی ہوئی۔ آج مسکراتی اور بولتی ہوئی حسین آنکھوں کی چمک اور زبان ہی کچھ اور تھی۔ ایسا کیوں تھا میں سوچ رہی تھی۔ پروین کیا بات ہے میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ اندر آؤ کس بات نے پریشان کر رکھا ہے فوراً بتاؤ۔"

نجانے کیوں اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔ وہ مسلسل مجھے تکے جا رہی تھی۔ تھوڑے توقف کے بعد بولی۔ "یہ جو آپ کا بیٹا ہے ناں ضد پر اتر آئے تو پھر میری ایک نہیں سنتا۔ پھر آپ کی دھمکی بھی کام نہیں کرتی۔ رشوت بھی بے کار ہو جاتی ہے مگر رف! میرا ابھی تو ملنے کو دل چاہ رہا تھا۔ میں نے اس وقت آپ کو تنگ کیا۔ اب یہ جانتے ہوئے بھی گھر جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔" وہ کچھ نامانوس انداز میں بولی۔

"آپ کی اسلام آباد کی پوسٹنگ مجھے راس نہیں آئی۔ کتنے اچھے دن تھے جو رسالپور اور کامرہ میں آپ کے ساتھ گزرے تھے۔ اب ملاقاتیں تو بڑھ گئی ہیں مگر وہ مزہ نہیں رہا جو چھٹیاں گزارنے میں آتا تھا اب چھٹیاں انجوائے کرنے کی جگہ ہی نہیں رہی۔"

URDU TUBE
HOUSE OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

# بزمِ سخن

سمیہ عثمان

ماہا بشیر حسین.....ڈنگہ

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

مدیحہ نورین مہک.....گجرات

جو گزاری نہ جا سکی ہم سے
ہم نے وہ زندگی گزاری ہے

نورین کنول.....لاہور

کتنی دلکش ہو تم کتنا دل جو ہوں میں
کیا ستم ہے کہ ہم لوگ مر جائیں گے

تبسم بشیر حسین.....ڈنگہ

میرے اندر چلی تھی آندھی ٹھیک اس دن پت جھڑ کی
جس دن اپنے جوڑے میں اس نے کچھ پھول سجائے تھے

لیلیٰ رب نواز.....ودھیوالی بھکر

مکمل دو ہی دانوں سے یہ تسبیح محبت ہے
جو آئے تیسرا دانا یہ ڈوری ٹوٹ جاتی ہے

مقرر وقت ہوتا ہے محبت کی نمازوں کا
ادا جن کی نکل جائے قضا بھی چھوٹ جاتی ہے

شازیہ ہاشم میواتی.....کھڈیاں

صرف دھندلائے ستاروں کی چمک دیکھی ہے
کب ہوا کون ہوا کس سے خفا یاد نہیں

آؤ اک سجدہ کریں عالمِ مدہوشی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساغر کو خدا یاد نہیں

انعم خضر.....نواں شہر، حافظ آباد

ہتھیلیوں پر پڑا ایک نشان دیکھتی ہوں
کسی گمان سے آگے گمان دیکھتی دس

مجھے زمانے سے ہرگز غرض نہیں کوئی
میں تیری ذات میں سارا جہان دیکھتی ہوں

ماہ جبین تاج.....کراچی

میں تو جھونکا تھا اسیر دام کیا ہوتا کلیم
اس نے زلفوں کی مجھے زنجیر پہنائی بہت

رفعت وقاص.....کوٹ ادو

تنہا سمجھ رہا ہے میرے دل کو چارہ گر
دنیا بسی ہے اس میں کسی کے خیال کی

طیبہ طفیل.....شیخوپورہ

اپنا گھر لے کر کہیں اور نہ جایا جائے
گھر میں بکھری ہوئی چیزوں کو سجایا جائے

گھر سے مسجد ہے بہت دور چلو یوں کر لیں
کسی روتے ہوئے بچے کو ہنسایا جائے

رابعہ ستار.....جہانیاں منڈی

محبت آزمانی ہو فقط اتنا ہی کافی ہے
ذرا سا روٹھ کر دیکھو منانے کون آتا ہے

فائزہ بھٹی.....چوکی

زندگی یوں تھی کہ جینے کا بہانہ تو تھا
ہم فقط زیبِ حکایت تھے فسانہ تو تھا

ہم نے جس جس کو بھی چاہا تیرے ہجراں میں وہ لوگ
آتے جاتے ہوئے موسم تھے زمانہ تو تھا

ثوبیہ کوثر.....جھنگ

بچوں کی طرح وقت بتانے میں لگے ہیں
دیوار پہ ہم پھول بنانے میں لگے ہیں

دھونے سے بھی جاتی نہیں اس ہاتھ کی خوشبو
ہم ہاتھ چھڑا کر بھی چھڑانے میں لگے ہیں

اوشین بی بی.....میر پور خاص

انداز نالہ، یاد ہیں سب مجھ کو پر اسد
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

شگفتہ خان.....بھلوال

زخم سے پھول اگے پھول سے خوشبو آئے
تجھ سے وہ بات کرے جس کو یہ جادو آئے

تیرے ہونٹوں پہ کسی اور کی باتیں آئیں
میری آنکھوں میں کسی اور کے آنسو آئے

عائشہ مغل.....بھیر کنڈ

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

کسے یاد رکھوں کسے بھول جاؤں
اب اتنی بھی اے عشق فرصت نہیں ہے
فیاض اسحاق.....سلانوالی

وفا کا نام کوئی بھول کر بھی نہیں لیتا
تیرے سلوک نے چونکا دیا زمانے کو
صبا الیاس.....گجرات

دل ہی کسی کے ساتھ نہ جائے تو کیا علاج
ملنے کو ہر قدم پہ مجھے کارواں ملے
مہر قوسین.....مبور شریف

دل تباہ کو اتنا شعور بھی نہ رہا
کہ آج تیرے کرم کی نگاہ پہچانے
بہت ملے مگر ایسا ملا نہ واقف حال
جو مجھ سے پہلے سنا دے مرے سب افسانے
عاصمہ بی.....طور جہلم

ہے اب بھی ان سے تعلق سو کیا تعلق ہے
کہ حسرتیں تو کجا بد گمانیاں بھی نہیں
عائشہ سلیم.....کراچی

جیسے ساحل سے چھڑا لیتیں ہیں موجیں دامن
کتنا سادہ ہے تیرا مجھ سے گریزاں ہونا
ثنا فرحان.....ملتان

رسوائیوں کا ڈر ہے وگرنہ خواہش ہے
کہ تم میرے ہو سبھی جگہ یہ خبر ٹھہرے
تیرا وجود ہے کتنا عزیز کہ میں
رہوں کہیں بھی نظر میری منتظر ٹھہرے
ارم صابرہ.....تلہ گنگ

اک عجب بزم تحیر ہے یہ بزم ہستی
کوئی چہرہ نہیں اور آئینہ خانے کتنے
بس یہی سوچ کے موجیں بھی لہو روتی ہیں
ہائے اس دشت میں پیاسے ہیں نہ جانے کتنے
ارتیج فاطمہ.....آزاد کشمیر

کچھ تو ترے موسم ہی مجھے راس کم آئے
اور کچھ میری مٹی میں بغاوت بھی بہت تھی
اس ترک رفاقت پہ پریشان تو ہوں میں
اب تک کہ ترے ساتھ پہ حیرت بھی بہت تھی
جنت آصف.....کراچی

تھا کبھی کبھی جو رابطہ
اگر ہو سکے تو بحال کر
ہالہ سلیم.....کراچی

سیاہ رات میں جلتے ہیں جگنو کی طرح
دلوں کے زخم بھی محسن کمال ہوتے ہیں
شائستہ الطاف.....خانیوال

سی کے لب ایک قیامت اٹھا دی جائے
رہ کے خاموش ذرا دھوم مچا دی جائے
مسرت نذیر ڈھک.....ڈسکہ

کچھ عجب طرح سے کی اپنی وکالت میں نے
لب پہ رکھا نہ حرف وضاحت میں نے
ہاتھ تھک جائیں گے زخموں پہ نمک رکھ رکھ کے
درد سہنے کی بہت کی ہے ریاضت میں نے
صنوبر ملک.....منڈی بہاؤالدین

آج کی بارش بھی تیرے درد کی طرح ہے
ہلکی ہلکی ہے پر ہوتی جا رہی ہے
زینب بنت عبداللہ.....کراچی

ان بارشوں سے دوستی اچھی نہیں فراز
کچا تیرا مکان ہے کچھ تو خیال کر
وجیہہ نور.....خانیوال

دنیا میرے وجود کو کرتی رہی تلاش
مجھ پر تیرے خیال کی چادر تنی رہی
ثنا جویریہ.....کراچی

اے ہم نشین نہ چھیڑ حکایت رنگ و بو
مدت ہوئی کہ بھول چکے ہم بہار کو

bazsuk@aanchal.com.pk



URDU TUBE
WORLD OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

# کچن کارنر

زہرہ جبین

## گائے کے گوشت کی نہاری

اجزاء:۔

| | |
|---|---|
| بونگ کا گوشت | آدھا کلو |
| ادرک لہسن پسا ہوا | دو کھانے کے چمچ |
| سونٹھ | ایک ٹکڑا |
| گرم مسالہ پاؤڈر | ایک کھانے کا چمچ |
| نلیاں | دو عدد |
| ادرک | ایک ٹکڑا |
| سونف | دو کھانے کے چمچ |
| نمک | حسب ذائقہ |
| گھی یا تیل | ایک کپ |
| آٹا | آدھا کپ |
| لال مرچ پاؤڈر | دو کھانے کے چمچ |
| پیاز | دو عدد |

ایک ململ کے کپڑے کا ٹکڑا لے کر سونٹھ اور سونف ڈال کر ایک پوٹلی بنالیں۔

ترکیب:۔

ایک دیگچی میں تیل گرم کریں اور پیاز ڈال کر گلابی ہونے تک فرائی کریں پھر ململ کی پوٹلی اور گوشت ڈال کر فرائی کریں کہ گوشت کا پانی خشک ہوجائے۔ اب ادرک لہسن کا پیسٹ آدھا کپ پانی میں مکس کر کے ڈال دیں اور فرائی کریں 3 منٹ کے بعد لال مرچ پاؤڈر ڈال کر اتنا فرائی کریں کہ ادرک لہسن کا پانی خشک ہوجائے پھر نمک ڈالیں اور آدھا جگ پانی کا ڈال کر ڈھک کر درمیانی آنچ پر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ جب پانی میں ابال آجائے تو آنچ دھیمی کردیں اور گوشت گلنے تک پکائیں۔ پوٹلی کو نچوڑ کر نکال دیں اور آٹے کو پانی میں مکس کر کے آہستہ آہستہ ڈال کر مکس کرتے جائیں پھر پسا گرم مسالہ تھوڑے سے پانی میں مکس کر کے ڈال دیں اور دم پر رکھ دیں۔ آخر میں دھنیا کٹی ہوئی ہری مرچوں اور کٹی ہوئی ادرک کے ساتھ پیش کریں۔

نزہت جبین ضیاء......کراچی

## بہاری کباب

اجزاء:۔

| | |
|---|---|
| گوشت | ایک کلو پسندے |
| پیاز | دو عدد (پیس لیں) |
| پسی ہوئی سرخ مرچ | ایک چائے کا چمچ |
| ادرک کا پیسٹ | دو چائے کے چمچ |
| لہسن | دو چائے کے چمچ |
| دہی | ایک پاؤ |
| گرم مسالا | دو چائے کے چمچ |
| جائفل | آدھا چائے کا چمچ |
| سفید زیرہ | ایک چائے کا چمچ |
| جاوتری | آدھا چائے کا چمچ |
| خشخاش | دو چائے کے چمچ |
| آٹا | ایک کھانے کا چمچ |
| کچا پپیتا پسا ہوا | دو چائے کے چمچ |
| نمک | حسب ضرورت |
| سرسوں کا تیل/گھی | حسب ضرورت |

ترکیب:۔

گوشت میں نمک ملا کر پندرہ منٹ کے لیے رکھ دیں پھر اس کو پیپر ٹاول سے خشک کرلیں تمام پسے ہوئے مسالے اور پپیتا ملا کر گوشت کو آدھا گھنٹہ فریج میں رکھیں، دہی خشخاش، مرچ اور پیاز یکجان کر کے گوشت میں شامل کریں گوشت کو پندرہ منٹ کے لیے رکھ دیں۔ سیخوں پر پسندے چڑھالیں اور کوئلوں کی انگیٹھی پر بھون لیں۔ بھونتے ہوئے چمچ سے تھوڑا تھوڑا گھی ڈالتی رہیں اور بعد میں انہیں ڈش میں منتقل کردیں۔ یہ کباب اوون، توے یا دیگچی میں بھی بنائے جاسکتے ہیں۔

ارم صابرہ......تلہ گنگ

## تھائی سوپ

اجزاء:۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
urdutubes.com



Digitized by Google

| | | | |
|---|---|---|---|
| مرغی کا گوشت | ایک کلو | شملہ مرچ (ٹکڑے کاٹ لیں) | ایک عدد |
| لہسن | چار جوئے | ادرک | چار کپ |
| ادرک | دس گرام | سویا ساس | ایک کھانے کا چمچ |
| پیاز | ایک عدد | ہری پیاز (باریک کتری ہوئی) | آدھا کپ |
| لیموں کے پتے | دس عدد | نمک | حسب ذائقہ |
| لیمن گراس | دس گرام | چائنیز سالٹ | آدھا چائے کا چمچ |
| نمک | حسب ذائقہ | سفید مرچ | چوتھائی چائے کا چمچ |
| کالی مرچ پاؤڈر | ایک چائے کا چمچ | چینی | ایک چائے کا چمچ |
| گاجر | ایک عدد | سرکہ | ایک چائے کا چمچ |
| مشروم | دس گرام | | |
| لیموں کا رس | دو کھانے کے چمچ | | |
| سبز مرچ | دو عدد | | |
| تھائی فش سوس | آدھا کھانے کا چمچ | | |
| تھائی کری پیسٹ | ایک کھانے کا چمچ | | |
| مرغی کی ہڈیاں | ایک پاؤ | | |
| پانی | چار کپ | | |
| مٹر | دس گرام | | |
| کھانے کا تیل | دو کھانے کے چمچ | | |
| کوکو ملک | دو کھانے کے چمچ | | |

ترکیب:۔

ایک پین میں پانی لیں اور اس میں ہڈیاں ڈال کر لہسن، ادرک، پیاز، لیموں کے پتے لیمن گراس، گاجر، نمک اور کالی مرچ پاؤڈر ڈال کر ڈھک دیں اور تیس منٹ تک پکائیں اب اس میں تھائی ریڈ کری پیسٹ، مرغی کا گوشت، کٹنی، نمک، کالی مرچ پاؤڈر، تھائی فش سوس، کوکونٹ ملک ڈال کر آٹھ منٹ تک پکائیں۔

طلعت نظامی.....کراچی

## سبزیوں کا سوپ

اجزاء:۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| میکرونی (ابلی ہوئی) | ایک کپ | مرغی کا قیمہ | آدھا کپ |
| بند گوبھی (ٹکڑے کاٹ لیں) | ایک کپ | تیل | تین کھانے کے چمچ |
| گاجر (ٹکڑے کاٹ لیں) | ایک عدد | لہسن (پسا ہوا) | ایک چائے کا چمچ |
| شملہ مرچ (ٹکڑے کاٹ لیں) | ایک عدد | نمک | ایک چائے کا چمچ |
| | | پیاز | ایک عدد |
| سوپ کے لیے:۔ | | سویا ساس | ایک کھانے کا چمچ |
| چکن کی یخنی | ایک لیٹر | مائونیز | چھ کھانے کے چمچ |
| کالی مرچ | حسب ضرورت | میدہ | ایک کھانے کا چمچ |
| | | انڈہ | ایک عدد |
| | | پانی | حسب ضرورت |
| | | تیل | پانچ سے چھ کھانے کے چمچ |

ترکیب:۔

ایک برتن میں یخنی ڈالیں۔ ابال آجائے تو بند گوبھی، گاجر، شملہ مرچ، ہری پیاز، نمک، چائنیز نمک، سفید مرچ پاؤڈر، چینی ڈال کر 5 منٹ پکائیں۔ پھر سویا ساس، سرکہ، میکرونی سوپ میں ڈالیں، ڈش میں میکرونی و تھوڑا سا سوپ نکال کر پیش کریں۔

ثناء فرحان.....ملتان

وان ٹون سوپ

اجزاء:۔

ترکیب:۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

| | | | |
|---|---|---|---|
| چلی ساس | تین کھانے کے چمچ | نمک | حسب ذائقہ |
| لیموں کا رس | چھ کھانے کے چمچ | | |
| گاجر | دو عدد | ترکیب:۔ | |
| ہری مرچ | چھ عدد | مچھلی کے ٹکڑوں میں انڈے، تیل اور خشک ڈبل روٹی کے چورے کے علاوہ تمام مسالے اچھی طرح ملالیں۔ پھر مچھلی کے ٹکڑوں کو انڈے میں ڈپ کرکے بریڈ کرمبز میں رول کریں اور ڈیپ فرائی کرلیں۔ | |
| نمک | حسب ذائقہ | | |

ترکیب:۔

وان ٹون کے لیے فرائی پین میں تیل گرم کرکے اس میں چکن کا قیمہ، لہسن کے جوئے اور نمک ڈال کر فرائی کرلیں۔ اس کے بعد اس میں پیاز ڈال کر دو سے تین منٹ تک فرائی کریں پھر اس میں سویا ساس شامل کرکے پکالیں اور قیمہ نکال کر ٹھنڈا کرلیں۔ اس کے بعد پٹیوں کو بند کرنے کے لیے میدہ انڈا اور پانی ڈال کر پھینٹ لیں پھر مانٹا پٹیوں میں قیمہ ڈال کر کناروں پر بند کرنے کا آمیزہ لگا کر بند کرلیں۔ اب ان وان ٹون پٹیوں کو تیل میں فرائی کرلیں۔

ہالہ وعائشہ سلیم.....کراچی

گاجر کا زردہ

اجزاء:۔

| | |
|---|---|
| چاول | آدھا کلو (ابلے ہوئے) |
| گاجر | تین عدد (کش کی ہوئی) |
| چینی | آدھا کلو |
| دودھ | آدھی پیالی |
| کھویا | ایک پیالی |
| پستے | تین کھانے کے چمچ |
| ناریل | حسب پسند (کش کیا ہوا) |
| گھی | آدھی پیالی |

ترکیب:۔

گاجر کو درمیانی آنچ پر پکاتے ہوئے اس کا پانی خشک کرلیں۔ چاول، گاجر اور چینی کو دو حصوں میں تقسیم کریں۔ پھر ایک پین میں دو سے تین کھانے کے چمچ گھی کے ڈالیں اب اس میں ایک تہہ چاول ایک گاجر اور چینی کے اوپر دو کھانے کے چمچ دودھ ڈالیں اور پھر اسی عمل کو دوبارہ دہرائیں۔ پین کو توے پر رکھ کر شروع میں تین سے چار منٹ درمیانی آنچ پر رکھیں اور پھر ہلکی آنچ پر دس سے بارہ منٹ دم پر رکھ دیں۔ چولہے سے اتار کر اس میں حسب ضرورت گھی ڈال کر پانچ منٹ ڈھک کر رکھیں۔ اچھی طرح ملا کر ڈش میں نکالیں اور ناریل پستے اور کھویا چھڑک دیں۔ گرما گرم گاجر کا زردہ تیار ہے۔

سدرہ شاہین.....پیرووال

| | |
|---|---|
| پیپر یکا پاؤڈر | آدھا چائے کا چمچ |
| کٹی کالی مرچ | ایک چائے کا چمچ |
| سویا ساس | ایک کھانے کا چمچ |
| انڈا | ایک عدد |
| ڈبل روٹی کا چورا | حسب ضرورت |
| کارن فلور | ایک کھانے کا چمچ |
| تیل | حسب ضرورت |

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

# عالم میں انتخاب

تسنیم شریف

شاعر، فلسفی، سوانح نگار، ادبی تنقید نگار ''جون ایلیا'' نے اپنا پہلا شعر محض آٹھ سال کی عمر میں کہا۔ اپنی کتاب ''شاید'' کے پیش لفظ میں رقم طراز ہیں۔ ''میری عمر کا آٹھواں سال میری زندگی کا سب سے اہم اور ماجرا پرور سال تھا۔ اس سال میری زندگی کے دو سب سے اہم حادثے پیش آئے پہلا حادثہ یہ تھا کہ میں اپنی نرگسی انا کی پہلی شکست سے دوچار ہوا یعنی ایک قتالہ لڑکی کی محبت میں گرفتار ہوا دوسرا حادثہ یہ تھا کہ میں نے پہلا شعر کہا۔

چاہ میں اس کی طمانچے کھائے ہیں
دیکھ لو سرخی میرے رخسار کی

یوں تو ہر انسان کئی احساسات سے دوچار ہوتا ہے مگر شاعر کو پریشان کرنے والا سب سے اہم احساس محبت ہوتا ہے۔ انہیں خارجی دنیا سے زیادہ داخلی دنیا نے بے چین کیے رکھا۔ محبت ان کے لیے آزار ثابت ہوئی۔ محبت میں ناکامی نے ان کے افکار کو ایک خاص نہج پر ڈال دیا تھا اور صرف محبت ہی نہیں' ان کی ذات کے ساتھ کئی ایسے غم بھی وابستہ تھے' جن کا کبھی مداوا نہ ہوسکا۔

آپ اپنا غبار تھے ہم تو
یاد تھے یادگار تھے ہم تو
وقت کی دھوپ میں تمہارے لیے
شجر سایہ دار تھے ہم تو
اڑتے جاتے ہیں دھول کی مانند
آندھیوں پر سوار تھے ہم تو
ہم نے کیوں خود پر اعتبار کیا
سخت بے اعتبار تھے ہم تو
شرم ہے اپنی بار باری کی
بے سبب بار بار تھے ہم تو
خوش نہ آیا ہمیں جیے جانا
لمحے لمحے پہ بار تھے ہم تو
سہہ بھی لیتے ہمارے طعنوں کو
جان من جاں نثار تھے ہم تو
تم نے ہم کو بھی کردیا برباد
نادر روزگار تھے ہم تو
ہم کو یاروں نے یاد بھی نہ رکھا
جون یاروں کے یار تھے ہم تو

جون کی شاعری ان کے متنوع مطالعہ کا واضح ثبوت ہے' ان کی زندگی کو معاشرے میں روایات، معیارات اور عام ڈگر سے کھلی عداوت و بغاوت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہی بغاوت ان کی شاعری کو منفرد و ممتاز بناتی ہے۔ اردو زبان پر گرفت اور شاعری میں سادہ الفاظ سے ایک مشکل مضمون بیان کرنا جون ہی کا وصف ہے۔

زخم امید بھر گیا کب کا
قیس تو اپنے گھر گیا کب کا
اب تو منہ اپنا مت دکھاؤ مجھے
ناصحو! میں سدھر گیا کب کا
آپ اب پوچھنے کو آئے ہیں
دل میری جان مر گیا کب کا
اپ اک اور نیند لے لیجیے
قافلہ کوچ کر گیا کب کا
میرا فہرست سے نکال دو نام
میں تو خود سے مکر گیا کب کا

جون کی شاعری میں فکر و فلسفہ کا عنصر فن کے


Digitized by Google

جمالیات سے ہم آہنگ ہو کر ایک ایسی شعری کائنات کی تخلیق کرتا ہے جس کو سمجھنے کے لیے تفکر کے اعلیٰ معیار کی ضرورت ہے۔ ان کا منفرد لب و لہجہ اور الفاظ کو برتنے کا فن ہی ان کے کمال فن کا ثبوت ہے' ان کی غزلوں اور نظموں کے مطالعے سے ان کی شخصیت کا یہ روپ سامنے آتا ہے کہ وہ انسانی معاشرے سے محبت اور ہمدردی تو رکھتے ہیں لیکن اس محبت و ہمدردی میں جذباتیت کے بجائے عقلیت پسندی کا عنصر غالب ہے۔

نیا اک رشتہ پیدا کیوں کریں ہم
بچھڑنا ہے تو جھگڑا کیوں کریں ہم
خموشی سے ادا ہو رسم دوری
کوئی ہنگامہ برپا کیوں کریں ہم
یہ کافی ہے کہ ہم دشمن نہیں ہیں
وفاداری کا دعویٰ کیوں کریں ہم
وفا اخلاص قربانی محبت
اب ان لفظوں کا پیچھا کیوں کریں ہم
ہماری ہی تمنا کیوں کرو تم
تمہاری ہی تمنا کیوں کریں ہم
نہیں دنیا کو جب پروا ہماری
تو پھر دنیا کی پروا کیوں کریں ہم

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جون کی زندگی میں خوشی و انبساط کے مقابلے میں درد و غم کے لمحات زیادہ رہے، زندگی کی ابتدا سے انتہا تک ان کے تجربات اتنے تلخ رہے کہ یہ کڑواہٹ ان کی شاعری اور نثر میں بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ وطن سے ہجرت اور پاکستان میں قیام کے دوران انہیں جن کرب ناک حقائق سے دوچار ہونا پڑا اس نے ان کی شخصیت اور شاعری میں تلخی بھر دی تھی ان کی شاعری اور انشائیوں کی زبان ہمارے ہی دل کی آواز لگتی ہے۔ بقول جون ''یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ ہمیں اب ایک دوسرے کے دکھ سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔''

ہے کچھ ایسا کہ اس کی جلوت میں
ہمیں اپنی کمی سے خطرہ ہے
جس کی آغوش کا ہوں دیوانہ
اس کی آغوش ہی سے خطرہ ہے
ہے عجب کچھ معاملہ در پیش
عقل کو آگاہی سے خطرہ ہے
میں کہوں کس طرح یہ بات اس سے
تجھ کو جانم مجھ ہی سے خطرہ ہے
اب نہیں کوئی بات خطرے کی
اب سب ہی کو سب ہی سے خطرہ ہے

اپنے تجربات و مشاہدات کو شعری پیکر عطا کرتے وقت وہ جرأت اظہار کی انتہا پر نظر آتے ہیں۔ یہ جون ہی کا حوصلہ تھا کہ انہوں نے منافق معاشرے میں سچ کی سولی پر لٹک کر زندگی گزاری، جس معاشرے میں وہ رہتے تھے' وہاں جھوٹ کی حکمرانی تھی۔ سچ کی آواز سنائی نہ دیتی تھی، انہوں نے زندگی کے آخری برسوں میں اعتراف کیا ''میں ہار چکا ہوں معاشرے کو اپنی اقدار پر لانا چاہتا تھا مگر میں ہار گیا یہ افلاطون اور کرگس کا معاشرہ نہیں ہے' یہ بونوں کا معاشرہ ہے۔''

جون کا حوصلہ اور انداز بیاں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا ہے۔ ایک پرشکوہ انداز بے نیازی ان کی شان امتیاز تھی جون کی شاعری کا ایک بڑا حصہ جسے سمجھنے کے لیے تاریخ، فلسفہ اور تصوف جیسے دیگر علوم سے کما حقہ، واقفیت بھی ضروری ہے۔ ان کے فن کی گہرائی اور گیرائی نے ان کی شاعری کو


Digitized by Google

سنجیدہ و معتبر مرتبہ عطا کیا۔ وہ کثیر المطالعہ شاعر تھے اور انہیں اپنی علمیت پر ناز بھی تھا۔

میرے کمرے کو سجانے کی تمنا ہے تمہیں
میرے کمرے میں کتابوں کے سوا کچھ بھی نہیں

جون نے شعری اصناف میں غزل، نظم اور قطعہ نگاری میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ ان کا شعری سرمایہ سنجیدہ اور معتبر شاعری کی عمدہ مثال ہے۔ انہوں نے موضوعاتی سطح پر بھی اردو شاعری کے دائرے کو کشادگی عطا کی۔ ان کے قطعات پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاعری ضمیر کو بیدار کرنے اور جھنجوڑنے کا کام بھی کرتی ہے۔

چارہ سازوں کی چارہ سازی سے
درد بدنام تو نہیں ہوگا
ہاں دوا دو مگر یہ جتلا دو
مجھے آرام تو نہیں ہوگا

.....☆☆.....

حالت یہ ہے کہ گردش حالات کے سبب
دل بھی مرا تباہ ہے ہمت بھی پست ہے
تم سوچتی بہت ہو تو پھر یہ بھی سوچنا
میری شکست اصل میں کس کی شکست ہے

.....☆☆.....

کسی سے کوئی شکوہ نہیں مگر تم سے
ابھی تلک مجھے شکوہ ہے اب بھی آجاؤ
وہ دل کہ اب ہے لہو تھوکنا ہنر جس کا
وہ کم سے کم ابھی زندہ ہے اب بھی آجاؤ

.....☆☆.....

دل میں جن کا نشان بھی نہ رہا
کیوں نہ چہروں پہ اب وہ رنگ کھلیں
اب تو خالی ہے روح جذبوں سے

اب بھی کیا ہم تپاک سے نہ ملیں

ان کے انشائیوں میں تلخی و کرب کا گہرا احساس پایا جاتا ہے، وہ انسانی عظمت پر کامل یقین رکھتے ہیں لیکن انسانی معاشرے کی بے حسی، سماج کا تذکرہ، حالات حاضرہ کا دکھ ان کی تحریروں میں جابجا نظر آتا ہے بقول جون۔

ہم جو کھنکھناتی ہوی مٹی سے بنائے گئے۔ ہم جو خاک کے خمیر سے اٹھائے گئے اور ہم جو خاک میں ہی سلائے جائیں گے ہم فتنہ و فساد کے زمانے میں زندہ ہیں اور وحشتوں نے ہمارا گھر دیکھ لیا ہے۔ سو ہم پر لازم آیا کہ ہم اپنے حجروں سے باہر آئیں اور مرنے والوں اور مارنے والوں کو اس المناک حقیقت سے آگاہ کریں کہ زندگی مارنے والوں اور مارے جانے والوں دونوں ہی سے سوتیلی ماؤں کا سا سلوک کرتی ہے۔ کسی کو ریشم و کمخواب کے بستر پر سلاتی ہے اور کسی کو بچھانے کے لیے گدڑی بھی نصیب نہیں ہوتی لیکن موت سب کو ایک ہی نظر سے دیکھتی ہے۔ سب کو اپنی چھاتی میں سمیٹ لیتی ہے اور سب کو ایک ہی طور خاک میں ملاتی ہے۔

جون ہم کے ہجوم سے نکلے
اور جنازہ بھی دھوم سے نکلے
اور جنازے میں ہو یہ شور حزیں
آج وہ مر گیا جو تھا ہی نہیں

URDU TUBE
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

# شوخیِ تحریر

ہما ذوالفقار

## جاہلوں سے کنارہ کشی

ترجمہ: ”اور جب انہوں نے لغو باتیں سنیں تو انہوں نے ان سے اعراض کیا اور کہا کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال۔ تم لوگوں پر سلام ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔“ (سورۃ القصص آیت نمبر ۵۵)

یہاں اس مکالمے کی طرف اشارہ ہے جو حبشہ کے وفد کے ارکان کا مشرکین مکہ کے ساتھ ہوا تھا۔ یہ وفد حضور ﷺ سے ملاقات کے لیے مکہ آیا تھا۔ واقعہ دراصل یوں تھا کہ مکہ سے حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کرنے والے صحابہؓ کی تبلیغ سے حبشہ میں کچھ عیسائیوں نے اسلام قبول کرلیا جیسے بعد میں دوسری ہجرت کے مہاجرین صحابہ کی تبلیغ سے شاہ حبشہ نجاشیؓ بھی ایمان لے آئے تھے جو اپنی زندگی میں حضور ﷺ کی زیارت کر کے صحابی کا درجہ تو نہ پا سکے البتہ صحابہؓ سے ملاقات کی بنا پر وہ تابعی ضرور ہیں۔ حضرت نجاشیؓ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ حضور ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی اور یہ واحد غائبانہ نماز جنازہ ہے جو حضور ﷺ سے پڑھنا ثابت ہے۔

حبشہ میں جن لوگوں نے صحابہؓ کی کوششوں سے ایمان قبول کیا تھا بعد میں ان میں سے کچھ لوگ حضور ﷺ سے ملاقات کے ارمان میں ایک وفد کی صورت میں مکہ آئے اور حضور ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل کی۔ جب مشرکین مکہ کو ان لوگوں کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے ان لوگوں سے بہت بے ہودہ باتیں کیں، انہیں طعنے دیے اور ان کا خوب تمسخر اڑایا کہ تم لوگ بہت احمق ہو جو اپنی الہامی کتاب کو چھوڑ کر اس نئے دین میں شامل ہو گئے ہو۔ آیت مبارکہ میں اس وفد کے لوگوں کا جواب نقل ہوا ہے جو انہوں نے مشرکین مکہ کو دیا تھا کہ ہمارا آپ لوگوں سے کوئی سروکار نہیں، ہم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں اور تم اپنے اعمال کے ہم اللہ کے فضل سے پہلے بھی حق پر تھے اور اب ہمیں اس حق پر بھی ایمان لانے کی سعادت ملی ہے جو قرآن کی صورت میں ہمارے رب کی طرف سے آیا ہے۔

.....☆☆.....

## کتابت حدیث

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”علم کو مقید کرلو۔“ حضرت عبداللہ سے دریافت کیا گیا کہ مقید کرنے کا مطلب کیا ہے فرمایا ”لکھنا۔“

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے حدیثوں کے یاد نہ رہنے کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اپنے ہاتھ سے مدد لو۔“ (یعنی لکھ لیا کرو)۔

حضرت جابر اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہاتھ سے کام لینے کا حکم دیا۔

عثمان عبداللہ.....کراچی

## قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کریم

- گناہوں پر نادم ہونا ان کو مٹا دیتا ہے اور نیکیوں پر مغرور ہونا ان کو برباد کر دیتا ہے۔
- برا آدمی کسی کے ساتھ نیک گمان نہیں رکھتا کیونکہ وہ ہر ایک کو اپنے جیسا خیال کرتا ہے۔
- بردباری یہ نہیں کہ جب عاجز ہو تو کچھ نہ کہے اور جب طاقت پائے تو انتقام لے۔
- دنیا اور آخرت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کی دو بیویاں ہوں۔ اگر ایک کو راضی کرے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے۔
- جب تو کمزور کو کچھ نہیں دے سکتا تو ان کے ساتھ رحمت اور مہربانی سے تو پیش آ سکتا ہے۔

ماروی یاسمین.....چک 44

## قابلیت اور کردار

قابلیت اور کردار زندگی میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں



Digitized by Google

قابلیت آپ کو بلندی تک پہنچاتی ہے جب کہ کردار آپ کو ہمیشہ بلند رکھتا ہے۔

آنسہ شبیر.....ڈوگہ گجرات

## لاعلم

ایک صاحب کرائے کا گھر دیکھنے گئے، گھر سنسان سی جگہ پر واقع تھا۔ انہوں نے از راہ مذاق مالک مکان سے کہا۔

"یہاں بھوت وغیرہ تو نہیں رہتے۔"

مالک مکان نے جواب دیا۔ "ہمیں کیا معلوم..... ہمیں تو مرے ہوئے خود بیس سال ہو گئے۔"

## چند باتیں زندگی کی

❁ سب سے بڑی خواہش ہر انسان کو خوش کرنے کی ہے اور متاثر کرنے کی اور اس کی سزا یہ ہے کہ انسان نہ متاثر ہوں گے نہ خوش۔

❁ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں اسے سچ سمجھ لیتے ہیں۔ دور بین اور خوردبین نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ ویسے سچ نہیں ہوتا۔ ہم ساکن ہیں لیکن متحرک۔ ہماری عمر بڑھ رہی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہماری عمر کم ہو رہی ہے۔

❁ جب انسان کے دل میں روشنی نہ ہو تو وہ چراغوں کے میلے سے کیا حاصل کرے گا۔

(واصف علی واصف)

نادیہ عباس، دیا قریشی، آدرش نایاب.....موی خیل

## مشکل

ادھر بیوی کے دعوے ہیں ادھر حوروں کے وعدے ہیں۔

ہے کیسی مشکلوں میں تیرا بہر بندہ خداوندا
منکر کب عورتوں سے ہے، وہ دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو
"تیرے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا۔"

## اچھی باتیں

✦ حیا اور پردہ وقار میں اضافہ کرتا ہے۔
✦ حسد دل کو تباہ کرتا ہے۔
✦ دنیا میں سب سے خطرناک غصہ جوانی کا ہے۔
✦ گفتگو چاندی اور خاموشی سونا ہے۔
✦ کسی سے مسکرا کر ملنا بھی صدقہ ہے۔

مدیحہ نورین.....برنالی

## انمول موتی

❁ ہم اپنی ساری زندگی اوپر ہی اوپر اپنے خول کو اور اپنے باہر کو جاننے پر لگا دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اصل انسان ہمارے اندر رہتا ہے۔

❁ جو شخص اپنے اندر ہی اندر اترتا چلا جاتا ہے وہی اوپر کو اٹھتا ہے اور وہی رفعت حاصل کرتا ہے یہی قدرت کا اصول ہے جو درخت جس قدر گہرا زمین کے اندر جائے گا اسی قدر اوپر کو جا سکے گا اور اسی قدر ہوگا۔

عمارہ شاہ.....کوہاٹ

## اچھی بات

جو حق دار ہے اسے حق دو اور جو حق مانگتا ہے اسے بھی دو تا کہ جو ہمیں ناحق مل رہا ہے وہ ملنا بند نہ ہو جائے۔

حافظہ سمیرا.....157 این بی

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com

## محبت

محبت کیا ہے؟ بالکل اچانک جب آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا آپ کے اندر اگنا شروع ہو گیا ہے محبت ایک دوسرے کے اندر اگنا ہے۔ پہلے تو کسی بیج کی طرح دوسرے کے اندر فنا ہونا، اپنا آپ مٹا دینا پھر اگنا۔ جوں جوں محبت بڑھتی ہے ایک دوسرے کے اندر جڑیں گہری ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ایک دوسرے کو اس پودے کو تازہ محسوسات اور جذبوں کی کھاد، آنسوؤں کا پانی، دوسرے کی سانسوں کی ہوا اور نظر کی پر حرارت دھوپ کی ضرورت ہوتی ہے اگر کبھی آپ کو اپنا آپ مرجھاتا ہوا محسوس ہو تو سمجھ لیں کہ دوسرے کے من کی زمین پتھریلی ہو گئی ہے اور اس نے آپ کے اندر سے اپنی جڑیں بے دردی سے اکھاڑ لی ہیں جب آپ ایک دوسرے کے اندر اگتے ہیں تو محبت پھول بن کر کھل اٹھتی ہے اور اس کی خوش بو آپ کے پورے بدن میں پھیل جاتی ہے۔ محبت بڑی شفاف ہے۔ کسی آئینے کی



Digitized by Google

طرح، اس پر ہلکا سا ناگواری کا کوئی میلا چھینٹا بھی فوراً دکھائی دے جاتا ہے۔ ہر سچی اور خالص چیز کے ساتھ یہی مسئلہ ہے۔ تھوڑا سا ناخالص احساس بھی ایک دم بری طرح محسوس ہونے لگتا ہے۔ اس لیے کسی ایک لفظ، میلے جملے، کج ادائی کی کسی غافل دھڑکن سے محبت کے پھل کو کیڑا لگ جاتا ہے۔

(مظہر الاسلام کی کتاب "محبت مردہ پھول کی طرح سیفونی" سے ماخوذ)

اقتباس: نوشین اقبال نوشی

## غزل

بچوں کی طرح وقت بتانے میں لگے ہیں
دیوار پہ ہم پھول بنانے میں لگے ہیں
دھونے سے بھی جاتی نہیں اس ہاتھ کی خوشبو
ہم ہاتھ چھڑا کر بھی چھڑانے میں لگے ہیں
لوری جو سنی تھی وہی بچوں کو سنا کر
ہم دیکھے ہوئے خواب دکھانے میں لگے ہیں
دیوار کے اس پار نہیں دیکھ رہے کیا؟
یہ لوگ جو دیوار گرانے میں لگے ہیں
ہر لقمۂ تر خون میں تر ہے تو عجب کیا
ہم رزق نہیں ظلم کمانے میں لگے ہیں
افسوس کہ یہ شہر جنہیں پال رہا ہے
دیمک کی طرح شہر کو کھانے میں لگے ہیں

(عباس تابش)

## اچھی باتیں

❖ کبھی کسی کو اپنی صفائی نہ دو کیونکہ جو آپ سے پیار کرتا ہے اس کو ضرورت نہیں اور جو نفرت کرتا ہے وہ بھی یقین نہیں کرے گا۔

❖ اگر دکھوں کا دریا عبور کرنا ہے تو آنسوؤں کو جذب کرنا سیکھو۔

❖ مذاق ضرور کرو مگر اتنا یاد رکھو کہ مذاق کرنے اور اڑانے میں فرق ہوتا ہے۔

❖ کسی کی خاموشی کو تکبر نہ سمجھو، ہوسکتا ہے کہ وہ خود سے (اپنی ذات سے) جنگ کرنے میں مصروف ہو۔

❖ غریب پر احسان کیا کرو کیونکہ غریب ہونے میں وقت نہیں لگتا۔

زائمہ خان خٹک...... مسلم کالونی، میانوالی

## حساب کتاب کا جنجال

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اردو کی داستانوں میں سوداگروں کا ذکر اگر کہیں آتا ہے تو وہ محض قزاقوں سے لٹنے کے لیے اور یہ بھی اس طور پر کہ پڑھنے والے کی اخلاقی ہمدردی ہمیشہ لوٹنے والے کے ساتھ رہتی ہے۔ اردو غزل میں ہمیں یاد نہیں کہ کسی شاعر نے سوداگر کو کلمہ خیر کے ساتھ یاد کیا ہو، ہاں ایک نظم، مثنوی زہر عشق میں سوداگر در آیا ہے وہ بھی فقط اس لیے کہ اس کی ایک دختر تھی جو خلاف محاورہ، نیک اختر نہ نکلی، مگر جس سے آگے چل کر شاعر کو ردیف و قافیہ کی چول بٹھانے کے علاوہ اور بھی بہت سے کام لینے تھے جن میں خلوت کی ملاقاتیں، ان کے لازمی نتیجہ میں خودکشی اور آخر الذکر سے پہلے پان گل کے لیے لگاتے جائیں کا فریضہ شامل تھا۔

جس محلے میں تھا ہمارا گھر
وہیں رہتا تھا ایک سوداگر
ایک دختر تھی اس کی ماہ جبیں
شادی اس کی ہوئی نہیں تھی کہیں

آخری مصرعہ میں جو نوید مسرت ہے بس اس نے پچھلے تین مصرعوں میں جان ہی ڈال دی ہے۔

حسن اختر...... ناظم آباد، کراچی

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT



Digitized by Google

# حسن خیال

## جوہی احمد

السلام علیکم! اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ سبحان وتعالٰی سے دعا ہے کہ سال گزشتہ میں ہم سے جو کوتاہیاں اور غلطیاں سرزد ہوئی ہوں ان سے درگزر فرمائے اور ہمیں اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرمائے۔ سال 2018ء کا یہ آخری شمارہ ہے ہمیں اچھا لگے گا اگر آپ اپنے آئندہ خطوط میں حجاب کے پورے سال کے شماروں کو ذہن میں رکھ کر تبصرہ ارسال کریں گی۔

**مدیحہ نورین مہک...... گجرات** السلام علیکم آپی جی! 8 کو حجاب ملا گر ماڈل کو دیکھ کر کافی بوریت ہوئی اسے۔ بہت دفعہ دیکھ چکے نئے چہرے لگایا کریں حجاب کی سالگرہ کے حوالے سے جو سروے تھا اس میں سب کی شمولیت اچھی تھی اور ماورا طلحہ کے بارے میں جان کر اچھا لگا اور انہوں نے جو جوابات دیے وہ بھی اچھے لگے ہاں جی چلیں اب چلتے ہیں تحاریر کی طرف۔ چیونٹی معافیہ شیخ کا مختصر سا افسانہ بہت اچھا تھا۔ بے شک جو ترتیب اور نظم وضبط چیونٹیوں میں پایا جاتا ہے وہ ہم انسانوں میں نہیں ہے اور دنیا کی کوئی چیز بے مقصد نہیں ہے۔ وجود زن کائنات غزل کا افسانہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا اس کی افسانے کے شروع والی ہی لڑکی ماہی تھی کیا اور دونوں کے اسٹینس میں فرق انجمن کا شکار افسانہ، زونا حرم کا افسانہ زبردست تھا۔ سوچے سمجھے بغیر کسی پر الزام لگانا بری بات ہے۔ خالدہ کو آخر بہو ہانیہ ہی ملی۔ اچھا رہا افسانہ۔ نادیہ احمد کا افسانہ کفارہ بھی بہت اچھا تھا فہد کے نظر انداز کرنے سے اس کی بیوی یاسر علی کے میٹھے بولوں کا شکار ہوگئی ذرا سی تو جہ سے برباد کرگئی۔ صدف آصف کا افسانہ ڈرائنگ روم پریڈ بھی اچھا تھا۔ یاسمین نشاط کا ناولٹ آنے کی چڑیا زبردست تھا۔ بہت پسند آیا۔ سالار نے بہت غلط کیا وردہ کے ساتھ اور جھوٹ کا کینسر سچ بن کر اس کے سامنے آ ہی گیا۔ نزہت جبین ضیاء نے جب بھی لکھا بہت اعلیٰ لکھا ماشاء اللہ اس دفعہ بھی بہت خوب لکھا طوسیہ اور عارض کا کردار بہت مضبوط تھا اور دونوں نے حالات سے ڈٹ کر مقابلہ کیا طوسیہ کا عارض کی زندگی میں آنا اور دودابہ اور سمیر کا رویہ بہت غلط تھا۔ اچھا ناول تھا۔ بزم سخن میں اس دفعہ سب کے اشعار زبردست تھے۔ عالم میں انتخاب اس دفعہ مجھے تو اچھا نہیں لگا پہلے ٹھیک تھا ملے جلے شعرا کی شاعری۔ شوخئ تحریر میں وقاص عمر، پروین افضل شاہین کے انتخاب پسند آئے۔ حسن خیال میں رابی احمد بھٹی، عریشہ زاہد، پروین افضل شاہین، وقاص عمر، ماہا بشیر، تبسم بشیر پسندیدگی کا شکریہ۔ تمام پڑھنے والوں کو بہت سا سلام اور دعائیں۔

☆ ڈیئر مدیحہ! ہم نے تو سوچا تھا کہ عالم انتخاب آپ کو ضرور پسند آئے گا کیونکہ آپ نہایت عمدہ شعری ذوق کی مالک ہیں۔ اور آپ اس طرح لکھ کر بھیجیں گی بھی لیکن اب ہمیں مایوسی ہوئی۔ چلیں آپ کو پسند نہیں آیا تو بند کردیں گے۔

**پروین افضل شاہین...... بہاولنگر** اس بار حجاب چار نومبر کو ملا اور میں تبصرہ چھ نومبر کو ارسال کررہی ہوں سرورق دیکھ کر یہ قطعہ ہونٹوں پر مچلنے لگا۔

محبت امن اور انصاف کے موسم پہن کر
زمین کے رنگ سارے آسمانی لگ رہے ہیں
کوئی اس سال کے خوابوں کی تصویروں کو دیکھے
کہ سب چہرے گلابی جاودانی لگ رہے ہیں

آگے بڑھے تو قیصرآپا بات چیت فرما رہی تھیں۔ واقعی زندگی بہت ہی معروف ہوگئی ہے۔ اب تو گھر والوں کے لیے بھی ٹائم نکالنا مشکل ہوتا جارہا ہے۔ ہمیں چاہیے اپنے بزرگوں کو وقت دیں ان سے سیکھنے کی کوشش کریں کیونکہ وہ چلتی پھرتی یونیورسٹیاں ہیں۔ واقعی انکل مشتاق احمد قریشی کی ہمت ہے کہ وہ تین چار ماہنامے باقاعدگی سے شائع فرما رہے ہیں۔ ہم ان کی عظمت کو سلام پیش کرتے ہیں۔ حمد ونعت پڑھ کر اپنی روح کو سرشار کیا۔ آگے بڑھے تو ملاقات میں ماورا طلحہ سے بات چیت ہورہی تھی پھر سروے میں بہنیں اپنے خیالات کا اظہار کررہی تھیں۔ بزم سخن میں حنا ارشد، سیدہ لوبا سجاد، ندا مسکان جٹ، ارم ریاض، سمیہ رانی، شازیہ ہاشم میواتی، ملالہ اسلم، مدیحہ نورین مہک، کچن کارنر میں سحر تبسم سحری، نجم انجم اعوان، شوخئ تحریر میں صائمہ مشتاق، حسن خیال میں کوثر خالد، رابی احمد، عریشہ زاہد عرش، شازیہ اختر شازی، تبسم بشیر حسین دوست کا پیغام آئے میں فائزہ بھٹی، کوثر خالد آپ نے میری نند فریدہ جاوید فری کے لیے خوب صورت لائنیں لکھیں شکریہ۔ شائستہ جٹ چھائی رہیں میری نند فریدہ جاوید فری نہ جانے کہاں غائب ہیں۔ حجاب میں بھی آپی حاضری لگوائیں ہم منتظر ہیں دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو مکمل صحت دے آمین۔



URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com

Digitized by Google

**نجمہ نذیر...... ڈیرہ غازی خان۔** پیاری جو ہی محفل حسن السلام علیکم! اس بار حجاب دیہات میں جلدی یعنی 8 تاریخ کو مل گیا۔ ہنستی ہوئی ماڈل بہت پیاری لگی۔ بات چیت میں آپ اس پری وش کو دوبارہ لائیں کیونکہ اس کا نام بھی منفرد ہے اس کے بغیر حجاب نامکمل ہے۔ ندا حسنین کی آمد سے خوشی ہوئی۔ آپی پلیز عائشہ نور محمد سے مکمل ناول لکھوائیں نمرہ احمد اور عمیرہ احمد سے بھی کچھ لکھوائیں حجاب کے تمام سلسلے ٹاپ پر ہیں آنچل کے بھی تمام سلسلے زبردست ہیں وقاص بھائی میری نگارشات پسند کرنے کا شکریہ کوثر پھوپو آپ نے حوض کوثر بھیجی اس کا بھی بے حد شکریہ۔

☆ڈیئر نجمہ! پہلے جو تحریریں شائع ہو رہی ہیں ان کو پڑھ کر ان پر تبصرہ کریں پھر ہم بھی آپ کی فرمائش ضرور پوری کریں گے۔

**تبسم بشیر حسین...... ننگمہ۔** السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب۔ امید ہے کہ خیر خیریت سے ہوں گے تبصرہ اسٹارٹ کرنے سے پہلے کچھ فرینڈز کو یاد کرلوں جو آج کل مکمل طور پر غائب ہیں۔ سب سے پہلے اقرا جٹ ارے کہاں ہو بھئی تمہارے تبصرے تو میرے فیورٹ ہیں جلدی سے ایک طویل تبصرہ لکھ ڈالو۔ گل مینا اور حسینہ ایس ایچ آپ دونوں سسٹرز بھی حجاب نگری سے واک آؤٹ کر گئیں آپ کا کھٹا میٹھا تبصرہ یاد آ رہا ہے۔ کم بیک سون صائمہ مشتاق، اقرا امتیاز آپ دونوں بھی تبصرہ نہیں کرتی ہو اب؟ ارم کمال میم آپ بھی غائب ہوتی ہیں۔ آپ سب جلدی جلدی سے آجائیں اینڈ امفر وا حجاب نگری میں کب آ رہی ہو، رقیہ ناز، دلکش مریم کو سلام تبصرہ اسٹارٹ کرتے ہیں ٹائٹل پر بیوٹی فل سی اسمائیل کے ساتھ نیلم منیر بہت پیاری لگ رہی تھی نومبر کا سالگرہ نمبر ہاتھ میں ہے۔ بہت خوشی ہو رہی ہے حجاب اتنی تیزی سے ترقی کی منازل طے کر رہا ہے (اللہ اور ترقی دے) اس کے بعد ایک نظر فہرست پر ڈالی۔ ویلکم ندا حسنین آخر آپ اپنی تحریر کے ہمراہ آ ہی گئیں بات چیت میں آنی حجاب کی کامیابی سے خوش رائٹرز کے ساتھ ساتھ ریڈرز کا بھی شکریہ ادا کرتی نظر آئیں۔ بھئی ہماری دعائیں تو آنچل و حجاب کے ساتھ ہیں ہی حمد و نعت ہمیشہ کی طرح ذہن و قلب کے سکون کا باعث رہے ”سحر نو کے قافلے“ سب قارئین کے جواب پسند آئے اب دیکھتے ہیں کہ حجاب میں کتنی تبدیلی آتی ہے کیونکہ سب ہی تبدیلی کے خواہش مند ہیں اور نمرہ احمد میم کے مطابق تبدیلی ہمیشہ خیر ہی لاتی ہے۔ ”ملاقات“ ماورا طلحہ آخر بہت سارے انتظار کے بعد آ ہی گئیں سب سے پہلے تو آپ کو شادی مبارک ہو آپ کی باتیں آپ کی سوچ بہت اچھی لگی اس کے بعد مستقل سلسلوں کی طرف دوڑ لگائی۔ بزم سخن میں ثناء ریاض، انعم زہرہ، ندا افتخار، جیا عباس، شاہ زندگی، اسما صدیقہ، کرن شہزادی، سمعیہ رانی، عائشہ بشیر، وقاص عمر، ملالا اسلم، سحرش آفتاب، ثمرینہ خان، عشرت جنید، سدرہ، گل ناز، یوسف، پروین افضل شاہین کے اشعار پسند آئے۔ شوخی تحریر۔ مزمل رحمان، وقاص عمر، نورین مہک، انیسہ بٹ، سمیرا راجہ، صدف مختار، رابعہ رانی، صائمہ مشتاق، ثنا جلالانے زبردست لکھا۔ حسن خیال کوثر خالد میم ہر ماہ انٹری دیا کریں۔ اینڈ میم مجھے پشتو نہیں آتی ہے۔ مما بول لیتی ہیں پشتو بھی بلوچی بھی بٹ میں نہیں بولتی۔ رابی ڈیئر میں تمہارے خواب میں آئی سوسوئٹ آف یو۔ تبصرہ شاندار لکھا تم نے عرشیہ عرشی تمہارا تبصرہ اور اینڈ کا شعر دونوں پسند آئے۔ شازیہ اختر ونڈر فل یار، پروین میم تبصرہ پسند کرنے کا شکریہ۔ وقاص عمر بھائی ہم ہر بار طویل تبصرے کی آس لگاتے ہیں اور آپ مختصر پر ٹرخا دیتے ہیں دس از ناٹ فیئر۔ عائشہ امین لو جو ہی اپیا نے حوصلہ افزائی کر دی اب اچھا سا تبصرہ ارسال کر دو۔ مدیحہ مہک کا تبصرہ بھی پسند آیا اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور آپ خوشیاں بانٹتی رہیں آمین۔ ٹوٹکے میں لیمن گراس، شہد اور نیم کے متعلق خدیجہ آپی نے بہت اچھی معلومات فراہم کی شکریہ سسٹر۔ اس کے بعد افسانوں پر نظر دوڑائی اور سب سے پہلے روزن پڑھا۔ کائنات غزل نے مختصر افسانے میں بڑی بات سمجھا دی واقعی یہ ڈائجسٹ ہی ہوتے ہیں جو ہمیں کچھ دیر کے لیے ہی سہی اس تلخ دنیا سے دور لے جاتے ہیں جہاں سکون ہوتا ہے اور فرجاد نے بالکل ٹھیک کہا ”بگڑنے والے بنا پڑھے بگڑ جاتے ہیں اور سنورنے والے پڑھ کر مزید نکھر جاتے ہیں انسان پر منحصر ہے کہ پڑھ کر بگڑتا ہے کہ سنورتا ہے ونڈر فل۔ چیونٹی معافیہ شیخ نے بھی اچھا لکھا ہر انسان کو اللہ نے کسی نہ کسی مقصد کے لیے پیدا کیا پر یہ بات انسان کی چھوٹی سی عقل سمجھنے سے قاصر ہے انسانوں سے زیادہ نظم و ضبط امن تو جانوروں اور کیڑے مکوڑوں میں پایا جاتا ہے۔ جو نہ اسکول جاتے ہیں نہ کوئی استاد ہوتا ہے اور ایک انسان ہے علم ہونے کے باوجود جاہل ہی رہتا ہے۔ ڈرائنگ روم پر یڈ صدف آصف نے کافی دیر کر دی آنے میں پر شکر آئی تو افسانہ بھی اچھا لگا لوگ رشتے کے نام پر آتے ہیں اور کھا پی کر نکل جاتے ہیں نباہ کے ساتھ برا ہوا پر ہر کسی کے ساتھ نہیں ہوتا ہے عنایا کو ارحم کی صورت بہت اچھا ہم سفر ملا۔ سسرال کے ایسے ایسے بھیانک روپ دیکھنے والی کو شکر ہے اچھا سسرال ملا، عنایا کی باتیں اچھی لگی جو اس نے ان لوگوں کے حوالے سے کہیں کفارہ نادیہ احمد اور ہیں کو اکب کچھ زونا حرم نے خوب صورت و سبق آموز لکھا۔ صاحب علم حرا قریشی کا آرٹیکل بیسٹ رہا ناولٹ آٹے کی چڑیا یاسمین نشاط ونڈر فل دیے جلنے لگے صباحت رفیق ویلکم بیک میم اتنے ٹائم بعد آپ کو دیکھ کر خوشی ہوئی پر ناولٹ اقساط مکمل ہونے کے بعد پڑھوں گی ان شاء اللہ۔ مکمل ناول معذرت کے ساتھ دونوں ہی پسند نہیں آئے۔ سوری سباس گل اینڈ نزہت جبین ضیاء۔ ”عشق دی بازی“ ریحانہ کا سسپنس فل ناول خوب صورتی سے آگے بڑھ رہا ہے عشق نگر کے مسافر ندا حسنین پہلی قسط اچھی رہی ابھی تو کرداروں کا تعارف ہے آگے دیکھتے ہیں آئی ہوپ کہ یہ ناول



Digitized by Google

میرے فیورٹ ناولز میں شمار ہوگا۔ جو ہی اپیا یہ عالم میں انتخاب والے سلسلے کو کیا کردیا ہے آپ نے۔ صرف ایک بندہ شامل ہوگا؟ مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آئی۔ پلیز آپ ہی ذرا وضاحت کردیں کہ کس طرح شامل ہوسکتے ہیں اور خط بھیجنے کی آخری تاریخ بھی بتادیں۔ اللہ حافظ اور ہاں اپیا! آپ کا پیارا سا جواب پڑھ کر ہمیشہ دل خوش ہوجاتا ہے۔

☆ ڈیئر تبسم! ہماری کوشش ہوتی ہے کہ آپ کو اچھے سے اچھا مواد پڑھنے کو ملے۔ عالم میں انتخاب میں ایک شاعر کا منتخب کردہ کلام شامل کیا گیا ہے آپ اپنے کسی بھی پسندیدہ شاعر کی غزلیں نظمیں وغیرہ بھیج سکتی ہیں کچھ ان کے کلام کے بارے میں بھی لکھ دیں کہ یہ کلام آپ کو کیوں پسند ہے پڑھ کر اندازہ نہیں ہوا کہ کیسے لکھنا ہے؟ خط آپ ہر ماہ کی بائیس تاریخ تک بھیج سکتی ہیں۔

**ماہا بشیر حسین...... ننکانہ** السلام علیکم اس دفعہ حجاب کا ٹائٹل بہت پسند آیا خاص کر ڈریس۔ بات چیت میں آنی بہت خوش ملیں اللہ انہیں ہمیشہ خوش ہی رکھے آمین۔ حمد و نعت ہمیشہ کی طرح ایمان کو تازہ کر گئے ماورا طلحہ' سے ملاقات زبردست رہی ان کی عمر تو ابھی کم ہے اور یہ شادی شدہ ہیں۔ سالگرہ سروے میں سب کے جوابات تقریباً ایک سے تھے چلو ہم معتبر ٹھہرے، سگ لیلیٰ، آٹے کی چڑیا زبردست رہے۔ ڈرائنگ روم یہ موضوع پہلے بھی کئی بار لکھا جاچکا ہے اس لیے سو سو رہا۔ کفارہ ادکے ادکے تھا۔ ہیں کو اکب کچھ اچھا تھا۔ روزن پہلے تو شروع سے سمجھ نہیں آیا پھر دوبارہ پڑھا اچھا لکھا کائنات غزل نے۔ چھوٹی سائرہ کے ابا کی باتیں بہت اچھی لگی میں تو اسے تحریاً ف دی منتھ کہوں گی۔ صاحب علم حرا قریشی کا آرٹیکل کافی پسند آیا مستقل سلسلے سارے زبردست رہے۔ سب کا انتخاب پسند آیا۔ پلیز سلسلے وار ناولز کی تعداد میں اضافہ کریں اور سب مصنفین نے عشق کو کیوں پکڑ رکھا ہے؟

☆ ڈیئر ماہا! عشق کو مصنفین نے نہیں بلکہ عشق نے مصنفین کو جکڑ رکھا ہے اس لیے وہ اس عشق نگر سے نکل نہیں پاتیں۔

**شازیہ ہاشم میواتی...... قصور** ڈیئر حجاب اسٹاف جوہی آپی اینڈ حجاب ریڈرز کیف حالک؟ امید ہے کہ آپ سب ویل اینڈ فائن ہوں گے۔ اس دفعہ تو رسالہ بہت جلد مل گیا۔ مگر بے انتہا مصروفیت کی بناء پر بس لکھنے کا ٹائم نہیں ملا سو اب لکھ رہی ہوں کیونکہ زندگی میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں بعض لمحات انسان کو شاداں و فرحاں کردیتے ہیں اور بعض لمحات ایسے ہوتے ہیں جو انسان کو وادی رنجور میں دھکیل دیتے ہیں۔ اب آتی ہوں حجاب کی طرف پیاری جوہی اب تک تو آپ جان چکی ہوں گی۔ مجھے یقین ہے میرے ہر لفظ کو حجاب کے صفحات پر اتارا جائے گا۔ آنی قیصر سے گفتگو اور بات چیت کرنا مجھے بہت پسند ہے کیونکہ وہ میرے دلی جذبات کو اپنی بات چیت میں سموئے رکھتی ہیں۔ پیاری آنو آپ کو حجاب کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ میں ایک نظم سینڈ کروں گی جو ضرور شائع ہونی چاہیے ورنہ ہم کراچی پہنچ جائیں گے تصوراتی پلین میں۔ جی تو آگے چلتے ہیں۔ حمد و نعت کی طرف اب کی ثنا میں جاوید رسول کا لفظ لفظ قلب کے نہاں خانوں میں جذب ہوکر انداز سرور لے کر پڑھا۔ نعت مصطفیٰ ﷺ کی طرف احمد ندیم قاسمی کی پڑھ کر دل سے ایک تڑپ والی صدا بلند ہوئی۔ یا اللہ جی جلد از جلد ہمیں اپنے گھر اور روضہ رسول پر بلالے ان شاء اللہ۔ ماورا طلحہ' سے ملاقات کرنا بہت اچھا لگا۔ ڈیئر ماورا اللہ آپ کو خوشیوں سے معمور زندگی عطا فرمائے اور آپ کا قلمی سفر یونہی جاری رہے سحر نو قافلے کے سوالات بہت پسند آئے۔ آٹے کی چڑیا یا سمین نشاط سالار کا درد کے جذبات سے کھیلنا بے حد کر یہہ کھیل لگا۔ آج کے معاشرے کے عکاسی کرتی تحریر نجانے کتنی بہنوں کو ایسے محبت کے نام پر الو بنا کر چھوڑ دیا جاتا ہوگا پھر یہ بات زبان پر زد عام ہوجاتی ہے کہ قصور لڑکی کا ہوتا ہے۔ بیٹوں والوں کو سوچنا چاہیے آخر کیوں ہمارے بیٹے نے ایسا کچھ کیا جس کی بنا پر کسی کی زندگی پر دھبہ لگ جاتا ہے۔ محبت ہارنے میں اور محبت میں ہارنے میں بڑا فرق ہے ایک ہار زندہ رکھتی ہے دن رات کسک بن کر دل میں پلتی ہے اور دوسری روح سلب کرتی ہے جیتے جی مار دیتی ہے۔ چلو ہم معتبر ٹھہرے زبردست آنی نزہت! کمال کردیا۔ بہت اچھی لگی خاص طور پر عارض کی ہمدردی والی عادت وسیع الظرف قلب بہت زبردست ایسا ہی انسان کو ہونا چاہیے چلے یہ بھی اچھا کہ ردابہ کی حقیقت کھل گئی اور طوبیہ کو اس کے صبر کا پھل مل گیا۔ انسان کی سوچیں شفاف ہوں آنکھوں پر الیکٹرونز گلاسز نہ لگے ہو تو زندگی بڑی خوشگوار ہوجاتی ہے۔ عشق دی بازی آنی ریحانہ بڑا کمال کا ناول لکھ رہی ہیں آپ۔ بٹ آنی ہر قسم کا خطرہ عیشال اور سبحان کے لیے ہوتا ہے اور چودھری جہانگیر کی خود غرضانہ سوچ دل میں جذبات تنفر پیدا کر گئی۔ یہ کیسی اجارہ داری ہے کہ دولت کے بل بوتے پر اپنے کاموں کو پورا کردیا جائے۔ ویلڈن ماورا ایجی' بہت زبردست جواب دیا۔ آپ نے ٹیلنٹ اللہ کی دین ہے فرض کریں اگر ماورا پیچھے ہٹ بھی جائے تو کوئی اور لڑکی بھی آگے آسکتی ہے۔ ایشان جاہ کے دل کے تار میں کرنٹ عشق کا بہاؤ تیزی سے ماورا کی طرف ٹرانسفر ہو رہا ہے۔ دیکھنا ایشان آگے ہماری آنو ریحا کیا کرتی ہے۔ سگ لیلیٰ واہ سباس آپی! کیا تحریر لکھی۔ جدید تقاضوں کے مطابق لیلیٰ مجنوں کی اسٹوری دل کو بھا گئی۔ شکر ہے لیلیٰ کو عقل آ گئی اور مجنوں کی صاف گوئی بے حد اچھی بھی لگی اور ہنسنے پر بھی مجبور کردیا اور گڈ واز دی بیسٹ کریکٹر۔ عشق نگر کے مسافر ابھی نہیں پڑھا معذرت ندا آپی۔ ہیں کو اکب کچھ رونا حرم اپنے منفرد نام کی طرح تحریر منفرد ہی لکھی۔ خالدہ بیگم کو کچھ عقل آ ہی گئی اسی لیے تو پاک پیغمبر ﷺ نے کسی کی ٹوہ لگانے اور تجسس کرنے سے منع فرمایا ہے لہٰذا یہ تحریر ہمیں واضح طور



Digitized by Google

پر یہ پیغام دیتی نظر آئی کہ کسی کے بارے میں کبھی بھی قیاس آرائی نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی کسی کی بات کو اچھالنا چاہی لیکن حافظہ ہانیہ اور اس کی بھابی کوثر بہت اچھی لگیں۔ دیے جلنے لگے صباحت آپی نام سے ہی پتا چل گیا زبردست تحریر ہوگی پر یہ کیا باقی آئندہ ماہ لہذا اب آپ انتظار کریں پورا ہونے پر تبصروں کروں گی۔ ہلکی پھلکی سی تحریر میں روزن، چیونٹی اچھی لگی اور حرا قریشی کا آرٹیکل بے حد اچھا لگا جتنی بھی تعریف کی جائے اتنی ہی کم ہے۔ جیسا میں نے دیکھا ہر بار کی طرح زبردست تھا۔ بزم سخن میں سب کے اشعار اچھے مگر ثنا، حنا ارشد، گلشن چودھری، شاہ زندگی، انعم حضر، سمیہ، وقاص عمر، سمیرا گل کے زبردست تھے کچن کارنر میں پڑھنے پر ہی اکتفا کیا۔ عالم میں انتخاب بہت زبردست 'محمد فیصل بھائی' عالی جی کی شاعری بہت بھائی۔ شوخئ تحریر زبردست۔ عثمان عبداللہ، مزمل رحمان، وقاص عمر، مدیحہ، سمیرا، رابعہ چھائے رہے۔ حسن خیال آنٹی کوثر جزاک اللہ دعا کے لیے۔ رابی احمد بہت شکریہ اور آپ کے بابا کے بارے میں جان کر بہت اچھا لگا۔ واہ عرشی بہنا چھا گئیں آپ اب آپ نے ہماری جگہ لے لی بہت اچھا لگا عرشی آپ بھی بہت نائس اللہ آپ کو خوش رکھے اور آپ کو تا حیات شاد و آباد رکھے پیاری سسٹر ارے رمشا تم کام کیا کرو آپی پروین، اللہ آپ کو اولاد صالحہ سے نوازے آمین۔ وقاص عمر بھائی آپ بھی بہت اچھا لکھتے ہیں بٹ آپ ناولز پر تبصرہ بھی کیا کریں پھر بہت اچھا لگے گا اور 25 دسمبر کو آپ کی سالگرہ ہے آپ کو سالگرہ مبارک ہو۔ اللہ آپ کو زندگی کی ہر خوشی عطا کرے۔ ماہا بشیر اینڈ تبسم بشیر آپ کا مختصر تبصرہ اچھا لگا۔ مدیحہ آپ ہر مرتبہ بہت اچھا لکھتی ہو۔ دوست کا پیغام آئے فائزہ بھٹی آپ نے یاد کیا جزاک اللہ۔ نجمہ نذیر آئی مس یو ویری مچ یار رابطہ کرو مجھ سے انعم خضر اللہ آپ کا تعلیمی سفر کامیابی کے ساتھ جاری رکھے اور آپ کو ایک پیارا سا بھائی عطا فرمائے آمین۔ ٹو کلے خدیجہ آپی عمل کیسے کریں؟ اللہ حجاب کو کامیابی کے ساتھ گامزن رکھے آمین۔ چندا مثال، حنا ارشد، نبیلہ ناز، نجمہ نذیر، سدرہ، فاخرہ نور فاطمہ، ایمان فاطمہ، یاسمین، عائشہ ہنی، ثمرہ، سمیہ، فائزہ، آنٹی ارم، آپی پروین، آنٹی ریحانہ آفتاب، نزہت جبین، صبا ایشل اور سب آنچل فرینڈ اینڈ اسٹاف خوش رہو اور خوشیاں بانٹو۔ ایک نظم کے ساتھ اجازت چاہوں گی جو نظور خاص حجاب کے لیے ہے۔

دمکتا چمکتا رہے تو تا ابد
علمی فضا بکھیرتا رہے تو تا ابد
ذریعہ تفریح ذریعہ علم ہے تو
رہے رواں تیرا سلسلہ تا ابد
تعریف خدا ہو یا ثنائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آراستہ رہے تو ان سے تا ابد
دل کی دھڑکنوں میں ادھم ہے
ہر دھڑکن کی صدا رہے تو تا ابد
میں نے جانا ہے تم سے بہت کچھ
رہے میرا تجھ سے تعلق تا ابد
شاز کو ملی بہت قدر تجھ سے
ملے تجھے بھی قدر اے حجاب تا ابد

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

**عنبر فاطمہ...... کراچی۔** حجاب کے قارئین کو عنبر کی جانب سے سلام قبول ہو۔ اس مرتبہ تو پرچا بہت جلد مل گیا اور انتظار کی زحمت بھی نہ اٹھانا پڑی ٹائٹل پر نظر پڑی تو نیلم منیر کا خوب صورت ٹائٹل اور معصوم انداز بے حد پسند آیا۔ یہ تو اپنی الفت ہی ہے ناں، جو آج کل ٹی وی اسکرین پر چھائی ہوئی ہے۔ بات چیت میں قیصر آنی سے نصف ملاقات بے حد اچھی لگی۔ حجاب کی سالگرہ بے حد مبارک ہو یہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ حمد و نعت دونوں ہی عقیدت و محبت سے بھرپور تھیں ماورا طلحہ سے مل کر اچھا لگا اب جلد ماورا کی کوئی کہانی بھی پڑھنے کو مل جائے تو مزہ آجائے۔ دیگر تحریروں پر نظر ڈالی تو سب سے پہلے یاسمین نشاط کا نام دیکھ کر خوشی محسوس ہوئی آٹے کی چڑیا بے حد پسند آئی۔ آج کے دور کی عکاسی کرتی تحریر یاسمین نشاط کا انداز ہمیشہ ہی پسند آتا ہے۔ نزہت جبین نے بھی اپنی تحریر کے ذریعے ہمارے دل میں جگہ بنالی۔ اب آتے ہیں سلسلہ وار ناول کی جانب "عشق دی بازی" ریحانہ کا ناول بھی دلچسپی برقرار رکھے ہوئے ہے اب دیکھتے ہیں شنائیہ چودھری شاہ زر شمعون کے لیے کیسے انکار کر پائے گی ویسے بھی وہ دونوں ایک جیسے ہیں اس لیے دونوں کی جوڑی خوب رہے گی۔ دونوں تیز مزاج، غصے والے اور جھگڑالو ہاہاہا...... اور دوسرے ہیرو سبحان بھی اپنی ہیروئن کو بچانے میں کامیاب ہو ہی جائیں گے کیونکہ وہ کسی بھی طرح سلمان خان سے کم نہیں سب کا مقابلہ کر ہی لیں گے اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے جب شنائیہ کا نکاح ہوگا تو مزہ ضرور آئے گا ماورا اور ایشان کا مستقبل قریب



Digitized by Google

میں کوئی گہرا رشتہ بن ہی جائے گا۔لگتا تو یہی ہے آگے ریحانہ کی مرضی۔دوسرا سلسلے وار ناول ندا حسنین کا موضوع تھوڑا خشک محسوس ہوا نفسیات کی کلاسز اور اس حوالے سے معلومات شاید آہستہ آہستہ دلچسپ موڑ پر آئیں تو کہانی کا حسن سامنے آئے۔فی الحال کہانی میں دلچسپی کا عنصر ڈھونڈنے بھی نہ ملا بہرحال آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا شاید مزید کرداروں سے کہانی اچھی ہو جائے ابھی تو آغاز سفر ہے اور انجام باقی ہے۔ سباس گل کا ناول سنگ لیلیٰ نہایت خوب صورتی سے موجودہ حالات کے تناظر میں لکھی گئی لیلیٰ مجنوں کی داستان پسند آئی سباس نے بھی اپنی تحریر کے ذریعے انفرادیت برقرار رکھی، پڑھ کر اچھا لگا۔افسانے سب ہی اچھے تھے بہرحال چیونٹی اور روزن زیادہ پسند آئے۔دیگر رائٹرز نے بھی اچھا لکھا۔آخر میں رہ گئی تحریر صباحت رفیق کی ”دیے جلنے لگے“ تحریر کا موضوع کافی پرانا تھا شاید پہلے بھی اس موضوع پر کہیں پڑھ چکے ہیں۔دیے بجھے ہوئے نظر آئے۔نجانے کیوں ابھی دوسرا حصہ باقی ہے لیکن کافی حد تک انجام واضح ہو گیا ہے۔روایتی خاندانی جھگڑوں اور محبت کے تنازع پر لکھی یہ تحریر متاثر نہ کر سکی۔ویسے میرے خیال کے مطابق موضوع اگرچہ پرانا بھی ہو لیکن انداز میں انفرادیت ہونی چاہیے جو کہ اس تحریر میں بالکل بھی نہ تھی۔بہرحال یہ تو میری رائے تھی دیگر لوگوں کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ مستقل سلسلے سب ہی اچھے تھے بالخصوص عالم میں انتخاب میں عالی جی کے کلام نے لطف دوبالا کر دیا۔ہر غزل ہر نظم بے حد خوب صورت تھی اور باذوق قارئین کے لیے یہ سلسلہ ایک بہترین اضافہ ثابت ہوگا اس کے ساتھ ہی اجازت، وقت ملا تو پھر کبھی نئے پرچے اور نئے تبصرے کے سنگ حاضر ہوں گے اور اپنی تعریف و تنقید سے آپ کو بھی مستفید کریں گے۔اللہ حافظ۔

**عائشہ مبین...... گوجرانوالہ۔** السلام علیکم تو آل آنچل و حجاب قارئین سب سے پہلے تو مجھے اپنا خط دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں اور دوسری بات یہ کہ آپ نے میرا نام عائشہ امین لکھ دیا ہے مگر میرا نام عائشہ مبین ہے ”عشق دی بازی“ میری فیورٹ اسٹوری ہے بہت اچھے طریقے سے آگے بڑھ رہی ہے ”آٹے کی چڑیا“ پڑھ کر بہت دکھ ہوا ”چلو ہم معتبر ٹھہرے“ اچھی تھی طوسیہ کا مطلب کیا ہے۔”سنگ لیلیٰ“ پڑھ کر ہنسی آ گئی ”عشق نگر کے مسافر“ قسط وار کہانی شروع ہوئی ہے ابھی کچھ پتا نہیں کیسی ہوگی۔”دیے جلنے لگے“ بہت اچھی اسٹوری صباحت رفیق چیمہ جی ویل ڈن۔مجھے سمیرا شریف طور اور نازیہ کنول نازی بہت پسند ہیں۔میں آٹھویں کلاس میں تھی جب ہمیں مس مصباح شریف پڑھاتی تھیں ویسے ہی باتوں باتوں میں انہوں نے بتایا کہ سمیرا میری سسٹر ہیں۔سب کو سلام اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین

☆ ڈیئر عائشہ! آج کل ایسے نام رکھنے کا رواج چل پڑا ہے جو محض صوتی اعتبار سے اچھے لگتے ہیں۔ضروری نہیں ان کے کچھ معنی بھی ہوں۔بہرحال طوس ایک شہر کا نام ہے اور وہاں کے رہنے والے کو طوسی کہتے ہیں۔طوسیہ غالباً اس کی تانیث ہے۔

**عریشہ زاھد عرشی...... ٹمن تلہ گنگ۔** السلام علیکم! آل پاکستان امید واثق ہے آپ سب ٹھیک ٹھاک خیر و عافیت کے ساتھ زندگی کے نشیب و فراز کو خوش دلی کے ساتھ برداشت کر رہے ہوں گے سب سے پہلے تو آپ سب کو حجاب کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔حجاب نے بہت ہی کم عرصے میں سب کے دلوں میں اپنی خاص جگہ بنالی ہے اس کا کریڈٹ خاص طور پر جناب محترم طاہر قریشی آنچل و حجاب کی ایڈیٹر قیصرآ نٹی، نائب مدیرہ اینڈ طاہر احمد قریشی جو ہماری پیاری اینڈ عظیم رائٹرز کے ساتھ نہایت محبت کے ساتھ پیش آتے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کر کے ان کا سیروں خون بڑھاتے ہیں۔ہماری عظیم رائٹرز بھی اپنے قلم کا غلط استعمال نہیں کرتیں ہمیشہ جیتی جاگتی حقیقتوں کو قلم بند کرتیں ہیں۔حجاب ڈائجسٹ کے تمام ٹائٹل اے ون ہوتے ہیں کیونکہ اس میں ادارے والوں کی محنت کا رنگ چھلکتا ہے خصوصاً ٹائٹل گرل جب حجاب میں ہوتی ہے تو حجاب کی خوب صورتی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

رکے تو گردش اس کا طواف کرتی ہے
چلے تو اس کو زمانے ٹھہر کر دیکھتے ہیں

حجاب ڈائجسٹ کے تمام شمارے دلچسپی اور انفرادیت سے بھرپور ہوتے ہیں حجاب کی تمام رائٹرز (بگ رائٹرز) بہت عمدہ لکھتی ہیں سب سے پہلے میں یہاں بات کرنا چاہوں گی ”دل کے دریچے“ (صدف آصف) کا ناول جو نہایت خوب صورتی کے ساتھ صدف آصف نے اختتام تک پہنچایا۔فائز کی بے لوث محبت نے بہت امپریس کیا۔صدف آصف کا ناول برسوں یاد رہے گا۔”میرے خواب زندہ ہیں“ (نادیہ فاطمہ رضوی) ونڈرفل سب سے پہلے تو مبارک وصول کریں اتنے خوب صورت طریقے کے ساتھ ہر کردار کو ساتھ لے کر چلیں۔کہیں کوئی جھول طوالت محسوس نہیں ہوئی۔آپ کے ناول کے مضبوط ترین کردار حورین اور فراز تھے کامیش شاہ کی اپنے پروفیشن کے ساتھ محبت اپنے بھائی کے لیے احترام بہت اچھا لگا خاص طور پر پسند کرنے کی وجہ (مونچھیں) آ ہم سونیا اور احتشام جیسے لوگوں سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔سونیا جیسے لوگ محبت کی قدر نہ کرنے والوں کا کچھ ایسا ہی انجام ہوا کرتا ہے جو پھولوں کو خود اپنے ہاتھوں سے مسل کر کانٹوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ویری



URDU TUBE A HOME OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

نائس نادیہ آپی! اللہ پاک آپ کو مزید کامیابیوں سے نوازے ایسے ہی ہماری اصلاح کے لیے اچھا اچھا لکھتی رہیں۔ ہاں یاد آیا مجھے آپ سب رائٹرز سے ایک گلہ بھی ہے یہ آپ سب اپنے ناولز کا اختتام شادی پر ہی کیوں کر دیتی ہیں جبکہ میں نے تو سنا ہے زندگی کا آغاز شادی کے بعد ہوتا ہے (بتایئے گا ضرور) نادیہ آپی آپ کے ناول پر اک نظم پیش کرنا چاہوں گی۔

دل بے خبر ذرا حوصلہ
نہیں مستقل کوئی مرحلہ
کوئی ایسا گھر بھی ہے شہر میں
جہاں ہر مکیں ہو مطمئن
کوئی ایسا دن بھی کہیں پر ہے
جسے خوف آمد شب نہیں
یہ جو گرد باد زمان ہے
یہ ازل سے ہے کوئی اب نہیں
دل بے خبر ذرا حوصلہ
نہیں مستقل کوئی مرحلہ
یہ جو خار ہیں تیرے پاؤں میں
یہ جو زخم ہیں تیرے ہاتھ میں
یہ جو خواب پھرتے ہیں دربدر
یہ جو بات الجھی ہے بات میں
یہ جو لوگ بیٹھے ہیں جا بجا
کسی ان بنے سے دیار میں
سبھی اک جیسے ہیں سرگراں
غم زندگی کے فشار میں
یہ سراب یونہی سدا سے ہیں
اسی رہگزار حیات میں
یہ جو رات ہے تیرے چار سو
نہیں صرف تیری ہی گھات میں
دل بے خبر ذرا حوصلہ
نہیں مستقل کوئی مرحلہ
تیرے سامنے وہ کتاب ہے
جو بکھر گئی ہے ورق ورق
ہمیں اپنے حصے کے وقت میں
اسے جوڑنا ہے سبق سبق
ہیں عبارتیں ذرا مختلف
مگر اک اصل سوال ہے
جو سمجھ سکو تو یہ زندگی
کسی ہفت خواں کی مثال ہے
دل بے خبر ذرا حوصلہ
نہیں مستقل کوئی مرحلہ

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com


Digitized by Google

کیا عجب کہ کل کو یقین بنے
یہ جو مضطرب سا خیال ہے
کسی روشنی میں ہو منقلب
کسی سرخوشی کا نقیب ہو
یہ جو شب نما سی ہے دلی
یہ جو زرد رو سا ملال ہے
دل بے خبر ہو ذرا حوصلہ
دل بے خبر ذرا حوصلہ

ناول ''عشق دی بازی'' از ریحانہ آفتاب آپ کے ناول کی تعریف کے لیے بھی میرے پاس الفاظ نہیں ہیں آپ کے ناول کے بھی بہت سارے کردار ہیں جن کو آپ نہایت عمدگی کے ساتھ قلم بند کر رہی ہیں بس آپ کے ناول میں مجھے ایک بات اچھی نہیں لگی وہ یہ کہ آپ نہایت سلو لے کر جارہی ہیں اپنے ناول کو پلیز تھوڑا زیادہ لکھا کریں بھرپور اک ماہ ویٹ بھی تو کرنا پڑتا ہے جو مجھے کرنا تو زہر لگتا ہے آپ کا یہ شاہکار ناول ہمیشہ یادرہے گا۔ ''محبت گزیدہ'' (قرۃ العین سکندر) آپ نے بھی خوب لکھا کچھ اشعار آپ کے خوب صورت ناول کے لیے۔

ہر ناول اپنی مثال آپ ہے۔ اب بات کروں گی میں عابدہ سبین کے ناول ''محبت بھٹکتا جنگل'' جسے پڑھتے ہوئے میں نے بہت انجوائے کیا تھا اسپیشلی طلال کا کردار جس نے بہت ہنسایا جان دار مکالے تھے ''شب آرزو تیری چاہ میں'' (نائلہ طارق) ویلڈن نائلہ آپی۔

شب آرزو تیری چاہ میں
غم زندگی تیری راہ میں
جو بچھڑ گیا وہ ملا نہیں
جو اجڑ گیا وہ بسا نہیں

اب بڑھتے ہیں نادیہ احمد کی طرف جو گھورے جارہی ہیں کب سے کہ سب ناولز پر تبصرہ کیا جارہا ہے۔ میری باری کب آئے گی بس آگئے نادیہ جی آپ کی طرف ''ڈھل گیا ہجر کا دن'' نادیہ احمد آپ نے اپنے ناول کو بارہ ماہ تک لکھا۔ ہر قسط اچھی رہی خاص طور پر آپ نے اپنے اس ناول میں جو سبق دیا وہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ آپ نے سو فیصد درست کہا کہ مرد عورت پر ہاتھ نہیں اٹھاتا بلکہ اس کی عزت نفس پر وار کرتا ہے اور اسے خاموشی سے سہہ جانے والی عورت کے اندر سے دراصل اس کی عزت نفس مر چکی ہوتی ہے اور مرد کا عورت پر ہاتھ اٹھانا ایک نفسیاتی بیماری ہے جو نسلوں سفر کرتی ہے۔ آج کل ہمارے معاشرے میں یہ بیماری بہت عام ہو چکی ہے اور پڑھے لکھے اہل اس بیماری میں زیادہ انوالو ہیں جن کو دیکھ کر دکھ ہوتا ہے۔ بہر کیف آپ نے نہایت سبق آموز ناول لکھا۔ عمل کرنا ہمارا کام ہے۔

میں نے سوچا ہر ماہ کے شمارے پر تو تبصرہ کیا جاتا ہے مگر یہ ہماری رائٹرز جو اپنے قیمتی اوقات میں ناولز لکھتی ہیں ان پر بہت کم تبصرہ کیا جاتا ہے سو اس لیے میں نے آج سب سے پہلے ناولز پر تبصرہ کیا اب بڑھتی ہوں باقی تحریروں کی جانب جن کی معیاری اور سبق آموز تحریریں حجاب کی زینت بنتی ہیں حمیرا علی، طیبہ عنصر مغل، صبا ایشل، نزہت جبین ضیاء، سلمٰی فہیم گل، مریم مرتضٰی، بشریٰ ماہا، عاصمہ عزیز، سباس گل، فرح طاہر، حرا قریشی، مریم شیراز، ماورا طلحہ، عنبر فاطمہ، تمثیلہ زاہد، سحرش فاطمہ، ریحانہ آفتاب، فصیحہ آصف خان، سدرہ فریال، سمیہ عثمان، حمیرا قریشی، عائشہ نور محمد اینڈ جس جس کے نام رہ گئے (معذرت کے ساتھ) سب بہت اچھا لکھتے ہیں آنچل و حجاب کی ہر تحریر گویا دل میں دھڑکن کی طرح رہتی ہے جس کے خانوں پر صرف اور صرف محبت موجود ہے۔ حجاب میں سعدیہ عابد کا اک افسانہ ''رویا من تنہا تنہا'' سادہ الفاظ سے بھرپور تھا مگر دل میں محبت کی قندیل روشن کر گیا تھا۔ یہ تو بات ہوگئی رائٹرز کی اور ان کی تحریروں کی اگر حجاب قارئین کی بات نہ کی تو یہ زیادتی ہے سب سے پہلے تو کوثر آنٹی جو خوب تبصرہ کرتی ہیں۔ شازیہ آپی آپ بھی نہایت خوب صورت تبصرہ کے ساتھ انٹری دیتی ہیں۔ پروین آپی، ارم کمال، نجم انجم اعوان، اقرار جٹ، عائشہ پرویز، سحر تبسم سحری، تبسم بشیر، گل مینا، حسینہ، ذکا زرگر، عائشہ پرویز، مدیحہ نورین مہک، دلکش مریم، لیلیٰ ربنواز، فائزہ بھٹی، انیلا طالب، گلشن چوہدری، شزا بلوچ، کرن شہزادی، ارم صابرہ، شازیہ اختر شاسیدہ جیا عباسی، ایمہ احمد، حنا ارشد آپ سب کی نگارشات بہت زبردست ہوتی ہیں۔ اللہ پاک آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے اور جن کے نام رہ گئے ان سب کے لیے بھی عریشہ زاہد عربی کی طرف سے بہت بہت دعا و سلام۔ اس سال کا اختتام ہو رہا ہے یونہی وقت تمام ہو رہا ہے۔ دسمبر میں جو سانحہ پیش آیا اسے کسی صورت بھلایا نہیں جاسکتا۔ ان ماؤں کو سلام جن کے لخت جگر موت کی آغوش میں جا سوئے ہیں ان بہنوں کو سلام جن کے بھائیوں کے سائے سر سے اٹھ گئے۔ روتا چھوڑ کر چلے


Digitized by Google

گئے جن کے سینے گولیوں سے چھلنی ہوگئے مگر لب مسکرا رہے تھے مگر وہ زندہ ہیں ان کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ہاں تم زندہ ہوتم زندہ ہو۔

اللہ سے دعا ہے نئے سال کا آغاز واختتام سب کے لیے خوشیاں لے کر آئے 2019ء سب کو راس آئے اللہ پاس اس سال سب کی جائز خواہشات کو پورا کرے۔اللہ پاک سے دعا ہے ہمارے ملک میں امن وسلامتی ہمیشہ قائم رہے۔آخر میں حجاب کے لیے ڈھیروں دعائیں قبول کیجیے۔

☆ڈیئر عریشہ!آپ کا جامع اور مکمل تبصرہ پسند آیا۔آپ نے تمام رائٹرز کی محنت کو بخوبی سراہا اور ابتدا میں لکھی نظم بھی پسند آئی۔امید ہے آئندہ بھی شریک محفل رہیں گی۔

**ثنا فرحان...... ملتان۔** یوں تو زندگی میں اور بہت سی مشکلیں ہیں لیکن جو دوسرے لوگ پیدا کردیں ان پر پھر غصہ ہی آتا ہے اب صباحت کی کہانی کو لے لیں کیا تھا جو سیدھا سیدھا لکھ دیتیں ضروری تھا اتنا الجھا کر لکھنا اور بھی کام ہوتے ہیں بھئی تسلسل سے تو بندہ ٹی وی بھی نہیں دیکھ سکتا گھر کے کام بھی تو کرنے ہوتے ہیں کہانی پڑھتے ہوئے سکندر اور شاہ ویز دونوں کزن لگے۔لیکن آگے جا کر پھر صفحات پلٹ کر پیچھے دیکھا تو پتا چلا کہ سکندر اور یوسف کزن ہیں آدھی تحریر پڑھ کر ڈائجسٹ غصہ سے واپس رکھ دیا کون پڑھے ایسی فضول تحریر آپ لوگ ہی مجھ بے چاری۔کچھ خیال کیا کریں۔عشق دی بازی تعریف کے لیے الفاظ نہیں' کیا خوب لکھ رہی ہیں ریحانہ آفتاب صاحبہ۔ہر بار قسط پڑھ کر آئندہ ماہ تک انتظار کی سولی پر جان لٹکتی رہتی ہے ویسے ایک شکایت ہے آپ سے اب آپ کے صفحات کم ہوتے جارہے ہیں تھوڑے صفحات زیادہ کردیں باقی آپ سے کوئی شکایت نہیں۔عیشال جہانگیر اور سبحان آفندی کے درمیان محبت دونوں کردار کہانی کی جان بن گئے ہیں منزہ کی کہانی بھی واضح کریں آخر جہانگیر اور منزہ کا کیا تعلق ہے۔ندا حسنین عشق نگر کے مسافر پہلی قسط تھی اس لیے ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔چلو ہم معتبر ٹھہرے نزہت جبیں صاحبہ جب بھی آتی ہیں چھا جاتی ہیں تحریر زبردست تھی سباس گل کی تحریر سنگ لیلیٰ کچھ خاص نہیں تھی جس طرح انہوں نے شروع میں مجنوں اور لیلیٰ کے جملے لکھے تحریر نے تو جا اپنی جانب کھینچ لی مگر پھر بوریت ہونے لگی۔آٹے کی چڑیا یا سمین نشاط سب پر بازی لے گئیں ایک ہی نشست میں پڑھی۔ڈاکٹر وردہ کا کردار آپ نے خوب لکھا۔اسے سالار کے ساتھ ایسے ہی کرنا چاہیے تھا صدف آصف کی تحریر ڈرائنگ روم پر یڈ پسند نہیں آئی۔ایسے موضوع بہت بار پڑھ چکے ہیں جبکہ افسانوں میں نادیہ احمد کی تحریر نمبر لے گئی زبردست نادیہ جی ایسے ہی منفرد موضوع کے ساتھ جلدی آئیں۔ماورا طلحہ سے ملاقات ادھوری رہی بھئی میں نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔دیگر سلسلوں میں سحر نو کے قافلے میں ہمیں بھی تھی اور حسن خیال بھی تو بھیجا تھا وہ کہاں گیا اور دوست کا پیغام ہو وہ بھی نہیں بہت افسوس ہوا۔مدیحہ تمہارے اشعار اچھے تھے اور دوجگہ تھے واہ بھئی ندا افتخار کے اشعار بھی اچھے تھے۔کوثر خالد نے یاد کیا اور میں بھی انہیں یاد کرتی ہوں۔ہر دعا میں اللہ انہیں صحت وتندرستی والی زندگی عطا فرمائے آمین۔اس بار کافی نام نئے بھی تھے شازیہ اختر شازی آپ کے اشعار بہت اچھے ہوتے ہیں آپ تبصرہ بھی بھرپور کرتی ہیں میں بھی کوشش کرتی ہوں کہ آپ جیسا لکھوں لیکن مشکل ہوتی ہے پروین آپی مجھے بھی یاد کرلیا کریں میں نے آپ کے نام پیغام لکھا جو شائع نہیں ہوا آپ ہی بتائیں مجھ بے چاری کا کیا قصور۔کچن کارنر کے لیے میرے میاں جی کہتے ہیں پورے ڈائجسٹ میں صرف یہی کام کا کالم ہے ترکیبیں ان کو سمجھ نہیں آتیں کہتے ہیں کچھ اچھی اچھی ترکیبیں دیا کریں۔عالم میں انتخاب میں بھی لکھوں گی اب کس پر یہ ابھی نہیں بتا سکتی۔اب تک کے لیے اتنا ہی بھئی سمجھا کریں اب نیند آرہی ہے اللہ نگہبان۔

☆ڈیئر ثنا!اپنے شوہر سے کہیں کہ ان تراکیب پر عمل کرکے ڈشز بنائیں گے تو سمجھ میں آجائیں گی اور آپ کھا کر تعریف کریں گی تو ان شاء اللہ مزید اچھی ترکیبوں کی فرمائش کرنے سے پہلے سو بار سوچیں گے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ ہمیں خود احتسابی کی توفیق عطا فرمائے کہ دوسروں کے عیب دیکھنا بہت آسان ہے مگر اپنی اصلاح کرنا بہت مشکل کام ہے۔اللہ پاک آپ کا حامی وناصر ہو۔

**ناقابل اشاعت کہانیاں:**
کھیل کے ساتھی محبت ہمسفر میری' باغی' تم سے بچھڑ کر' جریدہ دل میں' وعشق نزول' ایک خواب کی بات۔

**قابل اشاعت کہانیاں:**
قیمتی شاپنگ' علم کی اہمیت۔

URDU TUBE
www.urdutubes.com

husan@aanchal.com.pk



Digitized by Google

# ہومیو کارنر

طلعت نظامی

(گزشتہ سے پیوستہ)

## علامات مرض:

زمانہ خضانت عموماً ایک سے دو روز تک ہوتا ہے۔ اس عرصہ میں طبیعت کسی قدر بے چین ہوتی ہے اور کچھ کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ مرض کا حملہ اچانک ہوتا ہے۔ مریض کو سخت سردی لگتی ہے اور کپکپی طاری ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد لرزے سے بخار چڑھ جاتا ہے جس کی حرارت 103 سے 105 تک ہوتی ہے۔ شام کی نسبت صبح کے وقت بخار کسی قدر خفیف ہوجاتا ہے لیکن آٹھ نو روز تک برابر چڑھا رہتا ہے۔ جلد نہایت گرم ہوتی ہے سانس لیتے وقت ناک کے نتھنے پھول جاتے ہیں اور چونکہ مرض دائیں طرف کے پھیپھڑے کے پیندے میں ہوسکتا اس لیے اکثر دائیں طرف کے پستان کے نیچے یا بغل کے اندر دھیما دھیما سا درد ہوتا ہے لیکن اگر ساتھ ہی پھیپھڑے کے غلاف کا بھی ورم ہو تو درد نہایت شدید ہوتا ہے جس سے سانس لینا کھانسنا اور بات کرنا دشوار ہوجاتا ہے۔ بیٹھنے کی حالت میں کھانسی سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے اس کھانسی میں بلغم نہیں نکلتا اگر نکلے بھی تو بہت کم نکلتا ہے لیکن ایک دو روز بعد خون کی آمیزش سے سرخی مائل بھورے رنگ کا چپکنے والا بلغم خارج ہونے لگتا ہے۔ بے چینی اور بے خوابی کی شکایت ہوجاتی ہے۔ شدت مرض میں ہذیان ہوجاتا ہے مریض نہایت کمزور ہوجاتا ہے زبان میلی ہوجاتی ہے بھوک مرجاتی ہے بار بار پیاس لگتی ہے۔ اکثر دونوں رخسار سرخ ہوتے ہیں لیکن جس طرف کا پھیپھڑا متورم ہو اس طرف کا رخسار زیادہ سرخ ہوتا ہے۔ زبان سیاہ ہوجاتی ہے۔

## Broncho Pneumonia

## کھانسی کا نمونیا (برونکو نمونیا)

لفظ Branchiols, Brochi, Broncho سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی ہوا کی چھوٹی نالی یا خانے ہیں اس قسم کے نمونیا میں ہوائی نالیوں کے اختتامی سروں اور ہوائی نالیوں میں ورم ہوجاتا ہے یہ نمونیہ اکثر چھوٹے بچوں کو ہوا کرتا ہے۔ یہ اکثر دونوں پھیپھڑوں کے زیریں جانب یا کناروں پر ہوا کرتا ہے۔ اسے ڈبہ اطفال یا پسلی چلنا بھی کہتے ہیں۔

اس قسم کے نمونیا میں دونوں پھیپھڑے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ مرض بچوں میں کالی کھانسی یا خسرہ کے بگڑ جانے کے بعد ہوتا ہے اور بڑوں میں انفلوئنزہ اور برانکائٹس کے بعد ہوتا ہے۔ برانکو نمونیا بھی نیموکوکائی ہی پیدا کرتے ہیں اس کے علاوہ بھی کچھ جراثیم اس کے ذمہ دار ہیں بچوں اور بوڑھوں کی دفاعی صلاحیت چونکہ کمزور ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ پھیپھڑوں سے بلغم نکال نہیں سکتے اور اس مرض میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔

انفیکشن نظام تنفس کے بالائی حصوں سے Air Sac تک پہنچ جاتا ہے۔ Bronchi میں پیپ (Pus) پڑجاتی ہے جس سے اس کی دیواروں کو نقصان پہنچ جاتا ہے اس کو Fibrosis بھی کہتے ہیں Broncho نمونیا کے مقابلے میں لوبر نمونیہ ہلکا مرض ہے۔

## اسباب مرض:

کمزور بچے جو گندے مکانات اور مرطوب ماحول میں رہتے ہیں یا وہ بچے جن کی ہڈیاں کمزور ہوتی ہیں اس مرض میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں سردی لگنے سے بھی یہ مرض ہوجاتا ہے لیکن اکثر یہ نزلہ اور کھانسی کے سبب ہوا کرتا ہے کالی کھانسی، نزلہ وبائی، خناق، وبائی خسرہ وغیرہ امراض کے ساتھ بھی اس قسم کا شدید نمونیا ہوا کرتا ہے۔

## علامات مرض (Clinical Features)

مرض کے ابتدا میں عموماً کھانسی ہوتی ہے جس کے ساتھ تھوڑا تھوڑا بخار بھی ہوجاتا ہے لیکن بخار جلد ہی تیز

URDU TUBE
www.urdutubes.com



Digitized by Google

ہوجاتا ہے جس کی حرارت عموماً 103 یا 104 درجہ تک ہوتی ہے لیکن کبھی 105 یا 106 درجہ تک ہوتی ہے نبض باریک اور تیز تیز چلتی ہے۔ سانس جلد اور دقت سے آتی ہے کھانسی خشک اور تکلیف دہ ہوتی ہے جس کی تکلیف سے اکثر بچہ رونے لگتا ہے کھانسی سے مریض بے حد کمزور ہوجاتا ہے لیکن جب مریض پر غفلت طاری ہوجاتی ہے تو کھانسی کا آنا بھی کم ہوجاتا ہے۔ مریض کے چہرے کی رنگت نیلگوں ہوجاتی ہے۔ ناک کے نتھنے پھڑکنے لگتے ہیں۔ کبھی قے اور دست آنے لگتے ہیں بے چینی ہوتی ہے اگر مرض شدید ہو تو ہذیان، غفلت بے ہوشی اور اکثر تشنج ہوجاتا ہے۔ اس مرض میں آرام آہستہ آہستہ اور دیر میں ہوا کرتا ہے۔

## فزیکل سائینز (علامات ظاہری)

صحت کی حالت میں سینے پر (اسٹیتھواسکوپ) لگانے سے آواز صاف پیدا ہوتی ہے جیسے پھیپھڑوں سے ہوا آسانی سے گزر رہی ہو لیکن بیمار پھیپھڑوں پر لگانے سے آواز بھاری پیدا ہوتی ہے اور سانس تیز آتی ہے سانس کے ہمراہ ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے انگریزی میں کریپی ٹیشن اور ویسی کولر مرمر کہتے ہیں یعنی سانس کے ہمراہ شاں شاں کی سیٹی سنائی دیتی ہے۔ ماؤف پھیپھڑا سخت آواز دیتا ہے۔

## علاج:

ایکونائٹ ابتدا میں یہ دوا اکسیر کا درجہ رکھتی ہے اور بسا اوقات مرض کو ابتدا میں ہی روک دیتی ہے۔ جہاں پھیپھڑوں میں اجتماع خون کے لیے دیگر معالج جونکیں لگواتے ہیں یا فصد کھولتے ہیں وہاں اس دوا کی موجودگی میں نہ فصد کھولنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ جونکیں لگوانے کی۔ علامات یہ ہیں۔ سردی لگ کر بخار یکایک تیز ہوجائے نبض بھرپور سخت اور تنی ہوئی خشک ہو۔ کھانسی خشک اور تکلیف دہ ہو۔ کھانسی کے ہمراہ درد ہوتا ہے اگر کچھ تھوک بھی آتا ہو تو جھاگ سا آتا ہو، اس میں خون کی آمیزش بھی ہو لیکن تھوک گاڑھی بھی نہ ہو جب تھوک گاڑھا ہو تو پھر ایکونائٹ کارآمد نہیں ہوتی۔

## فیرم فاس:

یہ بھی ایکونائٹ کی مانند ابتدا میں کام آتی ہے جبکہ رطوبتی جھلیوں سے پانی کا اخراج بھی شروع نہ ہوا ہو اگر تھوک آئے بھی تو پتلا پانی کی مانند اور خون کی آمیزش لیے ہوئے جب خون کا اجتماع پھیپھڑوں میں شدید ہو۔

## آیوڈین:

یہ دوا نمونیہ کے درجہ ابتدائی اور ثانوی دونوں میں مفید ہے جبکہ پھیپھڑہ پھوڑے میں تیزی سے تبدیل ہو رہا ہو، کھانسی بہت ہو ساتھ ہی تھوڑا بخار ہو پھیپھڑے میں پیپ پڑ گئی ہو۔

## اینٹم ٹارٹ:

جبکہ پھیپھڑوں کے تمام ماؤف مقام پر نرم و تیز آواز سنائی دیتی ہو اور تنفس بہت بوجھل ہو خاص کر صبح کے وقت اور سانس لینے کے لیے مریض اٹھ کر بیٹھنے پر مجبور ہو نیز تیز چبھن والے درد، تیز بخار برائی اونیا کی طرح مریض کو محسوس ہو۔ کھانسی کے ساتھ بلغم باہر نکلے گی لیکن بلغم خارج نہ ہوتا ہو۔ جب بوڑھوں اور بچوں کو آرام نہ آتا ہو۔

## سینگونیریا:

جب نمونیا کے مرض میں مندرجہ ذیل علامات موجود ہوں تو یہ دوا کام آتی ہے۔ بخار ہو، جلن ہو سینہ کا اوپری حصہ بھرا ہوا ہو خشک کھانسی، تیز درد، سینہ کے دائیں طرف زیادہ ہو تھوک زنگ سا نکلتا ہو۔ ہاتھ پاؤں خواہ بہت گرم ہوں یا ٹھنڈے دل کی حرکت کمزور اور بے قاعدہ ہو، پھیپھڑے بہت زیادہ ماؤف ہوں اور ان میں اجتماع خون بہت شدید ہو، جب مرض بہت پرانا ہو گیا ہو۔ اس کے علاوہ ہائیوسائمیس، ورائٹرم و رائیڈ، کالی کارب لائیکو پوڈیم، چیلی ڈونیم، اپی کاک، آرسینکم علامات کے مطابق دی جاتی ہے۔

URDU TUBE
www.urdutubes.com



Digitized by Google

# دوست کا پیغام آئے

## ملیحہ احمد

### کیوٹ کیوٹ فرینڈز کے نام

السلام علیکم! جی نٹ کھٹ لڑکیوں کیسی ہو آپ لوگ۔ ڈیئر سویٹی میری سب سے اچھی دوست، جس چیز سے منع کرتی ہو میں اسی میں سر دیتی ہوں۔ پرے فاری یار تو بہت کیوٹ ہے۔ شازی کیسی ہے یار! تجھے بہت بہت مبارک ہو عمرہ۔ اللہ ہم سب کو حاضری نصیب فرمائے آمین تو بہت جینئل ہین ہے چوہوں کو جو مار لیتی ہے۔ ارم یار تو اتنی موٹی ہوگئی ہے کہ بس ہوا کا جھونکا آئے اور تم اڑ جاؤں۔ کشمالہ سوری دیا مرزا میری کیوٹی کیسی ہے تیری لائٹ کی وجہ سے میں روشن ہوں۔ دیا مجھے تم سے پیار ہے۔ خوش رہو سب دعاؤں میں یاد رکھنا اللہ حافظ۔

ایس چلبلی..... نور پور

### گلابی گڑیا کے نام

السلام علیکم! جان سے عزیز پیاری پری! کیسی ہو دل لگا کہ نہیں یقیناً نہیں لگا ہوگا۔ مجھے بھی تم سب بہت یاد آتے ہو اتنا کہ آنکھیں بھیگ جاتی ہیں اور دل لہو لہو ہو جاتا ہے مس یو سوچ یار۔ بابا جان کیسے ہیں۔ بھائی کیسے ہیں۔ انہیں میرا اسلام محبت دینا سنگ ڈھیر سارا پیار بھی۔ بے پناہ دعاؤں کے ہمراہ تمہیں رخصت کیا۔ باری تعالیٰ ہمیشہ تم سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔ اپنا ڈھیر سارا خیال رکھنا اور جب میں آؤں تو مجھے پہلے جیسی ملنا گلابی گڑیا اللہ حافظ۔

جگر کو چیر دیتا ہے اپنوں سے جدا ہونا
بچھڑ کے تم کو اس بات کا پتا تو چلا ہوگا

حمیرا قریشی..... حیدرآباد، سندھ

### پیارے بھانجے کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو سسٹر اور میرا بھانجا کیسا ہے۔ یقیناً تم سب بالکل ٹھیک ہوں گے عبدالہادی تمہیں تنگ کرتا ہوگا مگر میرا بھانجا تو بالکل بھی تنگ نہیں کرتا۔ تم اسے ڈانٹنا نہیں ہاں اب تو چھ ماہ کا ہوگیا ہے۔ کب میں اسے اپنے پاؤں پر چلتا ہوا دیکھوں گی بہت انتظار ہے۔ جلدی سے عبدالہادی چلنا شروع کرو۔ تمہاری آنٹی بہت بے صبری ہے (ہاہاہاہا) جب تم ہنستے ہو تو دل کرتا ہے تمہارے پیارے پیارے گالوں کو چومتی رہوں۔ تم ہو اتنے سویٹ اتنے کیوٹ۔ اللہ تمہیں ہر بری نظر سے بچائے اور میری دعا ہے اللہ تمہاری عمر دراز کرے اور اس زندگی میں تمہیں بے پناہ خوشیاں ملیں۔ دیکھو میں تمہیں آنچل کے ذریعے بتا رہی ہوں کہ تمہاری خالہ جانی تم سے کتنا پیار کرتی ہیں اور ہاں جب بڑے ہوگے تو میں تمہیں یہ دوں گی۔ تم یہ پیغام پڑھنا جو میں نے تمہارے نام لکھا ہے پھر تم بہت خوش ہوگے اپنا نام آنچل میں پڑھ کر اچھا جی اب اجازت۔

تمام قارئین کو میرا محبت بھرا اسلام قبول ہو اور ہاں ایک اور بات حرا قریشی آپ نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی؟ اگر ہاں تو پلیز آنچل کے توسط سے جواب ضرور دیجیے گا۔ مجھے انتظار رہے گا حالانکہ آپ مجھے بڑی لگتی ہیں مگر شاید نہیں میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں اور بھی بہت سی لڑکیوں کے نام یاد ہیں جن سے مجھے دوستی کی خواہش ہے۔ جن میں شمع مسکان، ساریہ چوہدری، سباس گل، ماہ رخ سیال، شاہ زندگی، جاناں، لاڈو ملک، انا احب، دعائے سحر، لاریب انشال، عروسہ شہوار اور بہت سے نام ہیں۔ پلیز میں آپ سب کے جواب کی منتظر رہوں گی اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔

زہرہ فاطمہ..... نامعلوم

### جان سے پیاری دوستوں کے نام

السلام علیکم! فرینڈز کیسی ہو سب؟ آنچل فرینڈز سے تو میں ناراض ہوں دو ماہ خط نہیں لکھا اور سب مجھے بھول گئیں اور مدیحہ نورین مہک، بہنا بول کے پھر یہ نظر انداز کرنا کیوں، (بولو) مبارک ہو بی اے کرنے پر، مجھے بھی مبارک دو یہ سب میں نے بھی ایف ایس سی کلیئر کرلیا ہے اب بی ایس سی میں ایڈمیشن لیا ہے (اللہ کامیاب کرے سب کو مجھ سمیت) اور ڈیئر حنا وہاب! نومبر میں تمہاری سالگرہ تھی۔ بہت مبارک ہو دعا ہے ہمیشہ خوش رہو (مغرور لڑکی) دسمبر کے مہینے میں میری سالگرہ بھی ہے (یاد کرنا سب) کشمالہ، تانیہ، بریرہ، خدیجہ، عائشہ، فروہ، حنا، شناء، بختاور، (اور نیلی آنکھوں والی) سوری نام یاد نہیں، تم لوگوں نے آخر ڈگری دو کو چار چاند لگا دیے ہیں اچھے نمبر لے کر آٹھ لگا دینا اور زینب تم تو ڈگری دو کی چندہ اور شہزادی ہو۔ سو کیوٹ، پروین افضل آپی آپ سنائیں تمام آنچل فرینڈز کو سلام یاد کیا تو ناراضی ختم ورنہ پکی (سمجھے)

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutube...



Digitized by Google

سمیہ کنول......بھیر کنڈ

بھائی کے نام

امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گی۔ دوست کا پیغام آئے میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں۔ 14 نومبر کو میرے کیوٹ اور سویٹ سے بھائی عادل کی برتھ ڈے ہے۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو یہ عادل کی پہلی برتھ ڈے ہے۔ آئی لو یو سو مچ میری جان۔ آنچل گرلز مجھ سے کون دوستی کرنا چاہے گا؟ مجھے دوست بنانا اچھا لگتا ہے۔ ارم کمال، تمنا بلوچ، مدیحہ نورین، دلکش مریم، مجم انجم اعوان، ڈاکٹر زارا تعبیر، اقرا جٹ آپ سب مجھے اچھی لگتی ہیں۔ پروین افضل شاہین آنٹی اللہ آپ کی گود ہری کرے آمین پاکستان زندہ باد۔

ارم آصف......خان گڑھ

سب دوستوں کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں سب؟ امید ہے اللہ کے فضل و کرم سے ٹھیک ہوں گی۔ اللہ سے دعا ہے کہ آپ سب کو ٹھیک ہی رکھے آمین۔ اقرا! 14 کو تمہاری شادی ہے بہت مبارک ہو تمہیں۔ رائقہ، صبا واہ واہ کیسی فرینڈز ہو تم دونوں؟ بار بار پوچھتی ہو کہ میری سالگرہ کب ہے؟ ویری گڈ تم دونوں جیسی فرینڈز ہی ہوتی ہیں۔ یکم جنوری کو ہوتی ہے میری سالگرہ اتنا اہم دن سال کا پہلا دن اب دیکھتی ہوں کتنا یاد رکھتی ہو دونوں۔ شفقت شاہین، شبنم کنول، ارم ریاض، ارم کمال، پروین افضل شاہین، جیا عباس، شزا بلوچ، طیبہ خاور، آنٹی کوثر خالد، فریدہ فری سب کے لیے ڈھیر ساری دعائیں فائزہ بھٹی دعا کے لیے بہت شکریہ۔ اللہ آپ کے بھی نصیب اچھے کرے آمین۔ نجمہ نذیر میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟ باقی تمام پڑھنے والوں کو سلام اور ڈھیر ساری دعائیں۔ جہاں رہیں خوش رہیں ہنستے مسکراتے رہیں۔

مدیحہ نورین مہک......گجرات

آنچل حجاب فرینڈز کے نام

سب سے پہلے میں اپنی پیاری نند فریدہ جاوید فری سے مخاطب ہوں۔ آپی آپ کی کوئی تحریر بھی حجاب کی زینت نہیں بنی اس کی کیا وجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مکمل صحت عطا فرمائے، آمین۔ رانی احمد بھٹی، عریشہ زاہد عرشی، وقاص عمر، ماہا بشیر حسین، تبسم بشیر حسین، مدیحہ نورین مہک، میری نگارشات پسند فرمانے کا شکریہ۔ آپی کوثر آپ نے میری پیاری نند فریدہ جاوید فری کے نام بہت ہی خوب صورت لائنیں لکھی ہیں۔ فائزہ بھٹی آپ نے مجھے بہت سی دعائیں دیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اقرا جٹ کہاں غائب ہیں؟ ایک آپ ہی تو ہمارے ضلع بہاولنگر کی تحصیل منچن آباد کی پہچان ہیں جویریہ دکی اور صوبیہ فرام وزیر آباد کہاں غائب ہیں؟

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

شازیہ ہاشم، میری دوستوں اور وقاص عمر کے نام

السلام علیکم! تمام حجاب پڑھنے اور اس میں لکھنے والی بہنوں کو میرا اخلاص بھرا اسلام! کچھ پیاری ہر دل عزیز ہستیوں نے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ سو فیصد امید ہے کہ ان کی امیدوں پر پورا اتروں گی آپی جان شازیہ ہاشم آپ کا کیا حال ہے دیکھ لیں ہمارے لیے آپ سے ایک سم نہ لی گئی۔ نجمہ نذیر آپی آپ کے اپنے ہی آپ کے دشمن ہیں کمال بات ہے۔ آپ ہمارا ساتھ مت چھوڑنا۔ حنا ارشد آپی اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ میری کالج کی دوستیں اکمل، کاشفہ، رمشا، امین، ثنا، سعدیہ، مریم، حمنہ، حفصہ، امبر آپ سب کیسی ہو اور آنچل پر میرا پہلا خط آنے پر آپ سب نے مبارکباد دی۔ آپ سب کا شکریہ۔ عطرت، افشاں، خدیجہ، مہرین تم کیسی ہو رمشا کزن تم بہت یاد آتی ہو۔ اللہ کرے تم پاس ہو جاؤ۔ مریم خضر بہن پلیز ہمیں تنگ نہ کیا کرو۔ وقاص عمر آپ کیسے ہیں۔ 25 دسمبر کو آپ کی سالگرہ ہے۔ ہماری طرف سے بہت مبارک ہو۔ اللہ پاک آپ کو توقع سے زیادہ کامیابیاں دے اور اپ کی تمام نگارشات زبردست ہوتی ہیں۔ میں آپ کو شوق سے پڑھتی ہوں۔ ثنا لیاقت، بشریٰ کنول، فائزہ بھٹی، عائشہ یونس، حنا اشرف، لاریب انشال، اقرا جٹ، مدیحہ نورین مہک، سباس گل، ارم کمال، پروین افضل شاہین، لیلیٰ رب نواز آپ سب کو سلام آپ سب اچھا لکھتی ہیں۔ میں سب سے دوستی کی خواہاں ہوں آخر میں آپ سب سے درخواست ہے کہ دعا کریں اللہ مجھے بھائی کی نعمت سے نوازے۔ اللہ حافظ۔

انعم خضر......نواں شہر حافظ آباد

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



Digitized by Google

# ٹوٹکے

خدیجہ احمد

## خواتین جھٹ پٹ فریش کیسے ہوں؟

سارا دن گھر کا کام کرتے‘ کھانا پکاتے‘ بچوں کو اسکول لے جاتے اور پھر ان کا ہوم ورک کرواتے گھریلو خواتین تھک کر چور ہو جاتی ہیں‘ ایسے میں پانچ منٹ کا آرام بھی انہیں بہت سکون دیتا ہے۔

آج اس آرٹیکل میں ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ سارے دن کی تھکا دینے والی مصروفیات کے بعد تھکن اتارنے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟

دراصل صبح صبح بچوں کا ناشتہ بنانے سے لے کر اسکول بھیجتے بھیجتے خواتین کی ساری انرجی ضائع ہو جاتی ہے تو ایسے میں بچوں کو اسکول اور خاوند کو آفس بھیجنے کے بعد آپ گھر کے کام وغیرہ کرکے فارغ ہو جائیں تو سب سے پہلے نہائیں‘ کپڑے بدلیں اور تیار ہو جائیں۔ اب ایک پیالی سبز چائے تیار کریں۔ گھر کے پرسکون گوشے میں بیٹھیں اور اس چائے سے لطف اٹھائیں۔ اس طرح اپنے آپ کو سکون دینا ہے۔ آپ کو تازہ دم کردے گا اور آپ دن کے باقی کام تروتازہ رہ کر کریں گی۔

ان لمحات کا سکون آپ کے پورے دن کی مصروفیات پر حاوی رہے گا۔ ایسے میں آپ موسیقی سنتے ہوئے‘ کپ کی گرمائش کو محسوس کرتے ہوئے‘ صاف ستھرے گھر میں بیٹھے ہوئے چائے کی خوشبو اور اس سے نکلتے دھوئیں سے آپ ایک نئی توانائی حاصل کریں گی۔

اس کے علاوہ فارغ وقت میں کتاب کا مطالعہ بھی آپ کی تھکن اتارتا ہے۔ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ روزانہ پانچ سے چھ منٹ تک کا مطالعہ ہمارے ذہن کو پرسکون کرتا ہے۔ اور اعصاب پر سوار پریشانی اور تھکاوٹ اتر جاتی ہے۔ روزانہ کتاب پڑھنے کے لیے وقت نکالیے لیے آپ کے بچے علم حاصل کرنے کے لیے پڑھ رہے ہیں اور آپ کو اپنی ذہنی اور جذباتی صحت کے لیے پڑھنا ہوگا۔

گھر کے صحن، لان، بالکونی یا کھڑکی کے قریب بیٹھیں اور آسمان کا نظارہ کریں۔ جب ہم آسمان کا نظارہ کرتے ہیں تو یہ احساس دل میں جاگ اٹھتا ہے کہ دنیا وسیع ہے، اس کے نظارے دلفریب ہیں اور یہاں دیکھنے اور محسوس کرنے کے لیے بہت کچھ ہے‘ اس کے علاوہ کسی پودے یا درخت کے قریب بیٹھ جائیں‘ اب چند لمحے صرف اس خوب صورت نظارے کو دیکھیں اور گہری سانس لیں۔ اب سوچیں! آپ بھی اس فطری خوبصورتی کا حصہ ہیں۔ آپ کو اپنی اس خوبصورتی میں منفرد بات کیا نظر آتی ہے اسے لکھ لیں۔ یہ بہت آسان کام ہے۔ ہمیں اپنی شخصیت اور فطری نظاروں میں موجود یکسانیت کو تلاش کرنا ہے‘ اس طرح آپ کو اپنی شخصیت کی خوب صورتی تلاش کرنے کا موقع ملے گا۔

ورزش کریں، تھوڑی سی ورزش بھی آپ کا بلڈ پریشر اور کولیسٹرول قابو کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔ ماہرین صحت کے مطابق اگر روزانہ چند منٹ پر مشتمل ورزش کا پروگرام اپنا لیا جائے تو دل کی صحت متاثر ہونے سے بچ سکتی ہے۔

## سردیوں میں جلد کی حفاظت

سردیوں کا موسم ویسے تو سب ہی کے لیے پسندیدہ ہوتا ہے۔ ڈرائی فروٹ، رنگ برنگی سبزیاں اور رس دار پھل اس موسم کا وہ تحفہ ہوتے ہیں۔ جن سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔

مگر بدقسمتی سے اس موسم کے استقبال میں ہماری

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
urdutubes.com



Digitized by Google

جلد ہمارا ساتھ نہیں دیتی۔اس موسم میں وہ ہم سے روٹھ سے جاتی ہے۔موسم کی خشکی کے سبب جلد کی رنگت ماندی پڑ جاتی ہے۔اس کی چمک دمک کہیں گم ہوجاتی ہے۔جس کو واپس لانے کے لیے ہم مہنگے موسچرائزرز اور کولڈ کریمز کا استعمال کرتے ہیں۔مگر ان سب کا اثر عارضی ہوتا ہے۔ان مہنگی کریموں کے استعمال کے دوران ہم بھول جاتے ہیں کہ ہمارے اپنے باورچی خانے میں اس مسئلے کا انتہائی ارزاں حل موجود ہوتا ہے۔

## پپیتے کا ماسک

پکے ہوئے پپیتے اور کیلے کو پیس کر یک جان کرلیں۔اس میں دو چمچ شہد ملالیں۔اس کے بعد اس کو چہرے پر اور دیگر خشک جلد پر لگالیں۔کچھ دیر کے بعد سادہ پانی سے دھولیں۔اس سے نہ صرف چہرے کی تازگی میں اضافہ ہوگا بلکہ چہرے پر پڑنے والی جھریاں بھی ختم ہوں گی اور خشکی کا خاتمہ ہوگا۔

## دودھ اور بادام کا ماسک

ایک چمچ پسے ہوئے بادام اور دو چمچ دودھ لے کر اس کا پیسٹ بنالیں۔اس کو چہرے پر لگا کر خشک ہونے دیں۔اس کے بعد تازہ پانی سے دھولیں۔دودھ اور بادام کے اندر موجود وٹامن ای نہ صرف جلد کی رنگت کو بحال کرتا ہے بلکہ اس کو کھلا کھلا اور تروتازہ بناتا ہے۔

## مکھن کے دودھ اور دھی کا ماسک

مکھن کا دودھ درحقیقت وہ دودھ ہوتا ہے جو چھاچھ بنانے کے بعد مکھن نکالنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔اس کو ہم وزن دہی کے ساتھ ملا کر دس سے پندرہ منٹ تک جلد پر لگائے رکھیں۔دھونے کے بعد جلد میں ہونے والی تبدیلی آپ کو بھی حیران کردے گی۔

## گلیسرین کا ماسک

گلیسرین ایک انتہائی سستا اور آسانی سے مل جانے والا روغن ہے۔چہرے کو سادہ پانی سے دھونے کے بعد ہلکا خشک ہونے کے بعد روئی سے دھیرے دھیرے گلیسرین کو چہرے پر لگادیں۔اس کو دھونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔یہ دن بھر آپ کے چہرے کو موسم کی خشکی سے بچا کر رکھے گا۔

## پٹرولیم جیلی کا استعمال

نہانے سے قبل پٹرولیم جیلی کو پورے جسم اور چہرے پر ہلکے ہاتھوں سے مساج کرلیں۔پندرہ منٹ کے بعد نیم گرم پانی سے نہالیں۔اس سے جسم اور چہرے کی خشکی کا خاتمہ ہوتا ہے۔

## زیتون کے تیل اور انڈے کی زردی کا ماسک

دو انڈوں کی زردی میں چند قطرے زیتون کا تیل ملالیں اور اس کو اچھی طرح بلینڈ کرلیں۔اس کے بعد اس کو چہرے پر بیس منٹ تک لگا رہنے دیں۔دھونے کے بعد نہ صرف جلد چمکدار اور تروتازہ ہوجائے گی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ داغ دھبے بھی دور ہوجائیں گے۔

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

## لیموں اور شہد کا ماسک

دو چمچ شہد میں آدھا لیموں نچوڑ لیں۔اس کو اچھی طرح ملالیں اور اس کو چہرے پر لگالیں۔خشک ہونے کے بعد اس کو دھولیں۔اس سے نہ صرف رنگت صاف ہوتی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ جلد کے دھبے بھی صاف ہوتے ہیں۔

امید ہے ان ٹوٹکوں کے ذریعے نہ صرف آپ اپنی روٹھی ہوئی جلد کو منا پائیں گی۔بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے پسندیدہ موسم کا لطف بھی اٹھا سکیں گی۔



Digitized by Google